مکران

عہد قدیم سے عہد جدید تک

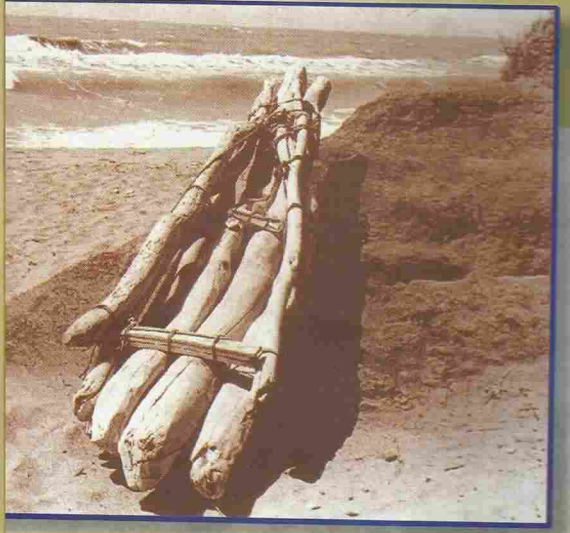

حمید بلوچ

مکران

عہد قدیم سے عہد جدید تک

حمید بلوچ

بلوچستان کا خطہ تاریخی حوالے سے ہمیشہ محققین کی توجہ کا مرکز رہا ہے۔ اس خطے کی تاریخ ہمیشہ سربستہ راز رہا ہے جس کی وجہ سے اس کی تاریخ کے مختلف گوشوں پر ابھی تک پردہ پڑا ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر حمید بلوچ کی یہ کوشش ہوا کے خوشگوار جھونکے کی مانند ہے جس میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ ان سربستہ رازوں کو قاری کے سامنے اجاگر کر کے اس خطے کی تاریخی اہمیت کو اجاگر کیا جائے۔ ڈاکٹر حمید بلوچ اس سے پہلے بھی بلوچستان کی دستاویزی تاریخ کے حوالے سے گرانقدر خدمات انجام دے چکے ہیں جن کی مدد سے بلوچستان کی جدید تاریخ کو ان دستاویزی حوالوں سے سمجھنے میں محققین کو کما حقہ مدد ملی ہے۔ امید ہے ''مکران عہد قدیم سے عہد جدید تک'' کو سنجیدہ حلقوں میں پذیرائی ملے گی۔ حمید بلوچ کی اب تک چھپی ہوئی کتابوں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

1. Balochistan Bibliography
2. Balochistan Papers
3. Balochistan Chronicles
4. Makran Affaairs
5. Memoir of Douglas Fell (in press)
6. Balochistan Ethnobotany (in press)

کامریڈ واحد بلوچ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

جملہ حقوق بحق سید ہاشمی ریفرنس لائبریری محفوظ ہیں

نام کتاب	:	مکران: عہد قدیم سے عہد جدید تک
مصنف	:	ڈاکٹر حمید بلوچ
کمپوزنگ	:	غلام رسول کلمتی
لے آؤٹ	:	کامریڈ عبدالواحد بلوچ
تعداد	:	500
اشاعت	:	2009ء
قیمت	:	450 روپے

City Book Point

Naveed Square, Urdu Bazar
Near Muqadus Mosque Karachi
Ph:2762483 Cell:03222820883

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

فہرست

عنوان	صفحہ نمبر
دیباچہ	۷
باب اول	
مکران وجہ تسمیہ	۱۳
باب دوم	
بلوچ کون؟	۲۱
باب سوم	
مکران کے سماجی نظام ۔کے خدوخال	۴۱
مکرانی سماج کے طبقات	۴۱
مکران میں آب پاشی کا نظام	۴۳
مکران کے کلات	۴۶
باب چھارم	
مکران قدیم دور	۵۱
میری کلات وشاہی تمپ ثقافت	۵۳
میری کلات اور شاہی تمپ آثار......	۶۰
بالاکوٹ ثقافت	۶۳
سُتگیں ڈور	۶۹
سُتگیں کوہ	۷۳
بمپور	۷۳
کلی اور میہی ثقافت	۷۶
مکران، سندھ اور عراق کے مابین تجارتی...	۸۳
مکران کے قدیم باشندے	۹۰
باب پنجم	
ہخامنشی وسکندری دور	۹۵
مکران اہل یونان کی نظر میں	۱۰۰
ماہی خوران	۱۰۰

عنوان	صفحہ نمبر
گدروشیا	۱۰۴
سکندر اعظم اور مکران	۱۰۵
یونانی حوالوں سے شہروں کے نام	۱۱۴
سکندر کی وفات کے بعد کے حالات	۱۲۲
باب ششم	
پارتھی وساسانی دور	۱۲۵
ساسانی دور اقتدار	۱۲۷
نوشیروان، بلوچ اور شاہنامہ	۱۳۵
باب ھفتم	
عرب دور	۱۴۵
سندھ ۔کے رائے برہمن خاندان	۱۴۵
عربوں کا دور حکومت	۱۴۸
راجہ داہر تخت نشینی واقعہ سراندیپ	۱۵۳
مکران میں عرب عہد حکومت	۱۵۷
باب ھشتم	
خوارجی، صفراوی اور غزنوی	۱۶۳
خوارجی گروہ	۱۶۳
صفراوی خاندان	۱۶۵
غزنوی دور	۱۶۹
باب نھم	
تاریک دور	۱۷۷
سلجوق حکمران	۱۷۸
خوارزم شاہ	۱۸۲
امید کی کرن	۱۸۶

عنوان	صفحہ نمبر
باب دھم	
رند دور	۱۹۱
بلوچوں کی پہلی حکومت	۱۹۲
قلات اور مکران؛ چپقلش	۱۹۴
بلوچوں کی خانہ جنگی اور ہندوستان......	۱۹۵
تاریخ اور قدیم بلوچی شاعری	۱۹۵
بلوچ سماج چاکری عہد میں	۲۰۴
میر چاکر حقیقت یا افسانہ	۲۰۶
باب یازدھم	
پرتگیزی دور	۲۱۱
حمل جیئند	۲۱۷
میر حمل اور چاکر کہدائی......	۲۱۸
میر حمل اور پرتگیزوں کی لڑائی	۲۲۴
باب دوازدھم	
خوانین قلات دور	۲۳۱
احمدزئی حکمران	۲۳۳
نادر شاہ افشار	۲۳۹
میر عبداللہ قہار نادری لشکر میں	۲۳۹
میر نصیر خان کا دور حکومت	۲۴۱
مسقط کے بوسعیدی حکمران	۲۴۵
میر نصیر خان کا آخری دور	۲۴۷
ریاست قلات کے سماجی خدوخال	۲۴۷
کنفیڈریشن دور	۲۵۰
استحکام کا دور	۲۵۱
انتشار کا دور	۲۵۳

عنوان	صفحہ نمبر
باب سیزدھم	
بلیدہی اور گچکی دور	۲۵۷
خوانین قلات کا مکران پر حملہ...	۲۶۲
ذکری فرقہ اور اس کی تاریخ	۲۶۷
سیاسی وسماجی نظام اور ذکری فرقہ	۲۷۳
ذکری حکمران خارجی تعلقات	۲۷۵
باب چھاردھم	
غلامی دور	۲۷۹
مکران میں غلاموں کی تجارت	۲۸۱
تجارت پر پابندی اسکے اثرات	۲۸۴
پابندی کے مکران پر اثرات	۲۸۸
غلام مسئلہ اور انگریزی دور	۲۹۳
غلامی کا خاتمہ	۲۹۶
باب پانزدھم	
انگریز دور (حصہ اول)	۲۹۹
جاسوس دور	۲۹۹
کپٹن گرانٹ کا سفرنامہ مکران	۲۹۹
ہنری پوٹنجر کا احوال مکران	۳۰۵
حاجی عبدالنبی کابلی کا سفرنامہ	۳۰۹
باب شانزدھم	
انگریز دور (حصہ دوم)	۳۱۳
گولڈاسمڈ اور سنڈیمن دور	۳۱۳
کلوزبارڈر اور فارورڈ پالیسی	۳۱۵
انڈو یورپین ٹیلی گراف لائن....	۳۱۷
فارس کی ہٹ دھرمی	۳۲۲

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

سیاہ کار بھی تھے۔ ان کی ظاہری شستگی ان کے باطنی دھوکے اور عیاشی کا بھیس تھی''۔(۲)

اسی طرح انگریزی مورخ اے ڈبلیو ہیوگز مکران کے باشندوں کے متعلق تحریر کرتے ہیں کہ ''مکرانی قبائل جسمانی ساخت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ عرب نسل کے مرد اور عورتیں عموماً سڈول اور خوش وضع ہیں جبکہ ماہی گیر (جو پست قبائل کے نمونے ہیں) عموماً خستہ حال اور کریہہ المنظر ہیں۔ اس کی وجہ غالباً ان کی بدخوراکی اور بدکرداری ہے''۔(۳)

انگریز مورخ راس مکران کے باسیوں کے بارے میں رقم طراز ہیں ''مکرانی بھاڑے کا جو کام قبول کرتے ہیں اسے لازماً نبھاتے ہیں۔ اگرچہ وہ نڈر اور جری نہیں ہیں تاہم وہ مستقل مزاج ضرور ہیں اور گو وہ خطرہ پسند نہیں تاہم وہ اپنی جان بچانے کے بھی اتنے قائل نہیں۔ اپنے اندرونی جھگڑوں میں وہ جم کر نہیں لڑتے لہذا کشت وخون برائے نام ہوتا ہے۔ وہ مضبوط الجثہ تو نہیں لیکن محنت ومشقت برداشت کرتے ہیں اور یہ تو آئے دن دیکھنے میں آتا ہے کہ مکرانی پچاس میل بلکہ اس سے بھی زیادہ یومیہ پیدل سفر کر لیتا ہے اور صرف اپنے خریطے کی چند خشک کھجوروں پر گزارا کر لیتا ہے''۔(۴)

پاکستانی مقتدرہ کے منصب اہلکار شوکت علی شاہ جس نے ساٹھ کی دہائی میں کچھ عرصہ مکران میں بطور اسسٹنٹ کمشنر گزارہ ہے وہ مکران کے باسیوں کو تین گروہوں میں تقسیم کرتے ہیں ان کے مطابق ''ایک بلوچ جن کا رنگ تانبے کی طرح دمکتا ہے اور اس میں بے شمار قبائل آباد ہیں۔ دوسرے غلام ہیں وہ کالے، چھوٹی آنکھوں اور موٹی ہونٹوں والے مکرانی ہیں اور تیسری نسل درزادوں کی ہے جو بلوچوں اور غلاموں کے اختلاط سے معرض وجود میں آئی ہے''۔(۵)

مندرجہ بالا اقتباسات سے ایک بات واضح ہے کہ مکران کے باشندوں کے متعلق چاہے مقامی ہوں یا غیر مقامی یکساں تعصب رکھتے تھے۔ ان افراد میں ایک چیز مشترکہ نظر آتا ہے وہ یہ کہ تاریخ سے بے خبری۔ تاریخ کے صفحات مکران کے باشندوں کی بہادری، سرفروشی اور جفاکشی کی ایک بالکل مختلف کہانی سناتے ہیں۔ جس میں مکران کے باشندے ہمیں کوروش، سکندر مقدونی، ساسانی بادشاہوں مثلاً اردشیر بابکان، نوشیروان، رومن ایمپائر، عرب فاتحوں، غزنوی، سلجوقی، خوارزمی، صفراوی، پرتگیزوں اور انگریزوں کے ساتھ لڑتے ہوئے نظر آئے۔ برصغیر پاک وہند میں کسی اور خطے نے اتنی بڑی تعداد میں مہم جوؤں کا سامنا نہیں کیا جتنا کہ مکران اور اس کے ساحل پر بسنے والے باشندوں نے کی ہو۔ اس کی گواہ اس کتاب کا ہر صفحہ ہے۔ اس خطہ عظیم میں انگریزوں نے اپنے

مفادات کی خاطر فارس کے ساتھ تقسیم ہند سے پہلے اسکے حصے بخیرے کیے۔ اس طرح ہندوستان کی تقسیم کا آغاز سرزمین مکران سے شروع ہوا۔ پنجاب اور بنگال کی تقسیم بعد میں عمل میں آئے۔

سرزمین مکران نے بلوچستان کے عظیم ہیرو عیسیٰ مادن کو پیدا کیا جس نے غزنوی حاکم مسعود غزنوی کے فوج کا کیچ کے نخلستانوں میں بہادری اور بے جگری سے مقابلہ کیا۔ اسی سرزمین کے ساحل نے بلوچی رزمیہ شاعری کے عظیم ہیرو حمل جیئند کو جنم دیا جس نے ساحل مکران پر پرتگیزی حملہ آوروں کو ناکوں چنے چبوائے۔ اسی طرح کیچ کے حاکم ملک دینار نے نادر شاہ افشار کے جرنیل تقی خان کا مقابلہ کیا۔ اگرچہ اس جنگ میں اسے شکست ہوئی لیکن افشاریوں کا نقصان بھی کچھ کم نہ تھا۔ لہذا انہوں نے مکران پر قبضے کے بجائے لوٹ مار کر کے واپس چلے جانے میں اپنی عافیت محسوس کی۔ اسی طرح انگریزی دور میں ہمیں بلوچ خان نوشیروانی کی شجاعت کی داستان بھی اسی سرزمین کے حوالے سے ملتا ہے۔ مندرجہ بالا مثالوں سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مکران کے باشندے نسلی لحاظ سے اپنے اندرون ملک میں رہائش پذیر بھائیوں سے کسی بھی طرح کمزور ہیں۔ سامراجی دور میں لکھے گئے کتابوں میں ایک چیز مشترک ہے وہ یہ کہ کس طرح مفتوحہ علاقے کے باشندوں کو نسلی لحاظ سے کمتر ثابت کیا جائے تاکہ ان پر اپنے قبضے کو اخلاقی جواز فراہم کیا جاسکے۔ اسی نقطے کو مدنظر رکھتے ہوئے انگریز دور اور اس کے بعد کے آنے والے مورخوں نے اپنے سابقہ آقاؤں کی روش کو اپناتے ہوئے نسلی تعصب میں اپنی توانیاں صرف کیں۔ اب حالات تبدیل ہو چکے ہیں اور جدید اذہان نسلیات کے پرانے مروج طریقے کار سے اتفاق نہیں رکھتے۔ بہادری، جفاکشی اور شجاعت کسی ایک نسل اور قوم کی جسمانی ساخت کی مرہون منت نہیں ہوتی اگر ایسا ہوتا تو افریقہ اب تک غلامی کی زندگی گزار رہا ہوتا۔ آج ہمیں افریقی نسل کے برگزیدہ ہستیاں، نیلسن منڈیلہ اور امریکہ کے پہلے افریقی نسل امریکی صدر براک حسین اوبامہ کی صورت میں اس دعوے کی نفی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جدوجہد بلوچستان کی نئی لہر سے یہ بات عیاں ہے کہ مکران کے عظیم سپوت اپنے تحریکی بھائیوں کے شانہ بشانہ ہیں ''شہدائے مرگاپ''، ''سوراپ'' اس عظیم جدوجہد کی خاموش گواہ ہیں۔ مکران کو کسی بھی طریقے سے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا کیونکہ بلوچستان کا یہ عظیم ساحل جس کی خاطر اس سرزمین کے باشندوں نے نسل در نسل قربانیوں کا ایک عظیم سلسلہ جاری رکھا وہ اب بھی تواتر سے جاری وساری ہے۔

تاریخ مکران کے مختلف ابواب میں چند تلخ حقائق سامنے لانے ضروری تھے کیونکہ ماضی کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

باب اول

مکران وجہ تسمیہ

دائرہ معارف اسلامیہ کے مطابق یونانی مکران کو Gedrosia کہتے تھے۔ جہاں ماہی خور (Ichthyophagi) رہا کرتے تھے۔ اسی نسبت سے اس کے موجودہ نام مکران پر اشتقاقی صورت کا گمان ہوتا ہے۔ جو کہ غالباً اسی دراوڑی (Dravadian) ماخذ سے متعلق ہے۔(۱)

تاریخ کرمان کے مصنف احمد خان علی خان وزیری مکران کی وجہ تسمیہ یوں بیان کرتے ہیں:

سام بن نوح ..... جمیع اھل ایران از تخم لواند، اوراشش پسر بود، اول ارفخشد ..... وکرمان و مکران پسران (سوم پسر سام) ھستند۔

ھتیال بن ارفخشد بن سام بن نوحؑ کے دو بیٹے تھے یعنی کرمان اور مکران۔ اس طرح کرمان اور مکران حضرت نوحؑ کے پڑپوتے ھتیال کے فرزند تھے۔ انہی کے نسبت سے ان علاقوں کے نام پڑے جنہیں انہوں نے خود آباد کیا تھا۔(۲)

قاضی عبدالرحیم صابر اپنی کتاب میں مکران کی وجہ تسمیہ کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ ''مکران کا نام اس وجہ سے مکران رکھا گیا ہے کہ اس میں مکران بن فارک بن سام بن نوحؑ (بس گئے تھے جو کہ) کرمان کے بھائی تھے۔ جس نے فروکش ہو کر اس کو اپنا وطن بنایا تھا۔ جبکہ بابل میں دونوں کی ایک دوسرے کے ساتھ علیحدگی ہو گئی تھی''۔ آگے چل کر وہ مزید لکھتے ہیں کہ ''سام بن نوحؑ کے پوتے مسمی بہ مکران نے اس ملک میں فروکش ہو کر اسے اپنا وطن عزیز بنایا پھر ان کا یہ وطن مالوف انکے نام پر ''مکران'' مشہور ہو گیا تھا۔ جیسا کہ ان کے ایک محترم بھائی ''کرمان'' نے کرمان میں فروکش ہو کر اسے اپنا وطن بسایا تھا اور ان کا وطن ان ہی کے نام پر کرمان مشہور ہوا''۔(۳)

مولائی شیدائی نے مکران کے بارے میں مختلف اشخاص کی آراء کو تفصیل سے اپنے مضمون ''مکران'' میں بیان کیا ہے جسے مولانا خیر محمد ندوی صاحب نے بلوچی میں ترجمہ کر کے اسے اپنے رسالے ماہنامہ ''سوغات'' میں شائع کیا تھا اس کے مطابق ''مکران کے نام کے حوالے سے تاریخ دانوں کے ایک گروہ کے مطابق یہ دراوڑی زبان کا لفظ ہے جبکہ دوسرا گروہ اسے سنسکرت تحریر کرتا ہے۔ اسی طرح ایک اور گروہ اس لفظ کو فارسی زبان کا لفظ قرار دیتے ہیں۔ بعض اسے عربی کا لفظ مانتے ہیں۔ لارڈ کرزن

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

تھے۔ یہ صوبہ جہاں Maciya اور Yutiya رہتے تھے، دارا کے بیستون والے نقش میں اسے Maka کہا گیا ہے۔(۱۰)

Marquart کے مطابق Yutiya جنوبی کرمان میں رہنے والے جت بلوچوں کو کہا جاتا تھا۔ جو اس خطے میں زمانہ قدیم سے لیکر عرب دور تک آباد رہے۔(۱۱)

یہ بات یاد رہے کہ جنوب مشرقی کرمان ہمیشہ سے ''ماکان'' یا ''ماکا'' کا حصہ رہا ہے۔ اسی طرح وسطی دور کے فارسی تحریروں میں لفظ مکران (Makuran) کا ذکر بھی ملتا ہے، جس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس دور میں فارسی زبان نے مکران کے حوالے سے بلوچی زبان کے اثرات قبول کئے تھے۔ البتہ لفظ مکران پہلی دفعہ ہمیں اسلامی دور کے تحریروں میں ملتا ہے۔(۱۲)

ان مثالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ Magan ہی اصل میں مکران ہے اور ھنس مین کے مطابق یہ بات منطقی لحاظ سے غلط ہے کہ Ma'an Magan یا Mazum کے لئے استعمال ہوتا رہا (اس حوالے سے علیحدہ سے بحث کی جائے گی)۔ کچھ محققین کا خیال ہے کہ Magan کے کچھ حصوں کا تعلق جزیرہ نما عرب سے تھا خاص کر عراقی سلطنت کے آخری دور کی تحریروں میں عراق کے جنوبی اور مشرقی علاقوں پر مشتمل حصے کو ماگان کا نام دیا گیا تھا۔ اسی طرح ھنس مین اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں کہ ماگان خلیج عمان کے دونوں اطراف میں پائے جائے والے علاقوں پر مشتمل خطوں کا نام ہو۔(۱۳)۔ اس بات کے دلیل میں وہ یہ جواز پیش کرتے ہیں کہ جب Naram Sin نے ماگان کو فتح کرنے کا حکم دیا تو اس نے اس علاقے پر Manui کو اپنا نمائندہ مقرر کیا جو کہ صرف ایک علاقے پر مشتمل تھا نا کہ انہیں جغرافیائی لحاظ سے دو علیحدہ علیحدہ علاقوں پر حکمرانی کرنے کے لئے بھیجا گیا ہو۔(۱۴)

اکادی سلطنت میں بھیجے گئے پتھروں اور دھاتوں کے حوالے سے تحریر شدہ نقوش بھی اس بات کے گواہ ہیں کہ ماگان مکران ہی کا علاقہ تھا۔ ان تحریروں کے مطابق اکادی بادشاہوں Naram Sin اور Gadea نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ انہیں اپنے شہروں میں بڑے بڑے معبد تعمیر کرنے کے لئے پتھر ماگان ہی سے دستیاب ہوئے بلکہ Gudea کے بیان کردہ تحریروں سے ان پتھروں کی اقسام کا بھی پتہ لگایا گیا جو کہ Diorite پر مشتمل تھیں۔(۱۵)

اسی طرح Manishtusu جو کہ Naramsin کے پیشرو تھے انہیں ان پتھروں کو منگوانے کے لئے کشتیاں زیریں سمندر (خلیج فارس) کو پار کرنے کیلئے بھجوانی پڑیں اور ان کے کارندے ان پتھروں کے حصول کیلئے ان علاقوں تک جا پہنچے جہاں پر چاندی کی کانیں تھیں۔ یاد

رہے کہ جزیرہ نما عرب میں سیسہ کی کانیں، جس سے چاندی علیحدہ کیا جاتا ہے بلکل نہیں پائی جاتی ہیں۔ اسی طرح زیریں سمندر کو پار کرنے کے معنی یہ ہوئے کہ یہ کشتیاں دراصل دریائے فرات سے گزر کر ساحل مکران جا پہنچتی تھیں۔ اس سے ھنس مین اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ مکران کے پہاڑی سلسلے مثلاً Kuh-e-Jabal Bariz اور Jaz Muriyan سے پتھر اور چاندی حاصل کیا گیا تھا۔ کیونکہ ان کانوں میں اب بھی سیسہ سے ہی چاندی کو علیحدہ کر کے حاصل کیا جاتا ہے۔(۱۶)

اسی طرح تانا جو کہ ماکان سے Akkad بھیجا جاتا رہا اس کے کان بھی بلوچستان میں پائے جاتے ہیں اور کوہ قفتان تانبے کے کانوں سے بھرا پڑا ہے جہاں موجودہ پاکستانی گورنمنٹ اس دولت عظیم کو بے دردی سے پامال کر رہا ہے۔ ان برآمدات کی بنیاد پر یہ کہنا چنداں مشکل نہیں ہے کہ ماکان اصل میں مکران کے ایک بڑے حصے کو کہا جاتا تھا۔

بیستون کی چٹانوں پر شہنشاہ دارا کے فتوحات کا ذکر تین زبانوں میں تحریر ہیں اس میں کالم نمبر DB1:17 اور DPe18 میں ماکا (Maka) کا ذکر موجود ہے۔ ماکا کا ذکر، ساکا (وسط ایشیا)، ہند (سندھ) کوس، نوبیا اور عربیا کے بعد آتا ہے۔ فرانسوا دے بلوس (Francois de Blois) کے مطابق بیستون کے ان کالموں میں صرف ماکا کا ذکر ہے۔ اس کی جغرافیائی پوزیشن واضح نہیں ہے اور نہ اس بارے میں کوئی اور سراغ ملتا ہے کہ جس سے اس بات کا پتہ چل سکے کہ یہ علاقہ مفتوحہ ہے یا یہ کہ شہنشاہ دارا یا Xerxes نے اس علاقے میں کوئی فوجی آپریشن کیا ہو۔(۱۷)

اس سے محققین کے درمیان ایک لامتناہی بحث کا آغاز ہوا کہ جغرافیائی لحاظ سے ماکا کس علاقے کو کہتے ہیں آیا ماکا مکران ہے یا کہ عمان۔ Blois اس خیال کے حامی ہیں کہ ماکا عمان کو کہا جاتا تھا۔ اس کے دلیل میں وہ تخت جمشید سے دریافت ہونے والے قدیم تحریروں کا سہارا لیتے ہیں جن کو حال ہی میں پڑھا گیا ہے۔ اس کے مطابق ایک قدیم تحریر جو کہ Pf679 پر نوشتہ ہے جس کے مطابق ''قدیم ایرانی شہر Bushar (بوشیر) سے شراب ماکا کو مہیا کیا جاتا تھا۔ ان کے خیال میں یہ شراب مکران کے بانسبت عمان تک باآسانی فراہم کی جاسکتی تھی۔ اگر ایران کے نقشے کا بغور مطالعہ کیا جائے تو بوشیر کا علاقہ بندر عباس کے قریب ہے جبکہ عمان کا علاقہ وہاں سے کوسوں دور ہے اور جیسا کہ Blois کے مطابق چونکہ یہ زمینی سفر تھا تو اس کے لئے پہلے عراق کے دلدلی علاقے کو پار کرنا پڑتا تھا اور پھر کہیں ایک گول چکر کاٹ کر عمان تک پہنچا جاتا تھا۔ اس کے برعکس مکران شروع ہی سے ایران اور عراق کے ساتھ تجارتی راستوں سے جڑا ہوا تھا۔ جب پہلے سے راستے موجود ہوں تو اس سے دشواریاں اتنی نہیں ہوسکتیں تھیں۔ یہ بات یاد رہے کہ یہ شراب

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

جب یونانی اس سرزمین کی طرف متوجہ ہوئے تو یہ خطہ بے آب وگیاہ صحراؤں پر مشتمل تھا۔اس سے یہ اندازہ لگانا آسان ہے کہ تجارتی مرکزوں کی تباہی کے نتیجے میں ہونے والی معاشی نقصانات کا یہ علاقہ متحمل نہ ہوسکا جس کے نتیجے میں یہاں مکمل تباہی آئی اوراس طرح ان علاقوں کی خوشحالی مکمل طور پر صفحہ ہستی سے مٹ گئی اور یہ وہ دور تھا جب یونانیوں نے اس علاقے پر حملہ کیا تھا۔اس کے برعکس عرب اس خطے کے قدیم تاریخ سے واقف تھے لہذا انہوں نے اس سرزمین کواس کا قدیم نام واپس دلایا۔سردست اس ضمن میں کوئی اور ذریعہ نہیں ہے جس سے اس تھیوری کوثابت کیا جاسکے۔

حوالہ جات

۱-اردو دائرۃ معارف اسلامیہ۔(۲۰۰۱)،جلد ۲۱،شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ،پنجاب یونیورسٹی لاہور۔صفحہ نمبر ۴۸۴۔

۲-وزیری،احمد علی خان(۱۳۸۰)،تاریخ کرمان،مرکز بخش درتھران وشھر ستانھا؛انتشارات علمی،خیابان انقلاب، مقابل در بزرگ دانشگاہ تھران۔صفحہ نمبر ۲۴۳

۳-صابر،قاضی عبدالرحیم(۱۹۶۷)،مکران،بلوچی ادبی بورڈ،کراچی۔صفحہ نمبر ۱۹۰تا۱۹۱

۴-مولائی شیدائی،(۱۹۷۸)،مکران،ترجمہ مولانا خیر محمد ندوی،ماہتاک سوغات بلوچی کراچی،اگست/ستمبر ۱۹۷۸،صفحہ نمبر ۱۵تا۱۶

۵-چھسری،شہداد(۱۹۹۳)،مکران ماں داسپاناں،ماہتاک زندمان بلوچی،فروری ۱۹۹۳۔صفحہ نمبر ۹

۶-قادری،کامل،(۱۹۷۸)،مہمات بلوچستان،کوئٹہ،صفحہ نمبر ۳۴تا۳۵

۷-ھیوگز،اے ڈبلیو،(۱۸۷۸)،سرزمین بلوچستان،اردو ترجمہ پروفیسر ایم انور رومان،اردو ایڈیشن،سن اشاعت ۱۹۹۰،بے نظیر انٹرپرائیزز،کوئٹہ۔صفحہ نمبر ۲۰۳

8- Hansman J. (1973) opt. pp. 557-558

۹-ایضاً صفحہ نمبر ۵۵۷ ۱۰-ایضاً صفحہ نمبر ۵۵۷

11- Marquart J. (1933) A Catalogue of the provincial capitals of Eranshahr. Rome P. 77 as cited by Hansmen J. p557

12- Hansmen, J. p. 557

۱۳-ایضاً صفحہ نمبر ۵۵۸ ۱۴-ایضاً صفحہ نمبر ۵۵۸ ۱۵-ایضاً صفحہ نمبر ۵۵۸ ۱۶-ایضاً صفحہ نمبر ۵۵۸

17- Blois F.D. (1989) Maka and Mazan. Studia Iranica vol.18 pp.157-167

۱۸-ایضاً صفحہ نمبر ۱۶۰ ۱۹-ایضاً صفحہ نمبر ۱۶۴

19- Possehl G.L (1995) Seafaring merchants of Meluhha. South Asian Archaeology. pp 87-180

۲۱- Hansman opt. p 559 ۲۲-ایضاً صفحہ نمبر ۵۶۰

باب دوم

بلوچ کون؟

بلوچوں کے ابتدائی ماخذ کے حوالے سے مختلف آراء دیکھنے میں آئی ہیں اور ہر مورخ نے اپنی بساط کے مطابق ان کا تعلق کسی نہ کسی بالادست قوم سے جوڑنے کی کوشش میں اپنی توانائیاں صرف کیں۔اس باب میں ان تمام آراء کو یکجا کر کے قاری کے سامنے پیش کیا جائے گا تاکہ بلوچ قوم کی ابتداء کے بارے میں ایک واضح تصویر سامنے آسکے۔اس ضمن میں حائل پیچیدگیوں سے نمٹنے کے لئے ان آراء کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔پہلا مقامی مورخوں کی رائے اور دوسرا مستشرقین کی رائے۔

محمد سردار خان گیشکوری کے مطابق لفظ بلوچ کی اصطلاح بعوالہ برہان قاطع فارسی زبان میں کلغی،تاج یا چوٹی کو کہتے ہیں کیوں کہ بلوچ اپنے لمبے بالوں کو جوڑ کر ان کی چوٹی بنا لیتے تھے(۱) آگے چل کر فاضل مصنف لکھتے ہیں "لفظ بلوچ یا بلوص صریحاً بل اوچ یا بیل اور اوص کا ملاپ ہے۔ان کے مطابق "بیل" ایک بابلی دیوتا ہے جو کنعانی بعل کی ہی ایک بدلی ہوئی شکل ہے۔ دیوتا بیل سب سے پہلے بابل سے ہی متعارف ہوا ہے اور پھر اسے یونانی دیوتا زیوس میں پہچانا گیا ہے"۔(۲)

سردار گشکوری کے خیال میں بعل ان تمام اقوام وملل کا دیوتا تھا جو سامی یا شامی وعربی زبان کی ہم اصل بولیاں بولتے تھے۔باالفاظ دیگر سردار گشکوری بلوچوں کے سامی النسل ہونے کے دعوے دار ہیں اور انکے دلائل اس ضمن میں صرف لفظ بلوچ کے Phonic یعنی صوت(آواز) کی یکسانیت کے بنیاد پر تھا۔مصنف نے اس تحقیق کی بنیاد ان مستشرقین کے خیالات سے منتھی کیا تھا جو ہر اس قوم کو جو کہ عقیدے کے اعتبار سے مسلمان ہوا سے وہ سامی النسل قرار دیتے تھے۔اسی فکر کے زیر اثر انہوں نے غیر عرب بلوچوں کو مسلمان عربوں سے جذباتی وابستگی کی بنیاد پر سامی النسل ہونے پر اپنی توانیاں صرف کیں۔جس کے نتیجے میں ان خیالات کی پذیرائی شدومد سے کی جانے لگی۔بلوچ قوم کے ابتدائی مورخ بھی اپنے آپ کو اس جذباتی وابستگی کے رو سے بچا نہ سکے اور انہوں نے ان مستشرقین کے خیالات کو موزوں جان کر انہیں اپنے وقائع نویسی کے دفتروں میں جگہ دی۔اور یہی غلطی سردار گشکوری بھی کر بیٹھے۔اس ضمن میں فاضل مصنف آگے چل کر لکھتے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

اور گرد ونواح کے زرخیز وشاداب علاقوں، آبادیوں اور شہروں کو لوٹنا ان کا مرغوب پیشہ تھا۔(۱۲)

گل خان نصیر نے اگرچہ اپنے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا تھا لیکن یوں محسوس ہوتا ہے کہ بلوچ قوم کے متعلق ان کی رائے لالہ ہتورام کی تاریخ بلوچستان سے اخذ کیا گیا ہے کیونکہ ہتورام بلوچ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ''زبان حلبی میں بلوچ بادیہ نشین کو کہتے ہیں۔ صحراؤں اور دامن کوہستان میں خانہ بدوشی کی زندگی گزارنے والوں کو بلوچ کہا جاتا تھا''۔(۱۳)

آگے چل کر لالہ ہتورام لکھتے ہیں کہ یہ لفظ کسی خاص قوم سے متعلق نہیں تھا۔ بلکہ مختلف قوموں پر یہ لفظ استعمال ہوتا رہا اب بھی چند مختلف قومیں اس بلوچستان میں ایسی رہتی ہیں جن کے نسب نامہ ایک دوسرے سے مختلف ہیں لیکن وہ تمام بلوچ کہلاتے ہیں۔(۱۴)

بالالفاظ دیگر لالہ ہتورام بھی بلوچ کے کثیر النسلی ساخت کے حامی تھے انکے مطابق تاریخ کے مختلف ادوار میں یہ قبائل خطہ بلوچستان میں آباد ہوتے رہے۔ مشترکہ دشمن، سماجی ضروریات اور معاشی مجبوریوں نے انہیں ایک قوم بننے پر مجبور کیا۔ لالہ ہتورام بلوچ قوم کے روایات کو بنیاد بنا کر لکھتے ہیں کہ بلوچ لوگ حضرت امام حسینؓ کے مرید تھے اور جب امام حسینؓ اور یزید میں لڑائی ہوئی جس میں حضرت امام حسینؓ شہید ہوئے تو بلوچ لوگ امام حسینؓ کے طرفدار تھے اور یزید کے خوف سے حلب سے کوچ کر کے اس طرف (بلوچستان وکرمان) آئے۔(۱۵)

اس ضمن میں وہ بلوچوں کے قدیم دفتروں میں سینہ بہ سینہ محفوظ ان اشعار کا حوالہ دیتے ہیں جن کے مطابق بلوچ حضرت علیؓ کے مرید تھے اور واقعہ کربلا کے بعد خطہ عرب سے ہجرت کر کے اس سرزمین کی طرف آئے جس کا نام بلوچستان ہے۔ یہاں آ کر انہوں نے بود باش اختیار کر لی۔ لالہ ہتورام جن اشعار کا حوالہ دیتا ہے ان کا اصل متن بلوچی میں ہے، اردو میں انکے معنی کچھ یوں ہے:

شکر ہے خدا تعالیٰ کا جو وہ خود بادشاہ ملک کا ہے
ایک ہی ہے اور قائم رہیگا ہمیشہ آخر تمام جہان خاک وگل ہوگا
ہم بلوچ لوگ حضرت علیؓ کے مرید ہیں اور ہمارا دین ثابت ہے
بلوچ امیر حمزہ کی اولاد ہیں اور دربار الٰہی سے فتح ان کی نصیب میں ہے
ہم حلب سے اٹھے (جبکہ) یزید سے ہماری جنگ ہے
ہم نے کربلا اور بمپور کے درمیانی علاقہ سیستان میں قیام کیا
جب حلب سے روانہ ہوئے تو بلوچوں کا سردار میر جلال ان تھا اور چوالیس فرقے بلوچوں کے

وہاں سے ہم ہارین بند آئے جو بجانب راست ملک کیچ کے ہے
ملک اور جو بائے آب جو بلوچوں کے ہاتھ آئے انہیں آپس میں تقسیم کرتے آئے
اس وقت کل قوم کا سردار اعلیٰ میر شیہک تھا
ملک مکران میں ہوت بلوچ اور کھوسہ علاقہ کیچ میں
حب میں چانڈیہ اور کلمتی ان کے آس پاس
اورتلی میں نوحانی بلوچ اور جسکانی ان کے قریب تھے
ڈومکی بڑا گھرانہ گاج اور سیاہ آف کے اوپر
پڑمیر عالی، جتوئی تمام علاقہ سیوی اور ڈھاڑ میں
گولہ وگوپانگ اور دشتی رند کے برادری سے باہر ہیں
اور بھی بلوچ بے شمار ہیں جو رند کے ساتھ ہیں
نوحانی، دودائی، لاشاری کے ساتھ شامل ہوتے ہیں
رند اور لاشاری کا ملک ایک دوسرے سے متصل ہے
رندشوران میں بیٹھا اور لاشاری گنداوہ میں
پورے تیس سال آپس میں لڑے
یہ بلوچوں کی ضدیت ہے
بعض خود پوش اور بعض دستانہ پہنے ہوئے
بعض کمان اور ترکش لیس اور خوب سجی ہوئی
ابریشمی قبائیں اور پاؤں میں سرخ رنگ کے موزے
جاڑو پڑوں میں سے تھاوہ بہادر اور حمزہ کا دینی بھائی تھا
پیروز شاہ، بجار ریحان میران رند قوم کے مشہور شمشیر زن تھے
ھیتان، بیورغ، میر حسن، براہم بھی رند تھے
صوبان، عالی، میہان، جام سحاق علن بھی تھے

شاعر لوگ جو شعر بناتے ہیں گویا کہ باغ جہاں میں نہال لگاتے ہیں(۱۶)

مندرجہ بالا نظم سے جو نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے وہ کچھ یوں ہے کہ بلوچ حضرت حمزہؓ جو کہ حضور اکرم ﷺ کے چچا تھے کے اولاد میں سے ہیں اور حضرت علیؓ کے مرید تھے۔ واقعہ کربلا کے بعد وہ سرزمین عرب سے ہجرت کر کے کرمان میں داخل ہوئے اور کرمان سے کوچ کر کے وہ کیچ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

دشتی البلوشی نے کی۔ وہ اپنی کتاب کے ٹائیٹل ہی میں اس بات کا علی الاعلان چرچا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ بلوچ عربی النسل ہیں (کتاب کا ٹائیٹل کچھ یوں ہے "بلوچ تاریخ اور عرب تہذیب")

بلوچوں کے عربی النسل ہونے کے دعوے کے طور پر وہ ایام جاہلیہ کے مشہور شاعر اور شہسوار عمرو بن معدیکرب الزبیدی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ یہ ایک ایسی قوم ہے کہ جس نے ایران کے ساسانی سلطنت کے جابر حکمرانوں کی سرکشی کا علاج (یمن کی بنی ہوئی) مشرقی تلواروں سے کیا اور عراق، ایران اور مکران کے تمام شہروں، علاقوں اور قوموں پر بزور شمشیر اپنا غلبہ قائم کیا۔ (۲۳)

مولف کتاب ہذا آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "بلوچ عرب النسل تھے اور ان کا بنیادی تعلق یمن کے سرسبز و شاداب سرزمین سے تھا" اگرچہ اس ضمن میں وہ کسی قسم کا حوالہ دینے سے قاصر نظر آئے۔ (۲۴)

اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (اردو دائرۃ معارف اسلامیہ جلد چہارم) میں لفظ بلوچ کے ماخذ کے بارے میں بلوچ مورخوں کی تصنیفات کے حوالے سے سلیم خان گمی لکھتے ہیں کہ لفظ بلوچ کو مختلف اقوام نے بعل، بلوچ، بلوص، بلوس، بلوش، بعلوث، بیلوث، بیلوس اور بعلوس لکھا اور استعمال کیا ہے۔ (۲۵)

ان کے خیال میں اصل لفظ بلوص ہے۔ جیسے عربوں نے بلوش اور ایرانیوں نے بلوچ لکھا کیونکہ اہل ایران "ص" ادا نہیں کر سکتے اس لئے انہوں نے بلوص کی "ص" کو "چ" سے بدل کر اسے بلوچ کی صورت عطا کی اور عربوں کے "ص" کو "ش" سے بدلا۔ (۲۶)

سلیم خان گمی بھی اس ضمن میں سردار گشکوری سے متفق نظر آتے ہیں اور آگے چل کر تحریر کرتے ہیں کہ لفظ بلوچ نسبتی اعتبار سے نمرود کا لقب تھا۔ نمرود بابلی سلطنت کا پہلا بادشاہ تھا اور اسے احتراماً بلوص یعنی سورج دیوتا پکارا جاتا تھا۔ (۲۷)

وہ آگر چل کر مزید لکھتے ہیں کہ مکنی اعتبار سے بلوچ وادی بلوص کے رہنے والے تھے۔ یہ وادی شام میں حلب کے قریب، ایران کی سرحدات کے ساتھ واقع ہے۔ وادی بلوص ایک اجاڑ وادی تھی عرب وشام کے کئی قبائل یہاں آباد ہوئے لیکن روم کے مستبد حکمرانوں کی دراز دستیوں کے باعث نقل مکانی کرتے رہے۔ (۲۸)

مندرجہ بالا اقتباسات ان کتابوں سے لئے گئے ہیں جو کہ اردو میں شائع ہوئے۔ ان میں سے چند کتابیں ان مورخوں کے انگریزی کتابوں کے اردو ترجمے ہیں۔ اس تقابلی جائزے میں ہمیں دو مکتبہ فکر واضح طور پر نظر آئے پہلا گروہ ان افراد پر مشتمل ہے جو کہ بلوچ قوم کی ایک نسل

ونے سے ان کے تعلق پر اپنی توانائیاں صرف کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس میں واجہ سردار گشکوری، واجہ جنس مری اور واجہ ڈاکٹر دشتی نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق بلوچ قوم سامی النسل ہے۔ اگرچہ سردار گشکوری اور جنس مری بلوچوں کو بابل کے حکمران طبقے سے جوڑنے کی کوششوں میں مصروف نظر آتے ہیں جبکہ ڈاکٹر دشتی انہیں خالص عرب النسل ہونے پر زور دیتا ہوا نظر آتا ہے۔ دوسرے گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں جو بلوچ قوم کی کثیر القومی نظریے کے حامی ہیں اگرچہ ان کی تحریریں بھی خام ہیں اور وہ اس ضمن میں وہ کوئی واضح تصویر مرتب کرنے میں کامیاب نظر نہیں آئے۔

مقامی مورخوں کا دوسرا گروہ ان افراد پر مشتمل ہے جنہوں نے انگریزی میں بلوچ قوم کی تاریخ لکھی اور ان کا سرد سست کوئی اردو ترجمہ اشاعت پذیر نہ ہو سکا۔ اس حوالے سے سب سے اہم کتاب خان آف قلات احمد یار خان کی خودنوشت سوانح عمری ہے۔ خان قلات اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ بلوچ قوم کی ابتدا کے بارے میں مستند ذرائع انتہائی قلیل ہیں۔ اس ضمن میں زیادہ تر مواد رزمیہ داستانوں اور عرب جغرافیہ دانوں کی یادداشتوں پر مبنی ہیں۔ ان بنیادی ماخذوں کے مطابق بلوچ عرب ہیں اور وہ حضرت ابراہیمؑ کے پیروکار تھے۔ (۲۹)

خان قلات میر احمد یار خان کے خیال میں چونکہ بلوچ قوم بھی عربوں کی طرح مختلف قبیلوں، نکری، پاڑہ اور دیگر چھوٹے چھوٹے گروہوں میں منقسم ہیں۔ اسی طرح وہ بھی خانہ بدوشانہ زندگی کے عادی ہیں اور ان کی گذر بسر گلہ بانی پر ہے اور چونکہ گلہ بانی کے لئے چراگاہوں کی تلاش میں بلوچ قوم بھی عربوں کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے رہے۔ اس طرح ہجرت ان کی سرشت میں داخل ہو گئی۔ اس ضمن میں آگے چل کر خان صاحب رقم طراز ہیں کہ تاریخ دانوں کے مطابق بلوچوں کے قدیم طائفے دریائے دجلہ اور حلب کے درمیان آباد تھے۔ یہاں سے وہ ایران کی طرف ہجرت کر کے بحیرہ خزر کے قریب آباد ہوئے۔ (۳۰)

بلوچ قوم کے ماخذ کے حوالے سے تاریخی ماخذ کا حوالہ دیئے بغیر خان قلات کے خیال کے مطابق بلوچ اور کردوں کے چوتھی عیسوی کے زمانے میں وادی حلب میں رہائش پذیر ہونے کے شواہد ملتے ہیں۔ آپس کی خانہ جنگیوں اور چراگاہوں کی تلاش نے انہیں اپنے آبائی وطن کو خیرباد کہہ کر سرزمین بلوچستان کے طرف ہجرت کرنے پر مجبور کیا۔ (۳۱)

اس کے برعکس جان محمد دشتی کے مطابق بلوچ قوم کے آغاز کے بارے میں کافی تضاد پایا جاتا ہے۔ وہ بلوچ قوم کے آغاز کے حوالے سے مورخوں کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ان کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

عربی میں اسے بلوص (Blws) لکھا گیا کیوں کہ عربی زبان میں ''ص'' فارسی کے ''چ'' کی جگہ استعمال ہوتا ہے۔ المسعودی (۹۴۳ عیسوی)، المقدسی (۹۸۵ عیسوی) اور حدود العالم کے نامعلوم مصنف (۹۸۲ عیسوی) کے مطابق بلوچ صحرانشین ہیں جبکہ کوچ پہاڑی علاقوں میں رہتے ہیں۔ ھنسمین کے مطابق الطبری نے نوشیروان کے دشمنوں کی فہرست میں بلوچوں کو شامل نہیں کیا تھا لہذا یہ ممکن ہے کہ فردوسی نے اپنے شاہ نامہ (۱۰۲۰ عیسوی) میں ایک دوسری قوم کی جگہ بلوچوں کو نوشیروان کے دشمنوں کی صف میں شامل کیا ہو جو کہ عین ممکن ہے شمالی دریائے خزر میں بسنے والے Blnjr یا Balanjar ہو۔ (۴۷)

آج بھی ایران کے جنوب مشرقی علاقوں میں پائے جانی والی زبان بشکردی * (Bashkirdi) میں لفظ بلوچ اور کرد چرواہے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس سے ھنسمین یہ مفروضہ اخترع کرتے ہیں کہ بلوچ ہوسکتا ہے ان علاقوں میں بطور گلہ بان رہے ہوں اور یہاں سے وہ جنوب مشرقی علاقوں کی طرف ہجرت کر گئے ہوں۔ اسی طرح ھنسمین لفظ بلوچ کو ایرانی زبان کا لفظ قرار دیتے ہیں۔ جسے ایران میں اسلام کے آغاز کے دور میں پذیرائی ملی۔ (۴۸)

عرب جغرافیہ دان المقدسی (۹۸۵ عیسوی) کے مطابق عربوں کی مکران میں آمد کے بعد انہوں نے اس خطے کے تمام باسیوں کو متحد کر کے انہیں ایک وحدت کی شکل دی، جس کا دارالحکومت بنجبور (پنجگور) تھا۔ المقدسی مزید لکھتے ہیں کہ یہ علاقہ بلوچی (Balusi) قوم سے آباد تھا۔ بالفاظ دیگر یہ بلوچوں کے مکران میں بود و باش کا پہلا مستند حوالہ ہے۔ (۴۹)

عربوں کی مکران میں آمد سے پہلے بلوچوں کے اس خطے میں آباد ہونے کے شواہد بہت کم ہیں اور یہ بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ بلوچوں کے مکران کے خطہ عظیم میں آباد ہونے سے پیشتر بھی وہ بلوچ کے حوالے سے پہچانے جاتے تھے۔ اس ضمن میں فردوسی کے شاہ نامہ کو بطور حوالہ پیش کیا جاسکتا ہے، جس میں انہوں نے ساسانی حکمران نوشیروان (Khosrau I) (جس کا عہد ۵۳۱ تا ۵۷۹ عیسوی تھا) کے بلوچوں، الانیوں، گیلانیوں اور کفقاص کے دیگر قبائل کے ساتھ جنگ و جدل کو بھرپور انداز میں پیش کیا گیا۔ (۵۰)

فردوسی کے شاہنامہ میں بلوچوں کو ایران کے شمال مشرقی علاقے کا باسی بتایا گیا ہے۔ بلوچوں

* بشکردی درحقیقت بلوچی زبان کا ایک لہجہ ہے جو کہ مغربی بلوچستان میں بولی جاتی ہے۔ (پروفیسر رمضان بامری، ذاتی ابلاغ)

کے حوالے سے فردوسی کے ماخذ کو بیشتر مستشرقین نے ناقص قرار دیا ہے۔ Noldeke (۱۸۷۹) کے مطابق نوشیروان کے بلوچوں کے ساتھ جنگ کی جو داستان فردوسی نے بیان کیا ہے اس میں اور الطبری کے بیان کردہ داستان میں تفاوت ہے۔ طبری ان تمام قبائل کا ذکر کرتے ہیں جو کہ فردوسی نے بیان کئے لیکن وہ بلوچوں کی جگہ ایک اور قبیلے کا ذکر کرتے ہیں جس کو انہوں نے Balangar کا نام دیا ہے جنہوں نے نوشیروان سے جنگ کی تھی۔ (۵۱)

اگر چہ نولدیک (Noldeke) الطبری کے بیان کو اس حوالے سے زیادہ مستند مانتا ہے لیکن خیال رہے کہ الطبری چونکہ عرب تھے اور وہ ایران کے قبائلی ہیت و ترکیب سے اس قدر فہمیدہ نہ تھے جتنا کہ فردوسی تھا کیونکہ فردوسی اسی سرزمین کا باسی تھا لہذا مستشرقین کا الطبری کے بیان کو زیادہ وزن دینا اور فردوسی کو یکسر نظر انداز کرنا علمی لحاظ سے درست نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ الطبری اور فردوسی کے بلوچوں کے نوشیروان کے ساتھ جنگ کے حوالے سے بنیادی ماخذ ایک ہوسکتے ہیں لیکن یاد رہے کہ فردوسی بہ نسبت الطبری کے ان ماخذوں کو پرکھنے کے حوالے سے زیادہ حساس ہوسکتے ہیں۔ کیوں کہ وہ ان لہجوں سے کما حقہ واقف تھے جو کہ ایران اور اس کے گردو نواح میں بولی جاتی تھیں۔ اور الطبری بہرحال اہل زبان نہ تھے لہذا ان سے اس طرح کی لغزش ہونا ممکن تھا۔

اگر فردوسی کے شاہنامہ کو بلوچوں کے ماخذ کے حوالے سے اولین دستاویز قرار دیا جائے تو ساسانی دور حکومت میں کوہ البرز، کرمان، سیستان اور مکران میں بلوچوں کی موجودگی کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ اور شاہنامہ کے مطابق حکمرانوں کی ظلم و زیادتیوں کے وجہ سے بلوچوں کا کوہ البرز سے مکران تک یعنی ایک جگہ سے دوسرے جگہ ہجرت کا اندازہ لگانا بھی مشکل نہیں ہے۔

المقدسی کے حوالے سے بھی یہ بات ثابت ہے کہ دسویں صدی عیسوی میں بلوچ مکران میں بود و باش اختیار کر چکے تھے۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مطابق بلوچ مکران میں اس وقت آئے جب سلجوقیوں نے کرمان پر ۱۰۴۱ عیسوی میں حملہ کیا تھا اور ان حملوں کی نتیجے میں بڑی تعداد میں بلوچ مکران کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے۔ (۵۲)۔ یہ بات تاریخی حوالے سے درست نہیں ہے کیوں کہ المقدسی کا بیان ہے کہ ۹۸۵ عیسوی میں بلوچ اس خطے میں آباد تھے اور پنجگور میں رہائش پذیر تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سلجوقوں کے کرمان پر حملے سے تقریباً ۸۴ سال پہلے بلوچ بہرحال مکران میں رہائش پذیر تھے۔ (۵۳)

لفظ بلوچ کی وجہ تسمیہ کے حوالے سے ھنسمین کا خیال ہے کہ موجودہ پاکستانی بلوچستان کا قدیم

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

سے وہ مکران، سیستان وخراسان کی طرف ہجرت کر گئے۔ دسویں صدی عیسوی میں بلوچوں کا مکران میں موجودگی کا سراغ ملتا ہے۔ بلوچوں کی بڑی تعداد میں کرمان سے ہجرت کے پیچھے سلجوقیوں کے ان حملوں کا ہاتھ تھا جس کے سبب بڑی تعداد میں بلوچوں کو تاخت وتاراج کیا گیا۔ ان حملوں کی وجہ سے بلوچوں کو کرمان چھوڑنا پڑا اور وہ مکران کے پہاڑی علاقوں میں آ کر آباد ہوئے۔ بلوچوں کی آخری ہجرت میر جلالان کی سربراہی میں کرمان سے مکران کی طرف ہوئی اور یہ بلوچوں کا آخری ہجرت تھی جو کہ سرزمین ایران سے موجودہ خطہ بلوچستان کی طرف ہوئی۔ یہ واقعہ چودھویں صدی میں پیش آیا۔

بلوچوں کی ہیت ترکیبی میں مختلف نسلوں کی اختلات اور مختلف ادوار میں ہونے والے ہجرتوں کا بڑا عمل دخل ہے جس کی وجہ سے بلوچوں کی اجزاء ترکیبی کو ایک خاص نسل کے ساتھ منسلک کرنا، غیر منطقی ہے کیونکہ بلوچ قوم ایک کثیر الجہتی قوم ہے جس میں مختلف النسل کے اقوام معاشی اور سیاسی مجبوریوں کی بنا پر جذب ہو کر تاریخی مراحل طے کرتے ہوئے ایک قوم کی صورت اختیار کر گئے۔ اگرچہ آج بھی ان بنیادی اجزاء ترکیبی کو علیحدگی سے پرکھا جاسکتا ہے جس کی وجہ سے مورخوں میں کم علمی کی بنیاد پر کنفیوژن پایا جاتا ہے۔ اور وہ مختلف آراء کو جگہ دے کر اس معمہ کو سلجھانے کے بجائے اس میں مزید ابہام پیدا کرتے چلے آئے۔

بلوچ قوم کی اجزاء ترکیبی میں وہ تمام نسلی گروہ شامل ہیں جو بلوچستان میں تاریخ کے مختلف ادوار میں آ کر اس خطے میں بود وباش اختیار کر گئے۔ یہ نسلی گروہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- وہ اقوام جو کہ اس مادر گل زمین کے اصلی باشندے تھے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو آرین، دراوڈین یا دراوڑی قوم کے نام سے پکارے جاتے تھے۔ آرین کی سرزمین ہندوستان پر آمد سے پہلے یہاں کی مقامی تہذیبوں کے معمار یہی اقوام تھے۔ ان کی موجودگی آج بھی بلوچستان کے چپے چپے میں پائے جانے والے آثار قدیمہ کی باقیات سے ظاہر ہے۔ یہ اقوام عظیم مہر گڑھ جہاں پر ایک عمیق زرعی تہذیب کے بنیادی آثار ملے ہیں، کے باسی تھے۔ نال، کلی، بالاکوٹ، سنگئیں ڈور، سنگئیں کوہ، تمپ، انجیرہ، کلی گل محمد، پریانو غنڈی، میان غنڈی کے آثار اس خطے میں بسنے والے دراوڈین قوم کی عظمت کے ثبوت ہیں یہ قدیم بستیاں آج بھی آثار قدیمہ کے ماہرین کو ورطہ حیرت میں ڈالتی ہیں۔ ان اقوام کا تعلق ایک طرف وادی سندھ کی قدیم تہذیب سے تھا تو دوسری جانب وہ باختری تہذیب سے بھی تعلقات استوار کئے ہوئے تھے۔ ان دو تہذیبوں کی برآمدی پیداوار بلوچستان

کے ان عظیم باشندوں کی توسط سے بابل، اشوریہ، اکاد کی مارکیٹوں تک رسائی حاصل کرتے تھے۔

اس کے علاوہ اس گروہ میں وہ لوگ بھی شامل تھے جن کی زندگی کا دارومدار مچھلی کے شکار پر تھا۔ انہیں یونانیوں نے Ichthyophagi کے نام سے یاد کیا*۔ انہیں ہیروڈوٹس نے Ethopian of Asia کے نام سے پکارا۔ ان کے مطابق ساحل مکران پر رہنے والے لوگ اصل میں ایتھوپیا اور اس کے قرب وجوار سے ہجرت کر کے ان ساحلوں پر آباد ہوئے۔ یہ شکل وصورت میں افریقی نسل سے مختلف ہیں کیونکہ ان کے بال سیدھے ہیں یعنی گھنگریالے نہیں اور انکی جلد کا رنگ بھی کسی حد تک صاف ہے۔

اس کے علاوہ بلوچوں کے مقامی افراد (First Nation) میں خانہ بدوش بھی شامل ہیں جو کہ ان تہذیبوں کو زرعی آلات اور سامان حرب مہیا کرنے کے ذمہ دار تھے۔ یہ اُستا کار بھی اس خطہ سرزمین کے ابتدائی نسلوں میں سے ایک ہیں۔

۲- دوسرا گروہ ان افراد پر مشتمل ہے جو کہ ہندوستانی النسل آریائی تھے۔ آریائی ابتدا میں وسط ایشیا کی چراگاہوں میں رہتے تھے اور جب یہ چراگاہیں کمیاب ہونے لگیں تو انہیں مزید چراگاہوں کی تلاش میں یہ علاقے چھوڑنے پڑے۔ وہ ماہر گھڑسوار تھے اور لوہے کے استعمال کرنے کے فن سے واقف تھے۔ برق رفتاری اور لوہے کی مضبوطی نے انہیں اتنی قوت فراہم کی کہ وہ اپنے راستے میں آنے والے ہر علاقے کو تاراج کرتے ہوئے ایران کے شمالی علاقہ جات میں بس گئے۔ یہ لوگ اگنی دیوتا کے پجاری تھے۔ ان میں سے کچھ گروہ ایران میں باقی رہ گئے اور کچھ نے سرزمین ہند کی طرف ہجرت کی اور وادی سندھ کی عظیم ڈراوڈین تہذیب کو تاخت وتاراج کر کے گنگ وجمن کے زرخیز علاقے میں جا بسے۔ سرزمین بلوچستان میں آریاؤں کی آبادکاری سندھ کے حاکم رائے چچ کے دور میں مکمل ہوئی جب سرزمین مکران سندھ کا حصہ تھا۔ اور اس گروہ میں موجودہ جدگال، جاموٹ اور دیگر قبائل شمار کئے جاسکتے ہیں۔

* تفصیلات کے لئے دیکھئے مکران اہل یونان کے نظر میں

۳- تیسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو کہ عربوں کے سندھ پر حملے کے وقت سرزمین بلوچستان (مکران) میں آباد ہوئے۔ یہ عربی النسل تھے۔

۴- چوتھا گروہ بلوچوں (کوچ وبلوچ) کے ان قبائل پر مشتمل تھے جو کہ نوشیروان کے فوج سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

۳۹-ایضاً صفحہ نمبر۱۴ ۴۰-ایضاً صفحہ نمبر۱۴ ۴۱-ایضاً صفحہ نمبر۱۴ ۴۲-ایضاً صفحہ نمبر۱۴
۴۳-ایضاً صفحہ نمبر۱۴ ۴۴-ایضاً صفحہ نمبر۱۵

45- Hosseinbor, Dr.M.H (2000),Iran and its Nationalities: The case of Baluch nationalism. Pakistan, Adab Publications, Karachi,P24

46- Hansman J. (1973) A Periplus of Magan and Meluhha.Balletin of the School of oriental and African Studies Vol.36 (3) pp.554-587

۴۷-ایضاً صفحہ نمبر۵۸۶ ۴۸-ایضاً صفحہ نمبر۵۸۶ ۴۹-ایضاً صفحہ نمبر۵۶۸ ۵۰-ایضاً صفحہ نمبر۵۶۹

51- Noldeke, T. (1879), Geschichteder persor und Araber Zur Zeit der Sasaniden, Leyden, Hansman quoted p 153, n. 3

52- Cited by Hansman E l, first ed. s.v Balochistan, p. 628

53- Hansman, p. 569

54- Hansman, p.569

55- Spooner Brian (1964), Kuch u Baluch and Ichthyophagi. Iran vol. II . p 58

۵۶-ایضاً صفحہ نمبر۵۸

باب سوّم

مکران کے سماجی نظام کے خدوخال

مکرانی سماج کے طبقات

مکران کے سماجی نظام کے متعلق اسٹیفن اور کیرول پاسٹر (۱۹۷۷) لکھتے ہیں کہ مکران کا سماجی نظام جاگیردارانہ نظام پر مبنی ہے۔(۱)

انہوں نے مکرانی سماج کو تین حصوں میں منقسم کیا ہے جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

پہلا طبقہ حاکم زادوں کا ہے۔حاکم زاد طبقے کا تعلق گچکی، نوشیروانی، بزنجو اور بلیدی قبیلے سے ہے۔ان میں سب سے اہم گچکی قبیلہ ہے جو کہ سیاسی اور معاشی لحاظ سے دیگر قبائل سے ممتاز ہے کیونکہ انہوں نے رشتہ داریوں کے ذریعہ اپنے تعلقات دیگر قبائل سے استوار کئے اس طرح وہ ایک مضبوط حیثیت کے مالک بن گئے۔

دوسرا طبقہ بلوچ پر مشتمل ہے۔مکران میں بلوچ کا لفظ ان لوگوں کے استعمال ہوتا ہے جو سماجی لحاظ سے حکمران طبقے سے آزاد ہے اور آزادانہ طور پر گلہ بانی اور کھیتی باڑی میں مصروف عمل ہے۔چونکہ اس کی زندگی کا انحصار چراگاہوں اور بارشوں سے سیراب ہونے والی زمینوں پر ہے۔اس کے باعث وہ اپنے بعض معاملات میں آزاد اور خودمختیار ہیں لیکن قدرتی آفات اور اس کے نتیجے میں ہونے والی قحط سالی جو کہ مکران میں تواتر کے ساتھ آتے رہتے ہیں۔ان قدرتی آفات کے نتیجے میں وہ مجبور ہوتا ہے کہ حکمران طبقے کی طرف رجوع کرے جو کہ مستقل دریاؤں سے سیراب ہونے والے زمینوں (سیاہ آپ) کے مالک ہیں جو کہ قدرتی آفات کا بہت حد تک مقابلہ کرسکتے ہیں۔لہذا یہ کہنا کہ بلوچوں پر مشتمل یہ درمیانی طبقہ حاکم زاد طبقے سے مکمل طور پر آزاد تھے، صحیح نہیں ہے۔مکران کے تاریخ میں کئی بار ایسے مواقع آئے کہ بلوچ طبقہ کو اپنی بقا کے لئے مندرجہ بالا حاکم طبقے کی طرف رجوع کرنا پڑا۔

اسی طرح معاشی استحکام کے لئے امن و امان کا ہونا ضروری ہے اور مکران کا علاقہ ہمیشہ بیرونی حملہ آوروں کی آماجگاہ رہا ہے اور ان بیرونی حملہ آوروں کے خوف نے بلوچ طبقے کو مجبور کیا

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

پانی کے سوتوں اور زمین کی اندرونی ساخت پر ہوتی ہے۔ کہیں کہیں یہ کاریزات کافی لمبے ہوتے ہیں اور کہیں کہیں ان کا فاصلہ انتہائی کم ہوتا ہے۔ جب پانی سطح زمین پر باہر آتا ہے تو اس کو چھوٹے چھوٹے نہروں کے ذریعے کھیتوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ مکران میں کاریزی پانی کی تقسیمی عمل کو ھنگام (Hangam) کہا جاتا ہے جس کے ذریعے پانی کو منصفانہ طور پر تقسیم کیا جاتا ہے۔

کاریزات کے دیکھ بال کے لئے کاریز کے راستے میں جگہ جگہ لمبے مگر تنگ سروں والے کنویں کھودے جاتے ہیں جس کی مدد سے پانی کے زیر زمین رخ کو قابو میں رکھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کنویں اس طویل سرنگ میں آکسیجن کی فراہمی میں بھی معاون ثابت ہوتے ہیں۔ کیونکہ وقتاً فوقتاً کاریز کو صاف بھی کیا جاتا ہے۔ اس طرح سرنگ میں صفائی کے کام میں مصروف عملے کو آکسیجن بھی ان ہی کنوؤں کی مدد سے فراہم ہوتا رہتا ہے۔

آب پاشی کے اس پیچیدہ نظام کو برقرار رکھنا عوام کی شمولیت کے بغیر ناممکن ہے اور یہی کاریزات کا نظام ہی تھا جس نے مکرانی سماج کے سارے طبقوں کو ایک دوسرے سے پرامن بقائے باہمی کے اصولوں کے تحت باہم باندھے رکھا تھا۔ اسی کی مدد سے ایک ایسا زرعی نظام مرتب ہوا جس نے مکران کے سماجی زندگی کو گردونواح میں بسنے والے دیگر سماجوں سے ممتاز رکھا اور اس کے نتیجے میں ایک ایسے سماج کی بنیاد رکھی جو کئی طبقات پر مشتمل تھا۔ اسی طرح اس نظام کے بدولت اتنے عرصے تک مکرانی سماج میں اوپر بیان کئے گئے طبقات برقرار رہے۔ اسی طرح کاریزی نظام کے بدولت مکران کے باشندوں کو آب پاشی کا ایک ایسا نظام میسر آیا جس کے بدولت وہ اپنے کھیتوں اور مچکدگوں کے لئے پانی حاصل کر سکتے تھے۔ چونکہ مکران میں بارشیں کم ہوتی ہیں بعض اوقات کئی سالوں تک بارشیں نہیں ہوتی تھیں اس طرح کے غیر یقینی صورتحال سے نمٹنے کے لئے کاریزی نظام انتہائی کارگر ثابت ہوا۔ (۲)

کاریزی نظام کے ذریعے پانی کی منصفانہ تقسیم کے لئے نئے طبقے وجود میں آئے۔ جن میں سب سے اہم سررشتہ کا طبقہ ہے جس کو باالفاظ دیگر کاریز کا مالک کہا جا سکتا ہے۔ یہ سررشتہ ہی ہے جس نے کاریز بنانے کے کام کا ابتدا کیا تھا لیکن وہ اکیلے اس کام کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتا تھا چونکہ اس کام میں دیگر لوگوں کی مدد درکار ہوتی تھی اور یہ افرادی قوت ان لوگوں سے چنے جاتے تھے جو کہ اس کاریزی پانی کا حصہ دار ہونگے اور کاریزات کی صفائی بھی ان کی بھی ذمہ داری ہوتی تھی۔ جہاں کاریزی نظام سے توانائی کی بچت ہوتی اور پانی بغیر کسی رکاوٹ کے سارا سال کھیتوں کو سیراب کرتا رہتا ہے وہاں پر اس نظام کی کچھ خرابیاں بھی تھیں۔ جن میں سب سے اہم کاریزوں

کی صفائی ہے کیونکہ یہ انتہائی مشکل کام ہے اور اس کام کے لئے کافی محنت درکار ہوتی ہے۔ اٹھارویں صدی میں جب مکران میں غلام داری کا نظام مروج تھا تو کاریزات کی صفائی اور ان کی دیکھ بھال کا کام ان غلاموں کے ذمہ تھا لیکن ۱۹۲۶ء میں جب غلاموں کو آزادی ملی تو ان کے سست الوجود آقاؤں کے لئے کاریزات کی صفائی ایک سنگ گراں تھا، لہذا انہوں نے اس نظام میں اپنی دلچسپی کم کردی۔ کاریزات کی صفائی میں درکار محنت سے جان چھڑانے کے لئے لوگوں نے جدید دور کے موجود وسائل سے رجوع کرنا شروع کیا۔ یعنی کاریزات کے جگہ انہوں نے ڈیزل پمپ اور ٹیوب ویل لگائے اور چونکہ مقامی سطح پر ڈیزل آسانی سے دستیاب ہوتا ہے اور ان پمپوں کی مدد سے پانی زیادہ تیزی سے زمین پر آکر کھیتوں کو سیراب کرسکتا ہے۔ جس کی وجہ سے اس نظام کو مکران میں کافی پذیرائی ملی۔

ڈیزل انجنوں کے بے تحاشا اضافے سے پانی کو بے دریغ استعمال کرنے کا رجحان بڑھا۔ پانی کے بے دریغ استعمال سے زیر زمین پانی کے سوتے خشک ہوتے گئے اور کاریزات پر بھی ان کا منفی اثر پڑا اس کے نتیجے میں کئی کاریزات سوکھ گئے۔ مکران کی تاریخ میں کاریزات کے حوالے سے یہ بات ہمیشہ نظرانداز کی جاتی رہی ہے کہ یہ کاریزات کس کی محنت سے وجود میں آئے اور اگر ایمانداری سے دیکھا جائے تو ان کاریزات کی تکمیل میں مکران کے غلام دار سماج کا حصہ ہے۔ یہ کاریزات ہی تھے جو بالائی طبقے کے معاشی استحکام کا سبب بنے۔ یہ کاریزات اسی زمانے میں بنائے گئے جب مکران میں غلام داری نظام موجود تھا۔ یہ انہی غلاموں کی محنت تھی جس کی وجہ سے کاریزات وجود میں آئے۔ اب چونکہ غلامی کا دور گزر چکا اور غلاموں کے سابقہ آقاؤں میں اتنی توانائی موجود نہیں ہے کہ وہ ان کاریزات کی صفائی کرنے کا سخت کام کرسکیں لہذا انہوں نے اس نظام کی جگہ ان ذرائع کو بروئے کار لایا جس میں کم از کم محنت درکار ہو اور زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جا سکے یعنی ڈیزل انجن کا استعمال۔ (۳)

کاریزات کے علاوہ چات (کنویں) بھی پانی حاصل کرنے کا اہم ذریعہ ہیں اور ان کی اہمیت کاریزات خشک ہونے کے بعد کافی بڑھی۔ دور جدید میں ڈیزل انجنوں کی مدد سے ان کنوؤں سے پانی کو باہر نکال کر کھیتی باڑی کے لئے استعمال کیا جانے کے رجحان میں اضافہ ہوگیا۔

اس کے علاوہ بارانی پانی کو جمع کرنے کے لئے ایک صدیوں پرانا آب پاشی کا نظام بھی مکران میں استعمال کیا جاتا رہا ہے اس قدیم نظام کو گبر بند کا نظام کہتے ہیں۔ گبر بند کے نظام کو آتش پرستوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ بلوچی میں گور آتش پرست کو کہا جاتا تھا۔ آتش پرستوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

مخصوص تھا۔ اس کی چھتوں کو مختلف نقش و نگار کے ٹائلوں سے مزین کیا جاتا تھا اور اسی حصے میں دیوان خانہ بھی ہوتا تھا۔ جہاں قلعے کا حاکم اپنا دربار لگاتا تھا اور لڑائی جھگڑوں کے تصفیے کرتا تھا۔ قلعے کو مضبوط اور مستحکم کرنے کے لئے کیکر (Acacia nilotica) اور گز (Tamarix spp) کے درختوں سے حاصل کی ہوئی لکڑی استعمال کی جاتی تھی۔ جس سے مکران کے ندی نالے بھرے پڑے ہیں۔ ان قلعوں کی تعمیر میں زیادہ تر سامان مقامی سطح سے مہیا ہوتا تھا البتہ منقش اور رنگین ٹائلیں فارس سے منگوائی جاتی تھیں۔ ان قلعوں کی تعمیر کے لئے ماہر فن کاریگر زیادہ تر فارس اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں سے بلائے جاتے تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکران کے مقامی باشندے ان قلعوں کی تعمیر کے فن سے واقف نہ تھے۔

ان قلعوں میں بعض انتہائی قدیم ہیں اور اس ضمن میں میری قلات تربت میں ہونے والے حالیہ سروے سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ اس قلعے کی اصل تعمیر پانچ ہزار سال قبل مسیح میں ہوئی تھی اور اس دور سے لے کر اب تک اس میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا۔ (۴)

مکران کے سماجی نظام میں کاریزات اور گبر بندوں کے علاوہ کلات (قلعے) بھی خاص اہمیت رکھتے تھے۔ تاریخ مکران میں ان قلعوں کی خاص اہمیت ہے۔ سرزمین مکران پر حصول اقتدار کے لئے لٹیرے مختلف ادوار میں مکران پر حملہ آور ہوتے رہے۔ ان فاتحین کو ان قلعوں کی ضرورت ہوتی تھی تاکہ وہ وہاں بیٹھ کر اپنے مفتوحہ علاقوں کی نگرانی کر سکیں اور اس کے علاوہ ان قلعوں کی مدد سے وہ اس خطے میں جاری زرعی نظام کی نگرانی بھی بہتر انداز میں کر سکتے تھے۔ لہذا قلعے کے اطراف میں لوگوں کی بڑی تعداد جن کا تعلق زراعت کے پیشے سے وابستہ تھا آ کر آباد ہوئے۔ ان لوگوں کی زندگیوں کا دارومدار کاریزات اور اس کے ذریعے آباد زرعی نظام پر تھا اور قلعے کی شکل میں ان کو بیرونی حملہ آوروں کے خلاف ایک مضبوط سہارہ فراہم ہوتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ماہرین فن دستکار بھی اس علاقے میں آ کر آباد ہونے لگے اور معاشی ترقی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

یہ قلعے ایک مستحکم سماج جو کہ ترقی کی جانب گامزن تھا اور قرب و جوار کے پہاڑی علاقہ کے خانہ بدوشانہ زندگی کے درمیان حد فاصل تھے۔ پہاڑی علاقوں میں رہائش پذیر خانہ بدوشوں کی زندگی کا انحصار بارش پر ہوتا تھا اس لئے وہاں اس طرح کے سماجی اور معاشی ترقی نہیں ہوئی جس طرح کے مکران کے سیاہ آب (دریائی) والے علاقوں میں ہوئی جس کے نتیجے میں پہاڑی علاقوں میں رہنے والوں کو حرف عام میں جنگلی کہا جاتا تھا کیونکہ ان کی زندگی کا دارومدار قدرت پر تھا۔

نامساعد حالات نے ان پہاڑوں میں رہنے والے گروہوں کو جفاکش اور بہادر بنا دیا اور ان کی بقا کا دارومدار جنگ وجدل اور لوٹ مار پر تھا۔ جب انہیں اپنی زندگی کو برقرار رکھنے کے لئے اناج و دیگر اشیاء کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ ان آبادی والے علاقوں پر حملہ کرتے تھے۔ ایسے حالات میں قلعوں کی اہمیت مسلم تھی کیوں کہ یہ قلعے ہی تھے جو کہ قرب و جوار میں رہنے والے مستقل آبادی کو ان نامساعد حالات میں پناہ دیتے تھے اور اس طرح وہ ان حملہ آوروں کے حملوں کو ناکام بناتے تھے۔

حوالہ جات:

1- Pastner S. and C.M Pastner (1977) A daptations to state level politics by the Southern Baluch. In "Pakistan, the long view. Edited by Ziring L.G Braibanti R and Wriggins W.H. N.C. pp 119-139

2- Redaelli R. (2003) The Environmental Human Land scaps. In "Balochistan Terra Incognita. Fiorani V.P. and Redaelli R. eds. BAR International Series 114 pp.18-20

۳- ایضاً صفحہ نمبر ۱۹

4- Fiorani V.P. (2003) The castle of Kech: a society without Cities: In "Baluchistan Terra incognata". p. 147

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

ہزار قبل مسیح رکھا گیا تھا لیکن حال میں جب اس علاقے کا دوبارہ سروے کیا گیا تو نئے دریافت شدہ میٹریل کی بنیاد پر Basenval اور Marquis نے ۱۹۹۱ میں اس دور کی تاریخ کو ڈھائی سے لیکر چار ہزار سال قبل مسیح بیان کیا ہے۔ اور تین ہزار قبل مسیح کی تاریخ پر اتفاق رائے پایا جاتا ہے۔ سردست اس ثقافت کی ہڑپہ یا کلی (کولواہ) ثقافت سے کوئی سمبند نظر نہیں آیا اور اسے مکمل طور پر مکران کے مقامی ثقافت کے طور پر اس کی درجہ بندی کی گئی ہے۔

زنگیان دور:- زنگیان (Zangian) دور کی خاص بات وہ جائے مدفن ہیں جہاں مُردوں کے ساتھ آلات ظروف بھی رکھے گئے تھے جو کہ جیونی کے علاقوں میں دریافت ہوئے۔ ان ظروف کو "لونڈو ویئر" (Londo ware) کا نام دیا گیا ہے۔ اور اس ثقافت کا دور دو ہزار سے تین ہزار سال قبل مسیح بیان کیا گیا ہے۔

اسلامی دور:- یہ دور دسویں صدی سے لیکر تیرویں صدی عیسوی پر محیط ہے۔ (۲)

مکران کے خطے میں آثار قدیمہ سے دلچسپی کا آغاز انگریزوں کی اس خطے میں آمد کے بعد ہوا۔ سب سے پہلے میجر موکلر نے ۱۸۷۵ء سے ۱۸۷۶ء کے دوران مکران کے ساحلی علاقوں کا سروے کیا۔ موکلر وہ پہلے ماہر آثار قدیمہ تھے جنہوں نے سنگگیں ڈور اور سنگگیں کوہ کے علاقے دریافت کئے اور ان علاقوں میں ایک عظیم تہذیب کے نشانات دریافت کئے۔ اس کے بعد Aural Stein نے ۱۹۲۷-۱۹۲۸ء کے دوران میجر موکلے کے بتائے ہوئے علاقوں کا سروے کیا اور اپنی Findings کو ایک مضبوط کتاب کی شکل میں ۱۹۳۱ء میں پیش کیا۔

پاکستان بننے کے بعد ہنری فیلڈ H. Field اور F.A. Khan نے بالترتیب ۱۹۵۵ء اور ۱۹۵۹ء میں ان علاقوں سے متعلق ریسرچ پیپرز تحریر کئے۔ امریکی ماہرین کا اس علاقے میں دلچسپی کا آغاز ۱۹۶۰ء میں ہوا جب Cuyle Young, George Dales اور رفیق مغل نے سنگگیں ڈور اور سنگگیں کوہ کے علاقوں کا دوبارہ مطالعہ کیا۔

حال میں فرانسیسی اور اٹلی کے ماہرین نے وسطی مکران کے جنوبی علاقوں کا آثاری سروے کیا، سروے کا آغاز ۱۹۸۷ء میں شروع ہوا اور اس سلسلے کا آخری سروے ۱۹۹۷ء میں مکمل ہوا تھا۔ اس کے بعد مکران کے سیاسی حالات میں تبدیلی آئی اور سروے کے کام میں دشواریاں آڑے آئیں تب سے اس ضمن میں کوئی خاص پیش رفت نظر نہیں آرہی ہے۔ (۳)

نفس مضمون کی تسلسل کو برقرار رکھنے کی خاطر اور اس ضمن میں حاصل شدہ مواد کو مدنظر رکھتے ہوئے اور سائنسی پیچیدگیوں سے نبرد آزما ہو کر اور امریکی ماہر آثار قدیمہ George

Dales کے جدول کو بنیادی ماخذ کے طور پر لیتے ہوئے مکران کے ان آثاروں کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے جو کہ درج ذیل ہیں:

۱- میری کلات اور شاہی تمپ ثقافت
۲- بالاکوٹ ثقافت
۳- سُنگگیں ڈور اور سُنگگیں کوہ ثقافت
۴- بمپور ثقافت
۵- کلی اور میہی ثقافت

میری کلات اور شاہی تمپ ثقافت

اس کو Besenval دشت دور کی ثقافت قرار دیتے ہیں، جس کا آغاز تین ہزار سال قبل مسیح کے وسطی دور سے ہوا۔ (۴)

اس دور میں دریافت شدہ مٹی کے ظروف کو Besenval نے مندرجہ ذیل اقسام میں منقسم کیا:

(۱) سرخ ظروف :- پیالے، مٹی کے بڑے مرتبان اس میں گول دہانوں اور خوراک ذخیرہ کرنے والے مرتبان شامل ہیں۔ ان برتنوں پر رنگ لگایا گیا اور حاشیہ کاری بھی کی گئی۔

(۲) سخت ظروف :- اس میں پیالے، چھوٹے برتن اور خوراک ذخیرہ کرنے کے برتن شامل ہیں ان کی سطح پر سلیٹی رنگ (Grey paint) سے نقاشی کی گئی تھی۔

(۳) خام ظروف: جنہیں پیش یا کھجور کے پتوں میں رکھ کر بھٹی میں پکایا جاتا تھا۔ ان کی بیرونی سطح پر ان پتوں کے سانچوں کے نشانات پائے گئے۔ برتنوں کے علاوہ تانبے کے مہرے بھی ان علاقوں سے دریافت ہوئے۔ (۵)

اس دور کے آثار مکران کے کونے کونے میں پائے گئے ہیں ماسوائے وادی تگران کے اس دور کے آثار مندرجہ ذیل علاقوں میں پائے گئے ہیں جن میں ساحلی علاقوں (پسنی، جیونی اور بسول کے قرب وجوار) وادی دشت (دراءِ بست، امداد علی، بزنجو بازار، کرکاک، گرگ بیجی) وادی نہنگ (ریدگ، گوبرد، تمپ، پل آباد، کسانو) وادی کیچ (زنگیان، شہرک، سامی) اور وادی بلیدہ (دمبانی کور، چنزائی، علی گہرام) کے علاقے شامل ہیں۔ (۶)

مندرجہ بالا نقاط کو مدنظر رکھتے ہوئے فرانسیسی اور اٹیلین سروے ٹیم نے جنوری اور فروری ۱۹۹۰ء میں اپنے کام کا آغاز میری کلات میں تفصیل سے شروع کیا۔ انہوں نے اپنے کام کے لئے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

۱۹۳۱ میں سروے کیا تھا، ان کے مطابق یہ خطہ دو ہزار سال قبل مسیح میں آباد تھا جس میں کلی کلچر کے ظروف پائے گئے۔ جن کو انہوں نے پوسٹ ہڑپہ دور میں رکھا ہے۔ انگریز ماہر آثار قدیمہ اسٹین سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے شاہی تمپ سے دریافت شدہ برتنوں کو نال کے کلچر سے مشابہت کی بنیاد پر انہیں پوسٹ ہڑپہ دور سے تعبیر کیا۔ (۱۷)

Basenval اور Marquis کے مطابق شاہی تمپ کے مدفنوں کا تعلق چار ہزار سال قبل مسیح کے وسطی دور سے لیکر تین ہزار قبل مسیح کے وسطی دور تک ہے۔ انہوں نے اپنے نظریہ کی بنیاد ان نقاط پر رکھا:

۱- مکران کے سروے کے دوران سطح زمین پر پائے گئے سیاہی مائل سفید اور سرخ رنگ کے مٹی کے ظروف کے ٹکڑوں کی ساخت اور تعلق میری کلات سے کھدائی کے دوران دریافت ہونے والے مٹی کے ظروف سے کیا گیا۔ چونکہ سطح زمین پر پائے جانے کی وجہ سے ان ظروفوں کے ٹکڑوں کی سورج کی تمازت اور بیرونی درجہ حرارت میں جھلس جانے کی وجہ سے ان کی صحیح کاربن ڈیٹنگ نہیں کی جاسکتی مگر ان پر پائے جانے والے نقوش کو کھدائی کے دوران دریافت ہونے والے ظروف کے ساتھ ان کی مماثلت سے ان کے دور کی صحیح پیمائش کی جاسکتی ہے۔

۲- دوسرا نقطہ جس کی بنیاد پر ان محققین نے اس دور کی درجہ بندی کی وہ میری کلات کے مغربی سمت میں کی گئی کھدائی سے دریافت ہونے والے مواد پر ہے۔ میری کلات کی مغربی سمت میں ہونی والی کھدائی سے ان ظروف کے ٹکڑے کثیر تعداد میں ملے ہیں جو کہ شاہی تمپ کے آثار سے دریافت کئے گئے اور ان کی درجہ بندی ماقبل ہڑپہ تہذیب سے کی گئی ہے۔ اس کے برعکس مشرقی سمت میں ہونے والے کھدائی سے حاصل کئے گئے مٹی کے ظروف کے ٹکڑے شاہی تمپ کے مدفون سے دریافت ہونے والی مٹی کے ظروفوں کے ٹکڑوں سے یکسر مختلف تھے۔ جس سے مذکورہ بالا محققین اس نتیجے پر پہنچے کہ شاہی تمپ کے آثار ماقبل ہڑپہ دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ ظروف کی ساخت اور صحیح کاربن ڈیٹنگ کی مدد سے وہ اس نتیجے پر پہنچے۔ (۱۸)

II) مشرقی علاقے کی کھدائی

میری کلات کے مشرق کی سمت میں ہونے والی کھدائی سے دریافت ہونے والے مواد کو ہڑپہ

سے مماثلت کی بنا پر اسے ہڑپہ دور سے تعبیر کیا گیا۔ زمین کے مختلف تہوں (Strati fication) کی بنیاد پر اس حصے کو تین لیول میں تقسیم کیا گیا:

۱- بالائی سطح (Levels II) اسلامی دور

۲- وسطی سطح (Levels III IV) ابتدائی تاریخی دور

۳- زیریں سطح (Levels VI V) ہڑپہ دور (۱۹)

(۳)- ہڑپہ دور:- اس دور میں دریافت ہونے والے مٹی کے ظروف وہی ہیں جو کہ کلی کے آثار سے دریافت ہوئے، ان کا تعلق ہڑپہ تہذیب سے ہے۔ اس تہہ سے دریافت ہونے والے زیادہ تر ظروف سرخ رنگ کے تھے جن پر اعلیٰ قسم کی نقش نگاری کی گئی تھی۔ ان برتنوں پر کالے رنگ سے نقاشی بھی کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ ان پر مختلف اقسام کے جیومیٹری کے اشکال بھی کندہ کئے گئے ہیں۔ اس دور میں زیادہ تر بڑے بڑے مرتبان، چھوٹے چھوٹے برتن اور اناج ذخیرہ کرنے کے لئے مٹی کے ظروف پائے گئے۔ اس کے علاوہ بکونی برتن بھی اس دور میں ملے۔ ان برتنوں کی خصوصیت ان کا چوڑا پیندا ہے جس سے وہ باآسانی کسی بھی سطح پر رکھے جاسکتے تھے۔ دیگر سامان جو اس دور میں دریافت ہوئے، ان میں مٹی کے کھلونے، گولیاں اور سیپوں سے تیار کردہ چوڑیاں بھی شامل ہیں۔ (۲۰)

۲- ابتدائی تاریخی دور:- یہ دور وسطی تہہ نمبر III اور IV پر مشتمل ہے۔ اس دور کو مزید دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے:

(الف) تہہ نمبر IV (لوہے کا زمانہ):- قلعے کے مشرقی حصے میں ۱.۵ سے ۱.۹ میٹر تک کھدائی کے دوران یہ حصہ دریافت ہوا جسے آخری ہڑپہ دور سے تعبیر کیا گیا۔ اس دور کے دریافت ہونے والے ظروف کا تعلق Durrah-i-Bast سے ہے۔ اس دور کا تعلق دوسری سے لیکر پہلی قبل مسیح تک ہے۔ (۲۱)

ب) تہہ نمبر III (Seleuco-parthian period) اس دور کو سیلیکو پارتین کا نام دیا گیا ہے۔ جس کی وجہ اس دور میں دریافت ہونے والے ظروف سے کیا گیا ہے۔ اس دور کا تعلق دوسری سے لیکر پہلی قبل مسیح تک ہے۔ (۲۲)

(۱) تہہ نمبر I اور II اسلامی دور: بالائی سطح سے دریافت شدہ ظروف سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا تعلق مکران میں اسلام کے غلبے کے بعد کے دور سے ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

Period II سے تعلق رکھتا ہے۔

شاہی تمپ کے خندق نمبر III سے دو مدفن دریافت ہوئے۔ قبر نمبر ۲۶ میں ایک دلچسپ صورتحال سامنے آئی۔ اس قبر میں دو مردے ساتھ ساتھ دفنائے گئے تھے۔ اس میں بالغ عمر کے انسان کو سر کے بل اکڑوں لٹایا گیا اور اس کے سر کا رخ مغرب کی سمت میں ہے۔ جبکہ ٹانگیں اور گھٹنے آپس میں اس طرح جوڑے گئے تھے جس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک مینڈک زمین پر بیٹھا ہوا ہو۔ (۳۰)

اس مدفن کے ٹانگوں کے درمیان ایک بچے کو بھی دفنایا گیا تھا۔ اس مدفن میں ایک چپٹی کلہاڑی اور ایک برما بھی بڑی لاش کے ساتھ ملے ہیں۔ Louvre میوزیم پیرس میں ان ڈھانچوں اور دھاتوں پر مزید تحقیق کی گئی اور ان تجرباتی رپورٹوں کے مدد سے معلوم ہوا کہ کلہاڑی کے پھل کو کپڑے سے لپیٹا گیا تھا جو کہ لینن (Linen) سے تیار کیا گیا تھا۔ اسی طرح اس بات کے ثبوت بھی ملے کہ ان ڈھانچوں کو چٹائی میں لپیٹ کر دفن کیا گیا تھا۔ (۳۱)

کلہاڑی کا پھل تانبے سے بنا ہوا تھا اور اس کا وزن تقریباً پانچ سو گرام ہے۔ اس طرح کی کلہاڑی جو کہ کپڑوں میں لپیٹ دی جاتی تھیں Suse I کے قبرستان میں بھی کثرت سے پائی گئی ہیں۔ (۳۲)

آثاری ماہرین کے مطابق ان مدفنوں سے جوار، گندم اور کھجور کے آثار بھی پائے گئے۔ اس طرح کھجور کی موجودگی اور اس کا عہد قدیم میں عراق میں درآمد اس بات کا ثبوت ہے کہ کھجور کا اصل وطن مکران ہے۔ ان آثاروں میں حیوانات کے آثار قلیل تعداد میں پائے گئے جو کہ زیادہ تر گائے کی باقیات پر مشتمل ہیں۔ اس کے علاوہ بغیر کوہان والے گائیوں کے مجسمے بھی ملے تھے، مگر جنگلی جانوروں اور بھیڑوں کے آثار کم ملے، البتہ گدھوں اور کتوں کے آثار کے ثبوت ضرور ملے ہیں۔ (۳۳)

میری کلات اور شاہی تمپ کے آثار کا تقابلی جائزہ

میری کلات کے آثاری جائزے کے بعد جب فرانسیسی ٹیم نے شاہی تمپ کے آثار کا مطالعہ کیا تو انہوں نے ان دونوں ثقافتوں کو درج ذیل ادوار میں تقسیم کیا:

دور سوم (الف) یہ دور چار ہزار سال قبل مسیح کے وسطی دور سے شروع ہو کر تین ہزار سال قبل مسیح تک ختم ہوتا ہے۔ اس دور کے آثار میری کلات میں خندق نمبر IX میں ملے۔ یہ سروے ۱۹۹۶ء کے دوران کیا گیا۔ اس سروے کی بنیاد ۱۹۹۴ء کے دوران حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر رکھا

گیا جس میں میری کلات کے لیول III اور IV کا تعلق پروٹو ایلامائٹ (Proto Elamite) کے ثقافت سے جوڑا گیا۔ اس دور کی دریافت شدہ اشیاء میں کچھ مدفن ملے جو میری کلات سے دریافت ہوئے۔ زیادہ تر ڈھانچے سرخ رنگ سے رنگے گئے تھے۔ اور وہ اکڑوں حالت میں مغرب کی طرف رخ کئے ہوئے تھے۔ ان مدفنوں کے ساتھ دفنائے گئے سامان وہی ہیں جو کہ شاہی تمپ سے دریافت ہوئے تھے۔ (۳۴)

دیگر اشیاء میں Alabaster کے بنائے ہوئے اوزار جو کہ مدفن نمبر ۱۰۵ میں ملے۔ اس کے علاوہ تانبے کی مہریں، سیپیاں، Lapis lazuli (نیلے رنگ کے نیم قیمتی پتھر) کارنیلین (Carnelian) (سرخ رنگ کے نیم قیمتی پتھر) وغیرہ بھی ملے ہیں۔ (۳۵)

یہ ایک انتہائی اہم دریافت تھی جس میں Lapis lazuli اور Carnelian کے مکران میں پائے جانے کے شواہد ملے۔ یاد رہے کہ یہ نیم قیمتی پتھر مکران کے راستے دو ہزار چھ سو سال قبل مسیح میں اکادین حکمرانوں کو برآمد کئے جاتے تھے، اور ان کا منبع مکران اور اس کے قرب و جوار کے علاقے بتائے گئے تھے۔ ان دریافت شدہ پتھروں کی مدد سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مکران ما قبل تاریخ میں ایک اہم گزرگاہ تھا جو کہ اوپر بیان کی گئی تہذیبوں کے درمیان ایک پل کا کام سرانجام دیتا تھا۔

تیسرے دور (الف) کے آثار کو مطالعہ کرنے کے لئے جب شاہی تمپ میں ۱۹۹۷ء میں سروے کیا گیا تو بہت سارے مدفن خندق نمبر I اور II سے دریافت ہوئے۔ ان میں پندرہ قبریں تھیں۔ ان مدفن کے دور کا تعلق میری کلات سے دریافت ہونے والے مدفن سے تھا البتہ شاہی تمپ میں ان مدفنوں کے ساتھ تانبے کی مہریں بھی دریافت ہوئیں۔ (۳۶)

دور سوئم (ب) سے متعلق میری کلات اور شاہی تمپ میں آثار بالکل نہیں پائے گئے یا ممکن ہے کہ وہ مرور زمانہ کے ہاتھوں تباہ و برباد ہوئے لہذا اس دور کے متعلق معلومات کا فقدان ہے۔

دور سوم (ج) شاہی تمپ میں سرے سے ہی غائب ہے جبکہ میری کلات میں اس دور کے متعلق سروے خندق نمبر I میں لیول چہارم میں پائی گئیں۔ (۳۷)

یہ لیول ایک میٹر موٹی زمین پر مشتمل ہے۔ جس میں مٹی کے ظروف پائے گئے، جو کہ بھٹی میں پکائے گئے تھے۔ مٹی کے ظروف زیادہ تر سرخ اور سلیٹی رنگ کے ہیں جو کہ چوڑے پیندوں پر مشتمل ہیں اور ان کے اندرونی تہوں میں نقش نگاری کی گئی تھی۔ اور انکے بیرونی سطح پر جیومیٹری کے نقوش بنائے گئے تھے۔ (۳۸)

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

میں یونیورسٹی آف کیلفورنیا اور حکومت پاکستان کے درمیان ایک علمی سمجھوتے کے بعد اس علاقے کا ابتدائی سروے George Dales اور اس کی ٹیم نے سرانجام دیا۔(۴۵)

ابتدائی سروے سے اس بات کا پتہ چلا کہ بالاکوٹ کا تعلق وادی سندھ کی تہذیب کے ابتدائی دور سے تھا۔ بالفاظ دیگر وہ میری کلات کے تیسرے دور سے تعلق رکھتا تھا۔ ابتدائی دور (ماقبل ہڑپہ) کے آثار اس ٹیلے کے شمالی اور جنوبی علاقوں میں دریافت ہوئے اور اس کی آبادی ہڑپہ دور کے آثار سے زیادہ تھی۔ اس سروے کی بنیاد پر بالاکوٹ کے آثار کو تین ادوار میں منقسم کیا گیا ہے:

(۱) ماقبل ہڑپہ دور

(۲) ہڑپہ دور

(۳) جدید دور جس میں بدھ اور اسلامی دور کے شواہد ملے ہیں۔

دور اول کا تعلق تین ہزار سال قبل مسیح تک ہے۔ اس دور میں دریافت ہونے والے زیادہ تر ظروف کمہار کے چاک پر بنائے گئے تھے۔ ان ظروف کی بیرونی سطح پر نقش ونگار بھی پائے گئے۔ مٹی کے یہ ظروف نال کلچر سے مشابہت رکھتے ہیں اور اس طرح کے ظروف جنوبی بلوچستان میں کئی جگہوں پر پائے گئے ہیں۔(۴۶)

اس طرح کی مٹی کے ظروف کی ایک بڑی تعداد وادی سندھ کے علاقے آمری سے دریافت ہونے والے ظروف سے مشابہت رکھتے ہیں۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ بالاکوٹ کے ابتدائی دور کا تعلق جنوبی بلوچستان اور وادی سندھ کے ابتدائی مراکز آمری سے ہے۔

مٹی کے ظروف کے علاوہ دیگر اشیاء جو کہ بالاکوٹ سے دریافت ہوئے ان میں کوہان والے بیلوں کے مجسمے بھی شامل ہیں۔ بیلوں کے یہ مجسمے وادی سندھ کے دریافت شدہ بیلوں کے مجسموں سے مختلف ہیں۔ ایک تو ان کے کوہان چوڑی نہیں ہیں اس کے برعکس وادی سندھ سے دریافت ہونے والے بیلوں کے مجسمے چوڑی کوہان والے ہیں اور دوسرا یہ کہ یہ انتہائی سادہ ہیں جبکہ وادی سندھ سے دریافت ہونے والے بیلوں کے مجسموں کو مختلف رنگوں سے رنگا گیا تھا۔(۴۷)

بالاکوٹ کے آثار سے مادر گیتی (حاملہ عورت کے چھوٹے چھوٹے مجسمے جنہیں ماقبل تاریخ میں زمین کی زرخیزی کے لئے پوجا جاتا تھا) کے مجسمے بالکل نہیں پائے گئے، جس کے نتیجے میں بالا کوٹ کلچر کا تعلق نال کلچر سے جوڑا جاتا ہے کیوں کہ نال کلچر میں بھی مادر گیتی کے مجسمے دریافت نہیں ہوئے اس کے برعکس مہر گڑھ کے آثاروں میں مادر گیتی کے لاتعداد مجسمے دریافت ہوئے۔ چونکہ مادر گیتی کے مجسموں کا تعلق زرعی ثقافت سے تھا اور بالاکوٹ چونکہ ایک سمندری کاروان سرائے تھا

لہٰذا اس علاقے میں اس قدر وسیع پیمانے پر زرعی ثقافت پروان نہیں چڑھا اس کے برعکس مہر گڑھ اور بلوچستان کے دیگر آثاروں میں زرعی ثقافت کا رنگ نمایاں ہے۔

بالاکوٹ سے پتھر کے تیز دھاری دار چاقو بھی وافر مقدار میں دریافت ہوئے ہیں، ان پتھروں کا عموماً زیریں حصہ تیز دھاری دار بنایا جاتا تھا اور بالائی حصے کو کند رکھا جاتا تھا۔(۴۸) اس کے برعکس نوکیلے سروں والے پتھروں کی غیر موجودگی بالاکوٹ کے آثار میں شدت سے محسوس کیا گیا اس کے لئے زیادہ تر جانوروں کی ہڈیوں اور دھات کو استعمال میں لایا جاتا تھا۔ بالاکوٹ میں استعمال ہونے والے پتھر کے اوزار اور ان کی بناوٹ اسے وادی سندھ کی تہذیب سے جوڑتا ہے۔ اس عمل کے لئے جو بنیادی اجزا استعمال کئے گئے وہ وہی ہیں جو کہ وادی سندھ کی قدیم تہذیب میں استعمال ہوئے۔

بالاکوٹ میں نیم قیمتی پتھروں سے بنائے گئے منکے انتہائی قلیل تعداد میں پائے گئے۔ یہ منکے زیادہ تر Lapis Lazuli (نیلے رنگ کی نیم قیمتی پتھر) پر مشتمل تھے جو کہ مٹی کے برتنوں میں پائے گئے۔ یاد رہے کہ Lapis Lazuli ان علاقوں سے اکادین (عراق) سلطنت کو بھجوائے جاتے تھے۔ عین ممکن ہے کہ اس ابتدائی دور میں بالاکوٹ بطور اہم کاروان سرائے کے عراق اور وادی سندھ کی تہذیبوں کے درمیان رابطے کا مرکز رہا ہو جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کے علاوہ تانبے اور کانسی کے اوزار بھی بالاکوٹ سے دریافت ہوئے اگرچہ ان کی ساخت سے متعلق تاحال زیادہ معلومات دستیاب نہیں ہیں۔

ماقبل تاریخ کے ادوار میں بالاکوٹ سے دریافت ہونے والے ممالیہ کی تفصیل کچھ یوں ہے:(۴۹)

خارپشت (سیہی)، وافغان خارپشت، صحرائی خارپشت، بڑے ہندی چوہے، ہندی مورخور (Pangolin)، ہندی گرگ (بھیڑیا)، گیدڑ، لمبے ٹانگوں والے روباہ (لومڑی)، صحرائی روباہ، بلوچی مم (ریچھ)، ہندی بجو، ہندی اود بلاؤ، ایشیائی چرخ، ہندی منگوز، جنگلی بلی، بلوچی پلنگ (چیتا)، جنگلی سور، غزال، پہاڑی بکری (سہید)، پہاڑی دمبے، خرگوش، ہندی خارپشت، چوہے وغیرہ۔

اسی طرح بالاکوٹ سے متعلق ایک دلچسپ مطالعہ Durante نے کیا جو کہ اس علاقے میں ماقبل تاریخ میں رہنے والے باشندوں کے خوراک سے متعلق تھا۔(۵۰) ڈورنٹ کے مطابق سمندری وسائل کو اس شہر کے باسی دو مقاصد کے لئے استعمال کرتے تھے یعنی حصول خوراک کے لئے اور سمندری گونگوں (Shelfish) کو آرائش وزیبائش کے سامان بنانے کے لئے استعمال کیا

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

سے پینٹ کیا گیا تھا۔ یہ مجسمے ہڑپہ دور کے اہم نمائندے سمجھے جاتے ہیں۔ Dales ۱۹۷۶ء کے سروے کے دوران اس نتیجے پر پہنچے کہ بالاکوٹ کا عراق سے کوئی تجارتی رابطہ نہ تھا اگرچہ سیپیوں سے بنائے گئے گیپ اس کا تعلق شہر سوختہ سے جوڑتے ہیں لیکن Dales بالاکوٹ اور ۱۹۶۰ء میں ان کے زیر مطالعہ سُتکگیں ڈور اور سُتکگیں کوہ کا عراق اور ایرانی تہذیبوں سے تعلق جوڑنے میں عدم دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں اگرچہ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں (ڈیلز ۱۹۹۲ء میں وفات پا گئے تھے، اور ان کی آخری تصنیف مکران سے متعلق تھی جس کا ذکر اس باب کے شروع میں کیا گیا ہے) وہ اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ ان سے یہ بڑی بھول ہوگئی تھی کہ وہ اس طرف توجہ نہ دے سکے۔ کیونکہ میری کلات سے دریافت ہونے والے آثار کی حوالے سے فرانسیسی اور ٹیلین ٹیم اس نتیجے پر پہنچے کہ سرزمین مکران کا عہد قدیم میں ایرانی اور عراقی تہذیبوں سے مضبوط سمبندھ استوار تھے۔ اس کے علاوہ Dales کو دو انسانی شبہات والے مجسمے بھی ملے تھے جن میں ایک مرد کی تھی اور ایک عورت کی۔ لیکن زیادہ تر مجسمے جانوروں کے ملے جن کی تعداد ایک سو بارہ کے قریب ہے۔ (۵۶)

اس سروے میں تانبا اور کانسی کا کوئی اوزار دریافت نہیں ہوا اگرچہ بعد میں کئے گئے سروے سے اس بات کے شواہد ملے ہیں کہ سیسہ (سُرپ) اس علاقے میں استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ بالاکوٹ سے ملنے والی مہروں کا تعلق ہڑپہ تہذیب سے ہے اور ان پر بنی ہوئی اشکال بھی وہی ہیں جو کہ وادی سندھ کی تہذیب میں استعمال ہوتے رہے۔ ہڑپہ دور سے تعلق رکھنے والے آثار میں کوئی انسانی مدفن دریافت نہیں ہوا۔

بالاکوٹ کا آخری دور بعد از ہڑپہ دور کہلاتا ہے اور یہ دور اس خطے پر اسلام کے غلبے تک جاری رہا۔ اس دور میں اسلامی ثقافت کا غلبہ اس خطے میں نمایاں نظر آتا ہے۔ چونکہ اس کا تعلق دمب کے بیرونی سطح سے ہے لہذا بہت سارے آثار زمانے کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو گئے۔

Dales کے ۱۹۷۶ء کے سروے کے بعد ۱۹۹۵ میں جرمن ماہرین آثار قدیمہ جن کی سربراہی Ute-Franke Vogt کر رہے تھے انہوں نے بالاکوٹ کا دوبارہ سروے کیا۔ (۵۷)

اس سروے سے کوئی نئی بات سامنے نہیں آئی اور فرنک وگٹ بھی کم و بیش اس نتیجے پر پہنچے جس کا ذکر ڈیلز کے حوالے سے اوپر بیان کیا گیا۔ البتہ اس سروے میں مٹی کے ظروف پر بنی ہوئی حاشیہ کاری سے متعلق زیادہ تفصیل سے کام کیا گیا ہے۔

سُتکگیں ڈور اور سُتکگیں کوہ

سُتکگیں ڈور

سُتکگیں ڈور کے آثار کو دریافت کرنے کا سہرا میجر موکلر کو جاتا ہے جنہوں نے ۱۸۷۶ میں اس علاقے کا سروے کیا۔ اس کے بعد سر آرل اسٹین نے ۱۹۲۸ میں دوبارہ ان علاقوں کا مطالعہ کیا اس کے بعد ۱۹۶۰ میں امریکی ماہرین کی ایک ٹیم نے جارج ڈیلز کی سربراہی میں اس علاقے کا تفصیلی معائنہ کیا۔ اس ضمن میں ڈیلز کے مطالعہ کو اول الذکر پر اس لئے فوقیت حاصل ہے کہ ڈیلز کے دور میں علم الآثار میں نسبتاً جدید اور نئے سائنسی آلات کی مدد سے ان آثاروں کی صحیح پیمائش ممکن تھی جس سے میجر موکلر اور آرل اسٹین ناواقف تھے۔ بنیادی سوال جس کی وجہ سے ڈیلز نے ان علاقوں کا دوبارہ سروے کیا تھا وہ یہ تھا کہ آیا ان علاقوں کا وادی سندھ کی تہذیب اور عراق کے ساتھ بطور تجارتی گزرگاہ کوئی تعلق تھا یا نہیں۔ ڈیلز کو حکومت پاکستان کی طرف سے صرف ان علاقوں کی مطالعہ (سروے) کی اجازت دی گئی تھی۔ انہیں ان علاقوں میں کھدائی کی قطعاً اجازت نہیں تھی۔ لیکن محکمہ آثار قدیمہ کے نمائندے رفیق احمد مغل کی مہربانیوں سے انہوں نے حکومت پاکستان کے اس قدغن کو بے دردی سے پامال کیا اور ان علاقوں کی مزید کھدائی کی۔ انہوں نے خود اس بات کا اعتراف کیا تھا کہ اس کام کے لئے انہیں چونکہ مزدوروں کی کافی ضرورت تھی جو انہوں نے تین روپے روز کے حساب سے ضلع گوادر کے لیوی افسر کے توسط سے بھرتی کئے تھے۔ لیکن بعد میں پتہ چلا کہ ان لوگوں کو لیوی افسر (جو کہ ضلع گوادر میں تعینات تھا) زبردستی بیگار کر کے لایا تھا اور انہوں نے انہیں مفت کام کرنے پر مجبور کیا تھا اور کام نہ کرنے پر وہ انہیں قید و بند کی دھمکیاں دیتا تھا۔ اس طرح مزدوروں کی محنتانہ ماہرین سے لیکر وہ اپنے کھاتے میں ڈالتا تھا۔ واضح رہے کہ یہ ۱۹۶۰ء کی بات ہے۔ جب ڈیلز کو اس بات کا پتہ چلا تو اسے بہت تکلیف پہنچی۔ اس واقعے کا ذکر کرنا یہاں اس لئے بھی لازمی ہے کہ مکران میں آثار قدیمہ کے مطالعہ کے لئے آنے والے غیر ملکیوں کے رویے اور انہوں کی خود غرضانہ رویے کو پرکھا جائے اور قومی دولت کی اس طرح پامالی کو عوام کے سامنے لایا جاسکے۔ مندرجہ بالا واقعہ کا ذکر اگرچہ ڈیلز نے اپنے کتاب میں کیا تھا لیکن بلوچستان میں آثار قدیمہ کے مطالعے کے حوالے سے ایسے بہت سارے واقعات پیش آئے جن کا مغربی محققین نے اپنے کتابوں میں ذکر تک نہیں کیا۔ (۵۸)

سُتکگیں ڈور گوادر ضلع میں ساحل سمندر سے تیس میل دور واقع ہے۔ نگی امجد (۱۹۸۹) کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

اس کے علاوہ Onyx کے پتھروں سے بنائے گئے منکے بھی بڑی تعداد میں دریافت ہوئے۔ شیشے کے بنی ہوئی چوڑیاں بھی سُتکگیں ڈور سے دریافت ہوئیں۔ ان کی خاص بات ان کا تین رنگوں میں پایا جانا ہے۔ یہ نیلگوں، بورے اور زرد رنگوں پر مشتمل تھیں اس طرح کی چوڑیاں سیستان کے صحرا میں بھی دریافت ہوئی تھیں۔ (٦٧)

اس علاقے سے انتہائی اعلیٰ معیار کے مٹی کے نازک ظروف بھی دریافت ہوئے۔ جو کہ سرخ رنگ کے ہیں ان کی پتلی ساخت کو مدنظر رکھتے ہوئے اسٹین اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ یہ مقامی ہنرمندوں کے شاہکار ہیں کیونکہ اگر وادی سندھ سے برآمد کئے جاتے تو یہ راستے ہی میں ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتے جس کی وجہ ان کی بناوٹ ہے۔ یہ اس قدر نازک ہیں کہ سفر کے متحمل نہیں ہوسکتے تھے۔ اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے مٹی کے پیالے بھی سُتکگیں ڈور سے دریافت ہوئے ان کی ساخت انبوغنڈی ضلع ژوب کے آثار سے دریافت ہونے والے پیالوں سے مماثلت رکھتی ہیں۔ جس سے اس ثقافت کا ژوب ثقافت سے بھی روابط کا حوالہ ملتا ہے۔ (٦٨)

سُتکگیں ڈور کے آثار سے تانبے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے بھی بڑی تعداد میں دریافت ہوئے۔ اس کے علاوہ تانبے کا بڑا ٹکڑا بھی دریافت ہوا ہے جس کے متعلق اسٹین کا خیال ہے کہ شاید یہ کسی برچھی کا نوکیلا سرا ہو یا اسے بڑی مچھلیوں کے شکار کے لئے استعمال کیا جاتا ہو۔ اس کے علاوہ قلعے کے شمالی حصے کی کھدائی کے دوران کچھ بڑے بڑے مرتبانوں کے ٹکڑے بھی دریافت ہوئے جن کے اندر انسانی ہڈیاں اور راکھ دریافت ہوئی۔ (٦٩) اس کے متعلق خیال کیا جاتا تھا کہ انسانی لاشوں کو جلانے کے بعد ان کی ہڈیاں راکھ سمیت اسی خاکدان میں دفن کی جاتی تھیں۔ اس جگہ خاکستر سے بھرے ہوئے برتن بھی ملے تھے۔ (٧٠) اس طرح کے خاکدان ژوب اور لورالائی ثقافت کے آثاروں سے بھی دریافت ہوئے۔ یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ میری کلات اور شاہی تمپ کے آثاروں میں مُردوں کو اکڑوں دفن کیا جاتا تھا جبکہ بالاکوٹ میں بھی مردوں کو جلانے کے شواہد نہیں ملے۔ اس کے برعکس سُتکگیں ڈور میں انسانی لاشوں کو دفنانے کے بجائے پہلے انہیں جلایا جاتا تھا اور پھر ان کی راکھ اور ہڈیوں کو خاکدان میں ڈال کر انہیں دفنایا جاتا تھا۔ چونکہ سُتکگیں ڈور کا زمانہ تقریباً دو ہزار سے ڈھائی ہزار سال قبل مسیح کا ہے اور اس کا تعلق خالصتاً ہڑپہ ثقافت سے ہے اس سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ مردوں کو جلانے کا عمل ہڑپہ ثقافت سے مستعار لیا گیا تھا اور مکران کے مقامی اس سے پہلے لاشوں کو نہیں جلاتے تھے بلکہ وہ انہیں دفن کرتے تھے۔

سُتکگیں کوہ

سُتکگیں کوہ کے دمب ساحل مکران میں پسنی بندر سے ۹ میل شمال کی جانب کوہ تلار کے دامن میں میدانی علاقہ میں شادی کور کے کنارے واقع ہیں۔ سُتکگیں کوہ اپنی ساخت کے اعتبار سے سُتکگیں ڈور سے مشابہت رکھتا ہے اور دونوں کا زمانہ بھی تین ہزار سال قبل مسیح کا ہے۔ اس کا تعلق بھی ہڑپہ تہذیب سے ہے۔ یہاں پر بھی اونچے ٹیلے پر بنائے گئے قلعے کی باقیات اور نشانیاں پائی گئیں ہیں۔ یہ ساخت کے اعتبار سے سُتکگیں ڈور سے مشابہت نہیں رکھتیں۔ اگرچہ ان دونوں جگہوں کو ہم سمندری بندرگاہ نہیں کہہ سکتے لیکن ان کی تعمیر کا مقصد سمندری گزرگاہوں کی حفاظت کرنا ضرور تھا۔

بمپور

وادی بمپور (جس کو سکندر اعظم نے پورا کا نام دیا اور اسے گدروشیا کا دارالخلافہ قرار دیا تھا) ما قبل تاریخ میں مشرقی مکران (Meluhha) اور اکادین تہذیب کے درمیان ایک اہم تجارتی گزرگاہ کے طور پر مشہور تھا۔ دور جدید میں بمپور کا علاقہ مشرقی مکران سے مختلف تجارتی گزرگاہوں سے جڑا ہوا ہے۔ پہلا راستہ بمپور سے ہوتا ہوا پہاڑوں سے گزر کر مگس اور سراوان سے ہو کر وادی ماشکیل میں داخل ہوتا ہے۔ یہاں سے یہ راستہ پاکستانی مکران کے سرحد کے قریب کے علاقے کوہک سے ہوتا ہوا وادی رخشان کے علاقہ پنجگور میں داخل ہوتا ہے۔

دوسرا راستہ جنوب مشرقی پہاڑی علاقوں سے ہوتا ہوا ایرانشہر سے سرباز اور وہاں سے ہوتا ہوا مند کے شہر میں داخل ہوتا ہے اور مند کے راستے وادی کیچ میں داخل ہوتا ہے۔ اسی طرح بمپور سے ایک اور تجارتی راستہ گورگشت کے نخلستان سے ہوتا ہوا قاسم آباد، چامپ اور قصر قند (کسرکند) سے وادی دشت میں داخل ہوتا ہے۔ اس راستے میں پائے جانے والے آثار جو کہ گورگشت میں دریافت ہوئے، ان کا زمانہ وہی ہے جو کہ بمپور کے آثار کا ہے۔ اغلب امکان ہے کہ زمانہ ما قبل تاریخ میں یہی تجارتی راستہ استعمال ہوتا رہا۔ کیونکہ اسی راستے میں وادی دشت اور کیچ کے اہم آثار بھی واقع ہیں اور ان کے قریبی روابط بمپور سے ہوسکتے ہیں۔ اسی طرح آرل اسٹین کے مطابق شاید یہ وہی راستہ ہے جسے سکندر اعظم نے اپنے مکران کے دورے میں استعمال کیا ہو اور Ichthyophagi کے علاقوں سے گزر کر گدروشیا کے دارالحکومت پورا (بمپور) میں داخل ہوگیا

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

اکادی (عراقی) تہذیب کے تجارتی روابط کے دوران یہ اشیاء مکران کے مختلف علاقوں سے یہاں لائی گئی ہوں کیونکہ بمپور اس تجارتی گزرگاہ کا اہم مقام تھا۔ اسی طرح ایک قبر سے دریافت ہونے برتنوں کی ساخت ہو بہو وہی ہے جو کہ کلی ثقافت میں پائے گئے تھے۔ ان برتنوں کے پیندے چوڑے ہیں اس طرح کے چوڑے پیندوں والے برتن کلی ثقافت اور میری کلات میں بھی پائے گئے۔ اس طرح بمپور کا ان علاقوں کے ساتھ منسلک ہونے کا یہ ایک اور ثبوت ہے۔ (۷۷)

ایک اہم قبر سے دریافت ہونے والی اشیاء اس کے مدفن کی اہمیت کا واضح ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اس قبر میں دھاتوں پر مشتمل سامانوں کے علاوہ Alabaster سے بنی ہوئی اشیاء بھی دریافت ہوئیں اس کے علاوہ پتھر کے منکوں سے بنا ہوا ہار بھی اس کے گلے میں پایا گیا۔ اس ہار کے کناروں پر سونے کے پرت لگائے گئے تھے۔ اسی طرح ایک کلہاڑی بھی ملی جس کے پھل پر ایک بیٹھے ہوئے اوٹ کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ اس قسم کی اسلحہ تین ہزار سال قبل مسیح کے دور میں عام پائی جاتی تھیں۔ مٹی کے ظروف زیادہ تر بغیر کسی نقش و نگار کے تھے اور ان برتنوں کی ساخت شکلیں ڈور سے دریافت ہونے والی مٹی کے ظروف سے مماثلت رکھتے ہیں۔ (۷۸)

ایک اور قبر سے دریافت ہونے والی اشیاء سلیٹی رنگ کے پیالوں پر مشتمل تھے۔ ان پیالوں کی ساخت شاہی تمپ کے مدفونوں سے دریافت ہونے والے پیالوں سے مماثلت رکھتی ہیں اور اس کا تعلق شاہی تمپ ثقافت سے جوڑا جا سکتا ہے۔ (۷۹) چونکہ یہ قبریں مختلف ادوار سے تعلق رکھتی ہیں لیکن یہ امر مسلم ہے کہ ماقبل تاریخ کے مختلف ادوار میں بمپور کا تعلق مکران کے کسی نہ کسی ثقافت سے ضرور جڑا رہا ہوگا۔ مکران کے مختلف ثقافت دسترس زمانہ کے ہاتھوں شکست و ریخت کا شکار ہوتے چلے گئے۔ ایک تہذیب مٹ گئی اور اور اس کی جگہ دوسری نے لے لی لیکن بمپور کی بطور اہم تجارتی گزرگاہ کے اس کی اہمیت ہر دور میں برقرار رہی اور اس کے پرتو ہمیں سکندر اعظم کے دورہ مکران میں بھی ملتے ہیں جب بمپور گدروشیا کا دارالحکومت تھا، اور ایک اہم شہری آبادی تصور کیا جاتا تھا۔ لہذا یہ ناممکن ہے کہ بمپور کو مکران سے الگ کر کے اس کی ثقافتی روابط کو ایران کے شمالی علاقوں سے جوڑا جائے بلکہ وہ مکمل طور پر بلوچستان میں پائے جانے والی ثقافتوں سے جڑا ہوا تھا اور اس کے آثار اس بات کی صاف گواہی دیتے ہیں۔

کلی اور مبیجی ثقافت

کلی کا ٹیلہ (دمب) ضلع آواران کے تحصیل کولواہ میں واقع ہے جبکہ مبیجی کا ٹیلہ جھالاوان کی

تحصیل مشکے میں واقع ہے۔ ان دونوں بستیوں کی ماقبل تاریخ آثار پر Stein نے ۱۹۲۸ میں کافی تفصیل سے کام کیا اور یہاں سے جو مٹی کے ظروف اور دوسری باقیات دریافت ہوئیں وہ ایک ہی ثقافت سے تعلق رکھتی ہیں اور دونوں علاقے ماقبل تاریخ کے ایک ہی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس دور کو مشرقی مکران کے اس ثقافت کو کلی مبیجی کلچر کا نام دیا گیا ہے۔ (۸۰)

اس قدیم تہذیب کو سر آرال اسٹین نے اپنے ۱۹۲۸ کے دورہ مکران کے دوران دریافت کیا لیکن اس ثقافت کو "کلی کلچر" کا نام پگوٹ (Piggott) نے ۱۹۵۰ میں اپنی کتاب ماقبل تاریخ ہند میں دیا۔ (۸۱)

اس تہذیب کی نمایاں خصوصیات ہاتھ سے بنائے ہوئے انسانی اور حیوانی اشکال کے مجسمے اور رنگین ظروف ہیں۔ پگٹ کے مطابق یہ اشکال زیادہ تر مقامی ہیں اور چند مستثنیات کو چھوڑ کر ان کا وادی سندھ کی تہذیب سے کوئی سمبندھ نہیں ہے۔ اگرچہ مٹی کے ظروف مکمل طور پر وادی سندھ کی تہذیب سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کے علاوہ مٹی سے بنے بیل گاڑیوں کے کھلونے، چھوٹے چھوٹے مٹی کے کھلونے اور نکونی مٹی کے اشکال وغیرہ بھی وادی سندھ کی تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ اس ثقافتی ملغوبے کی بنیاد پر پگٹ کے خیال کے مطابق کلی ثقافت کا دور وہی ہے جو کہ وادی سندھ کے عروج کا دور ہے یعنی دو ہزار چھ سو سال قبل مسیح سے لیکر اٹھارہ سو سال قبل مسیح تک ہے۔ (۸۲)

اگرچہ اس بیان سے پگٹ یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ لوگ اس کا یہی مطلب لیں گے کہ کلی کلچر کا تعلق کلیتاً وادی سندھ کی تہذیب سے ہے۔ مگر کلی ثقافت سے دریافت شدہ آثار اس بات کو جھٹلاتے ہیں۔ لہذا اس ضمن میں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کلی ثقافت اصل میں مکران کی دیگر ثقافتوں کی طرح وادی سندھ اور اکادین و سومیری تہذیب کے درمیان پل کا کردار انجام دے رہی تھی اور یہ بات پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ یہ ثقافت وادی سندھ اور قدیم عراق کے درمیان تجارتی راستے کا اہم پوسٹ تھی۔ لہذا یہ بات سائنسی لحاظ سے غلط ہے کہ اس کو مکمل طور پر وادی سندھ کی تہذیب بنا کر پیش کیا جائے۔ جیسا کہ پاکستانی تاریخ دان اس بات کو پیش کرنے میں کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے کہ کسی بھی طرح ان وحدتوں کو ہڑپہ تہذیب سے جوڑ کر بلوچستان پر اپنے غلبے کو جائز ثابت کیا جا سکے۔ جیسا کہ ہمیں نجی امجد (۱۹۸۹) کا مرتب کردہ تاریخ پاکستان قدیم دور میں نظر آتا ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب میں اس غلبے کو جائز ثابت کرنے کے سلسلے میں لکھا کہ "بلوچستان میں تین مقامات پر ایسے ظروف ملے ہیں جو وادی سندھ کی تہذیب سے تعلق رکھتے ہیں

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

Lazuli فیروزہ، اور Carnelian پر مشتمل تھے ان زیورات کو اسٹین نے اپنی کتاب میں نظر انداز کیا تھا لیکن بعد میں آنے والے تحقیقین نے جب دہلی میں ان آثار کا مطالعہ کیا تو انہیں یہ بار نظر آیا۔(۸۷)

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ یہ نیم قیمتی پتھر جو کہ افغانستان کے علاقوں میں پائے جاتے تھے انہیں افغانستان سے مکران کے راستے سمیرین اور اکادین تہذیبوں کے مراکز تک برآمد کیا جاتا تھا۔ ان میں سے ایک ہار کے متعلق امریکی ماہر آثار قدیمہ پوسل کا کہنا ہے کہ اس میں تقریباً ۲۷ منکے شامل ہیں جو کہ ایک سلیٹی رنگ کے مرتبان میں پائے گئے۔ اس ہار میں تقریباً اکیس فیروزہ کے منکے ہیں باقی کالے رنگ کے پتھروں پر مشتمل ہیں، جن کی اصل کا ابھی پتہ چلنا باقی ہے۔(۸۸)

اس کے علاوہ دو تانبے کے پن جن کے متعلق پوسل کا خیال ہے کہ موچیوں کے (جوتوں کو) چیدکرنے کے آلات ہیں، بھی پائے گئے۔ اس کے علاوہ تانبے کا ایک اوزار بھی دریافت ہوا ہے جس پر سونے کے ذرات لگے ہوئے تھے۔(۸۹)

مندرجہ بالا سامانوں کے علاوہ انسانی اور حیوانی خاص کر بیلوں کی چھوٹی چھوٹی مورتیاں بھی بڑی تعداد میں دریافت ہوئی ہیں۔ بیلوں کے جسموں کو رنگا بھی گیا تھا۔ رنگنے کا عمل اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ خالصتاً کلی کلچر کے پیداوار ہیں۔ اس کے علاوہ انسانی مورتیاں مرد اور عورت کی شکل میں پائی گئیں تھیں اور یہ مورتیاں ماقبل تاریخ میں وادی سندھ اور دیگر آثاروں سے دریافت ہونے والی مورتیوں سے یکسر مختلف ہیں۔ ان مورتیوں کی ساخت کے بارے میں یحییٰ امجد رقم طراز ہیں کہ ''عورتوں کی ادھ مورتیاں جو کہ ناف سے اوپر تک بنی ہوئی ہیں ان کا پیندا چوڑا بنایا گیا ہے تا کہ یہ ہموار سطح پر کھڑی رہ سکیں۔ انہوں نے اپنے ہاتھ کمر، پیٹ یا سینے پر رکھے ہوئے ہیں۔ ان کی شکلیں ڈراؤنی ہیں اور یہ ہاروں سے لدی پھندی ہیں۔ ہار مٹی کے بنے ہیں اور مورتی کا حصہ ہیں یہ الگ سے نہیں بنائے گئے۔ بال مختلف طریقوں سے بنائے گئے ہیں۔ کہیں جوڑا بنا ہے کہیں کھلے بال کمر پر لٹکے ہیں کہیں شانوں سے ہوتی ہوئی بالوں کی دو چوٹیاں آگے کو لٹکائی گئی ہیں۔ ان میں چوٹیاں تو بنائی گئی ہیں لیکن پراندہ نہیں لگایا گیا۔ فنکاروں نے چہرے کے نقوش بنانے میں کوئی خاص توجہ نہیں دی، البتہ بالوں کے اشائل اور زیورات کے دکھانے میں نہایت باریک بینی، تفصیلات اور فنی مہارت سے کام لیا ہے۔ قدیم ہندوستان کی مورتیوں کے برعکس ان کے جنسی اعضاء کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس سے یہ قیاس ہوتا ہے کہ یہ بچوں کی گڑیاں بھی ہو سکتی

ہیں۔ لیکن یہ ایک جھاکش سماج کی دیومائیں بھی ہو سکتی ہیں۔ جہاں زیادہ مشقت طلب زندگی ہونے کے باعث جنسی تلذذ دماغوں پر چھایا ہوا نہیں ہے''۔(۹۰)

کلی ثقافت کی نمائندہ مٹی کے برتنوں پر کی جانے والی نقاشی ہے جو کہ اس کو دیگر ثقافتوں سے ممتاز کرتی ہے۔ ان میں بیلوں کی لمبی تصویریں ہیں جو کہ ان ظروف کے بڑے حصے کو گھیرتی ہیں۔ اس کے علاوہ پلیٹوں کے اندرونی حصوں میں مچھلیوں کی تصویر بھی بنائی گئی ہیں۔ نقاشی کے ان نمونوں کے متعلق یحییٰ امجد لکھتے ہیں کہ جانور پٹی کی طوالت کو بھرنے کی غرض سے ضرورت سے زیادہ لمبے بنائے گئے ہیں۔ گو کہ پیٹ کی موٹائی اور ٹانگوں کی اونچائی آپس میں متناسب ہے لیکن لمبائی زیادہ ہے۔ ان کے پس منظر میں ٹانگوں کے بیچ میں نظر آنے والی بکریوں کی ننھی ننھی تصویروں کی بھرمار ہے اور اوپر پرندوں کی علامتی تصویریں ہیں۔.....ایک جگہ ایک گائے ایک اونچی اسٹینڈ سے بندھی ہے اور اس کی طرف منہ کئے کھڑی ہے۔ اس اسٹینڈ پر مستطیل شکل کا برتن بنا ہے۔ بعض ماہرین نے اسے ''مقدس آتشدان'' قرار دیا ہے۔ آتش دان کے آگے مقدس پیپل کا درخت ہے جو تجریدی شکل کا ہے۔ ایک پیپل کا درخت اس کے آگے ایک تانبے کا بنا آتش دان جو خود کاریگری کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔ اس کے ساتھ تین پیروں کا ایک پائیدان ہے اس پر اونچا اسٹینڈ ہے جس کے اوپر ایک گولہ ہے اور پھر اس کے اوپر دوسرا گولہ ہے جس سے چاروں طرف تین تین سلاخیں نکلتی ہیں۔ اس طرح کی سلاخوں سے اوپر نیچے رکھے دونوں گولے آپس میں جڑے ہیں۔ پھر اس پر ایک سلاخ ہے جس کے اوپر ایک مستطیل آتش دان ہے اسی مقدس آتشدان کے ساتھ گائے کی رسی بندھی ہوئی ہے''۔(۹۱)

ان کو ہان والے بیلوں کی تصویر کشی کی خاص بات ان کے گول صدور سینگ، بڑی بڑی گول آنکھیں اور ان کا پھولا ہوا تھوتھنا ہے۔ اس کے علاوہ بیلوں کے چھوٹی چھوٹی مورتیوں میں جسم پر ایک جالی نما پٹی بنائی جاتی تھی۔ بکریوں کی تصویروں کے اختصار کے بارے میں ملک سعید بلوچ کا خیال ہے کہ غالباً یہ روش ضرورت نقاشی کی بنا پر اختیار کی جاتی ہوگی تا کہ ان جانوروں کی تصویران بنی ہوئی اشکال کے اندر پوری طرح سموئی جا سکیں جو ان تصویروں کے لئے پس منظر کا کام انجام دیتی تھیں۔(۹۲)

بیلوں اور بکریوں کے علاوہ جنگلی بلوں کی تصویریں بھی برتنوں کی بیرونی سطح پر بنائی گئی تھیں۔ اسٹین کی توجہ زیادہ تر ان ظروف پر کی گئی نقاشی پر رہی وہ ان کی ساخت پر زیادہ توجہ نہ دے سکے۔ ان ظروف کی دو اقسام پائی گئی جو کہ کلی ثقافت کے وادی سندھ کی تہذیب سے تعلق کو مزید پیچیدہ بناتے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

دلمان سے آئے ہوئے جہاز
وہ لنگرانداز ہوئے
اکاد کے گھاٹ پر۔(۹۹)

اس تحریر سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ عراق (اکاد) کے ملوہا اور ماگان کے ساتھ تجارتی روابط تھے۔ وادی سندھ میں شہری زندگی کے عروج کے ساتھ ہی مکران کا علاقہ بھی ترقی کرتا چلا گیا اور بطور تجارتی گزرگاہ کے اس کے روابط عراق سے جُڑ گئے اور اس کے نتیجے میں مکران کے علاقے بھی شہری زندگی کے فوائد سے فیضیاب ہونے لگے۔ یہاں کے لوگوں کی معاشی زندگی میں انقلاب آیا جس کے نتیجے میں یہ چھوٹے چھوٹے شہر ایک بڑی آبادی کے بوجھ کو برداشت کرنے کے قابل ہوئے۔

اس تجارت کے شواہد ہمیں کلی کلچر کے آثاروں جو کہ مکران اور جھلاوان کے مختلف علاقوں سے دریافت ہوئے، جابجا ملتے ہیں۔کلی کلچر اور وادی سندھ کی ہڑپہ تہذیب کا دور ایک ہی ہے اور اس دور میں عراق کے ساتھ وادی سندھ کی تہذیب کے تجارتی روابط بحال ہوئے۔وادی سندھ سے پیدا ہونے والے قدرتی وسائل عراق میں براستہ مکران بھیجے جاتے تھے اور اس طرح مکران کا نام عراق کے قدیم دفتروں میں ہمیشہ کے لئے جگہ پا گیا۔کلی ثقافت کے ریڈیو کاربن ڈیٹنگ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا دور ۲۵۰۰ سے لے کر ۲۰۰۰ سال قبل مسیح تک کا ہے۔(۱۰۰)

کلی کلچر کے نمائندہ آثار کلی اور میہی کے علاوہ نندوواری (Nandowari) جو کہ وادی اورناچ میں کلی اور میہی کے درمیان واقع ہے، میں بھی دریافت ہوئے۔اس آثار کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مکران کے مشرقی علاقوں اور وادی سندھ کی ہڑپہ تہذیب کے درمیان گہرے روابط تھے۔ یاد رہے کہ ان آثار کا دور وہی ہے جو وادی سندھ کی عروج کا دور ہے۔کلی اور میہی کلچر کے عروج کے زمانے بھی وہی ہیں لیکن ظروف کاری اور مورتیاں جو ان علاقوں میں پائی گئیں ہیں وہ کسی بھی طور وادی سندھ کی تہذیب سے میل نہیں کھاتیں۔ اس ضمن میں تفصیل اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔تجارتی روابط کے ضمن میں ایک بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ اگرچہ یہ علاقے وادی سندھ سے تجارتی رابطے میں تھے۔اس ضمن میں مہروں اور مورتیوں کی دریافت بھی اس بات کی نشاندہی کرتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اپنی انفرادیت بھی برقرار رکھے ہوئے تھے۔کلی کلچر سے متعلق تقریباً ۸۴ (چوراسی) کے قریب آثار مکران اور بلوچستان کے دیگر علاقوں میں پائے گئے، جن کا ریکارڈ محکمہ آثار قدیمہ حکومت پاکستان کراچی میں موجود ہے۔(۱۰۱)

کلی ثقافت کے وادی سندھ کی تہذیب کے علاوہ سُتلگیں ڈور اور سُتلگیں کوہ کے ساتھ بھی وابستہ تھے۔ یہ دونوں علاقے خالصتاً تجارتی بنیاد پر خود اہلیان وادی سندھ نے ساحل مکران پر بسائے تھے تاکہ وہ اپنی تجارتی مفادات کی نگرانی کر سکے۔سمندر سے قریب ہونے کی وجہ سے ان علاقوں پر وادی سندھ سے لاکر بسائے گئے لوگ سندھ کی تجارتی جہازوں کی حفاظت پر معمور تھے۔ اس بات کا بین ثبوت ان شہروں کے گرد شہر پناہ سے ملتا ہے جہاں انہوں نے مقامی لوگوں کے ڈر سے مضبوط قلعے تعمیر کروائے تھے۔سُتلگیں ڈور اور سُتلگیں کوہ کے باسیوں کے متعلق عراق سے دریافت ہونے والے دستاویزاتی ثبوت موجود ہیں جس میں انہیں میدانی علاقوں کے باسی جو کہ پہاڑی علاقوں میں رہتے تھے، کہا جاتا تھا۔اس کے برعکس قدیم مکران کے باشندوں کو مالوہا کے پہاڑی علاقوں میں رہنے والے لوگ کہا جاتا تھا۔جس سے اس بات کی نشاندہی ہوتی ہے کہ مالوہا بلوچستان کا جنوبی علاقہ یعنی مکران ہے۔جس میں مقامی لوگوں کے علاوہ غیر مقامی لوگ بھی رہائش پذیر تھے اس طرح یہ سرزمین مختلف ثقافتوں کا مجموعہ تھی۔(۱۰۲)

مکران (مالوہا اور ماگان) سے عراق بھیجے جانے والے تجارتی سامانوں کی تفصیل کچھ یوں ہے:

(i) ابتدائی عراقی حکمرانوں کے **Meluhha** کے ساتھ روابط

ابتدائی دور کے حکمرانوں کے متعلق دریافت ہونے والے آثار میں مکران کے متعلق ذکر کچھ یوں ہے کہ "ماگان اور مالوہا آپ کے سامنے سرنگوں ہوتے ہیں"۔اس جملے کے متعلق کہا جاتا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ یہ اسکول میں پڑھائی جانے والی مناجات کا ایک حصہ ہو جس میں بادشاہ کے شان اور سربلندی بیان کی گئی ہو۔(۱۰۳)

(ii) قدیم اکادی حوالہ ۔

۱- بیلن (بیضوی) شکل کے مہروں میں "مالوہ زبان" کی تشریح بیان کی گئی ہے اس کے علاوہ مختلف شخصیات کے ناموں کا بھی ذکر ہے
۲- ماگان اور مالوہا سے آئے ہوئے جہاز اکاد بادشاہ سارگان کے بندرگاہ پر لنگرانداز ہوتے ہیں۔
۳- نرم سین کی روایت کی بنیاد پر سارگان آف اکاد ماگان اور مالوہا کی فتح کا ذکر کرتے ہیں۔
۴- اگاد (Agade) کی بددعا میں تحریر ہے "مالوہا کے لوگ کالے پہاڑوں میں رہتے ہیں اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

۱- اس کے بعد وہ مالوہا کی سرزمین کی طرف مرجعت کر گئے
۲- اپسو (Apsu) کے بادشاہ انکی نے اس کی قسمت کا فیصلہ کیا
۳- کالی سرزمین، تمہارے درخت تناور ہوں، تمہارے جنگلات شیشم کی درختوں سے سرسبز و شاداب ہوں۔

(ب) انکی اور سہر سگ (Ninhursag)، ارورژن

۱- تکرس (Takris) کی زمین ہو
۲- (تبادلہ کی صورت میں آپ پر نچھاور کروں) دریا کے کناروں کا سونا
۳- Lapis Lazuli کے تبادلے کی صورت میں
۴- مالوہا کی زمین ہو
۵- قیمتی عقیق سرخ سے لدے ہوئے
۶- میدانوں سے M-esu کی لکڑیاں
۷- بہترین Abba کی لکڑیاں بڑے جہازوں تک۔(۱۰۶)

یاد رہے کہ قدیم دور میں وادی سندھ میں بسنے والوں کو میدانی علاقوں کے لوگ کہتے تھے۔ جبکہ مکران کے لوگوں کو پہاڑی علاقوں میں رہنے والے لوگوں کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا کہ سُتگگیس ڈور کے باسیوں کو میدانی علاقوں کے لوگ جو کہ پہاڑوں میں رہتے تھے، کہا جاتا تھا۔ شاید یہ ان لوگوں کا ذکر ہو جو کہ ان لکڑیوں کو بڑے بڑے جہازوں میں بھرنے کے ذمہ دار تھے اور یہ لکڑیاں وادی سندھ سے حاصل ہوتی تھیں انہیں سُتگگیس ڈور تک لایا جاتا تھا اور یہاں سے بڑے بڑے جہازوں میں بھر کر انہیں آگے بھیجا جاتا ہو۔ اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ افغانستان سے لائے گئے قیمتی عقیق کا ذکر بھی اسی کالم میں کیا گیا ہے۔ اگر دساور سے منگوائے گئے مختلف اشیاء کو ایک جمع کرنے اور انہیں اسی مقام سے قدیم بابل کی سلطنت میں بھیجنے کے حوالوں کو ذہن میں رکھا جائے تو اس کے لئے سُتگگیس ڈور ہی ذہن میں آتا ہے جہاں ان اشیاء کو مجتمع کر کے ساحل مکران (ہرمز کے راستے) سے آگے بابل کی طرف بھیجا جاتا تھا۔ یہ امر مسلم ہے کہ مکران میں گوادر سے لے کر وادی سندھ تک کے علاقوں کو مالوہا کے نام سے پکارا جاتا تھا۔

اسی طرح ایک سرخ رنگ کا کتا بھی مالوہا سے بادشاہ ٹابی سن (T-bbi-sin) کو بطور نذرانہ پیش کیا گیا۔ اس سے نسل کشی کی گئی اور اس کا ایک بچہ نانا (Nanna) کے مندر میں بطور تحفہ دیا

گیا۔ اس کتے کا نام انہوں نے ''وہ کاٹتا ہے'' رکھا گیا۔ اس کے علاوہ مالوہا کے بلیوں کا ذکر بھی اس دور کے حوالے سے موجود ہے۔ اس طرح لپشر (Lip-sur) کے آثار میں درج ہے کہ مالوہا Carnelian کا مرکز ہے اور ماگان تانبے کا مرکز ہے۔(۱۰۷)

اسی طرح ارک (Uruk) کے بادشاہ اردانینی (Irdanene) کے حوالے سے منسوب ایک سال کے متعلق رقم ہے کہ مالوہا سے موتیاں لائی گئی ہیں۔

مالوہا سے اشورین، اکادین اور بابلی بادشاہوں کو مختلف ادوار میں بھیجی گئی اشیاء کی تفصیل درج ذیل ہے:

(الف) قیمتی اور نیم قیمتی پتھر جن میں Carnelian, Lapiz Lazuli اور قیمتی موتیاں شامل ہیں۔

(ب) لکڑیاں اور پھل جن میں Gi-s-ab-ba- Meluh-ha میوا اور تازہ کھجوریں

(ج) جانور جن میں پرندے، کتے اور بلیاں شامل ہیں۔

(د) دھاتیں جن میں تانبا اور سونا شامل ہے

(و) اور دیگر اشیاء، مثلاً جہاز جو کہ مالوہا کے نمونے پر بنائے گئے، فرنیچر اور نقش نگار والے پرندے۔

یاد رہے کہ ان تحریروں میں اس بات کا تذکرہ موجود نہیں ہے کہ عراق سے کوئی شے مالوہا (مکران) بھجوائی گئی ہو۔ ہوسکتا ہے کچھ اشیاء وہاں سے مکران کے خطے میں بھی بھجوائی گئی ہو مگر ان کا ذکر کرنا انہوں نے مناسب نہ سمجھا ہو۔(۱۰۸)

عراق میں پائے جانے والے چوکور مہریں اس بات کا ثبوت ہیں کہ وادی سندھ کی تہذیب کے عراق کے ساتھ تجارتی روابط تھے۔ خاص کر ایک سینگ والا دیو مالائی جانور Unicorn جو کہ وادی سندھ میں پائے جانے والی مُہروں کا نمائندہ علامت ہے۔ یونی کورن عراق سے دریافت ہونے والی بہت سی مہروں میں پایا گیا۔ اسی طرح ھما (Hama) جن کا دور دو ہزار سے انیس سو پچاس قبل مسیح پر محیط ہے، اس دور میں ایک ایسی بیلن دریافت ہوئی ہے جو کہ سفید پتھر سے بنایا گیا تھا۔ اس پر بڑی بڑی آنکھوں والے بیل کی تصویر موجود ہے جو کہ کلی کلچر کی نشاندہی کرتا ہے کیوں کہ بڑی آنکھیں رکھنے والے بیلوں کے اشکال وادی سندھ کے کسی بھی علاقے میں نہیں پائے گئے، ماسوائے کلی کے۔ جس سے مکران کی قدیم ثقافت کا عراقی کلچر سے روابط کا سراغ بھی ملتا ہے۔(۱۰۹)

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

۴-ایضاً صفحہ نمبر ۲۵ ۵-ایضاً صفحہ نمبر ۲۵ ۶-ایضاً صفحہ نمبر ۳۱

7- Besenval R. and Marquis P. (1991) Excavation in Miri Qalat (Pakistani Makran), Results of the field season (1990) In South Asian Archaeology 1991. Gail A.J. , and Mevissen G.J.R. eds. Franz Steiner Verlag Stüttgart. pp31-48

۸-ایضاً صفحہ نمبر ۳۴ ۹-ایضاً صفحہ نمبر ۳۵ ۱۰-ایضاً صفحہ نمبر ۳۶ ۱۱-ایضاً صفحہ نمبر ۳۷
۱۲-ایضاً صفحہ نمبر ۳۸ ۱۳-ایضاً صفحہ نمبر ۳۷ ۱۴-ایضاً صفحہ نمبر ۳۷-۳۸ ۱۵-ایضاً صفحہ نمبر ۴۴
۱۶-ایضاً صفحہ نمبر ۴۴ ۱۷-ایضاً صفحہ نمبر ۴۴ ۱۸-ایضاً صفحہ نمبر ۴۵ ۱۹-ایضاً صفحہ نمبر ۴۰
۲۰-ایضاً صفحہ نمبر ۴۱ ۲۱-ایضاً صفحہ نمبر ۴۱ ۲۲-ایضاً صفحہ نمبر ۴۱ ۲۳-ایضاً صفحہ نمبر ۴۵-۴۶

24- Besenval Roland (2000) New Data for the Chronology of the protohistory of Kech-Makran (Pakistan) from Miri Qalat 1996 and Shahi Tump 1997 field seasons In "South Asian Archaeology" Taddei, M. and De Marco G. eds. Rome, Istituto Italiano Per L' Africa E L' oriente. pp 161-187

۲۵-ایضاً صفحہ نمبر ۱۶۱ ۲۶-ایضاً صفحہ نمبر ۱۶۲ ۲۷-ایضاً صفحہ نمبر ۱۶۴ ۲۸-ایضاً صفحہ نمبر ۱۶۵
۲۹-ایضاً صفحہ نمبر ۱۶۵ ۳۰-ایضاً صفحہ نمبر ۱۶۷ ۳۱-ایضاً صفحہ نمبر ۱۶۷ ۳۲-ایضاً صفحہ نمبر ۱۶۷
۳۳-ایضاً صفحہ نمبر ۱۶۹ ۳۴-ایضاً صفحہ نمبر ۱۷۰ ۳۵-ایضاً صفحہ نمبر ۱۷۰ ۳۶-ایضاً صفحہ نمبر ۱۷۱
۳۷-ایضاً صفحہ نمبر ۱۷۳ ۳۸-ایضاً صفحہ نمبر ۱۷۳ ۳۹-ایضاً صفحہ نمبر ۱۷۶ ۴۰-ایضاً صفحہ نمبر ۱۷۷

41- Besenval R. and Desse J. (1995) Around or Lengthwise? Fish Cutting-up areas on the Baluchi Coast (Pakistani Makran). The Archaeological Review 4/1-2. pp 133-149

42- Besenval (2000) opt. p 184

۴۳-ایضاً صفحہ نمبر ۱۸۵ ۴۴-ایضاً صفحہ نمبر ۱۸۵تا۱۸۶

45- Dales George F. (1979) The Balakot Project: Summary of four years Excavation in Pakistan. In "South Asian Archaeology 1977" Taddei M. ed. Naples pp 241-273

۴۶-ایضاً صفحہ نمبر ۲۵۰ ۴۷-ایضاً صفحہ نمبر ۲۵۲ ۴۸-ایضاً صفحہ نمبر ۲۵۳

49- Meadow R.H. (1979) Prehistoric Subsistance at Balakot: in initial Consideration of the Faunal Remains In " South Asian Archaeology" 1977; Taddei Med Naples pp 275-315

50- Dhrante Silvio (1979) Marine Shells from Balakot, Shahr-i-sokhta and tape Yahya: Their significance for trade and Technology in Ancient Indo-Iran In "South Asian Archaeology 1977" Taddei M. ed Naples 1979. pp 317-334

۵۱-ایضاً صفحہ نمبر ۳۲۰ ۵۲-ایضاً صفحہ نمبر ۳۲۱ ۵۳-ایضاً صفحہ نمبر ۳۲۳

54- Deles G.F. (1979) opt. p 258

۵۵-ایضاً صفحہ نمبر ۲۶۰ ۵۶-ایضاً صفحہ نمبر ۲۶۶

57- Franke-Vogt, U. (1995) Reopening Research on Balakot: A Summary of Perspectives and first results. In "South Asian Archaeology 1995. Allchin. R, and Allchin B. eds. Oxford and IBH Publishing Co. pvt. Ltd. New Delhi pp 217-235

58- Dales G.E. & Lipo C.P.(1992) Explorations of the Makran Coast Opt. p 134

۵۹-احمد، نگہت (۱۹۸۹)، تاریخ پاکستان، قدیم دور، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، صفحہ نمبر ۲۷۹

60- Dales G.F. and lipo C.P. (1992) opt. p 147

۶۱-ایضاً صفحہ نمبر ۱۴۷ ۶۲-ایضاً صفحہ نمبر ۱۴۷ ۶۳-ایضاً صفحہ نمبر ۱۴۸

۶۴-بلوچ، ملک محمد سعید (۱۹۷۱)، بلوچستان ماقبل تاریخ، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ، صفحہ نمبر ۸۹-۹۰

65-Stein, Sir Aurel (1931) An Archaeological Tour in Gedrosia. Central Publication Branch, Government of India Calcutta. pp 60-71

۶۶-ایضاً صفحہ نمبر ۶۳ ۶۷-ایضاً صفحہ نمبر ۶۳-۶۴ ۶۸-ایضاً صفحہ نمبر ۶۴

۶۹-ایضاً صفحہ نمبر ۶۵ ۷۰-بلوچ، ملک سعید دہوار، (۱۹۷۱) صفحہ نمبر ۸۹

71- Stein, Sir Aure L (1937) Archaeological reconnaissances in north-western India and south eastern Iran. London p113

72- De Cardi Beatrice (1970) Excavations at Bampur A third Millennium Settlement in Persian Baluchistan. 1966. vol. 51 part 3, Anthropological Papers of the American Museum of natural history N.Y. pp 237-346

۷۳-ایضاً صفحہ نمبر ۲۵۳ ۷۴-ایضاً صفحہ نمبر ۲۵۸ ۷۵-صفحہ نمبر ۲۵۸

76-Stein, Sir Aurel. (1937) opt pp 161-162

77-De Cardi B. (1970) opt. p264

۷۸-ایضاً صفحہ نمبر ۲۶۴ ۷۹-ایضاً صفحہ نمبر ۲۶۴

۸۰-ملک محمد سعید بلوچ (۱۹۷۱)، بلوچستان ماقبل تاریخ، صفحہ نمبر ۸۰-۸۱

81- Piggott Stuart (1950) Prehistoric India. Baltimore; Pengiun. pp 98-112

۸۲--ایضاً صفحہ نمبر ۱۰۰ ۸۳-احمد، نگہت (۱۹۸۹)، تاریخ پاکستان قدیم دور۔ صفحہ نمبر ۲۲۸

84- Stein, Sir Mark Aurel (1931) Archaeological Tour in Gedrosia op pp 104-111

۸۵-نگہت احمد۔ ایضاً صفحہ نمبر ۲۲۶ ۸۶-نگہت احمد۔ ایضاً صفحہ نمبر ۲۲۶

87- Possehl, Gregory L. (1986) Kulli: An Exploration of ancient civilization in Asia. Carolina Academic Press, Durham, North Carolina p -13

۸۸-ایضاً صفحہ نمبر ۱۳ ۸۹-ایضاً صفحہ نمبر ۱۳ ۹۰-احمد، نگہت، صفحہ نمبر ۲۳۵ ۹۱-ایضاً صفحہ نمبر ۲۲۷

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

دستاویزات اس بات پر متفق ہیں کہ کوروش تین سال تک سلطنت ماد سے برسرپیکار رہا۔ شروع میں اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا مگر بعد کی جنگوں میں پسا گرد کے لوگوں کو فتح نصیب ہوئی۔ اور آخر کار سن ۵۵۰ قبل مسیح میں ماد سلطنت کا دارالحکومت اکباطنہ (Ecbatana) بھی کوروش کے ہاتھ آیا۔ ماد کا بادشاہ استیگس کو قیدی بنا دیا گیا۔ ہیروڈوٹس اس ضمن میں تحریر کرتے ہیں کہ مادی سلطنت کے شکست کی وجہ ھرپاگس کی بے وفائی تھی کیوں کہ وہ موقع کی تلاش میں تھا کہ کس طرح وہ بادشاہ سے اپنی ذلت کا بدلہ لے سکے لہذا استیگس کو اس کے اپنے سپاہیوں نے گرفتار کر کے کوروش کے سامنے پیش کیا۔ کوروش استیگس سے اچھی طرح پیش آیا اور اس کی جان بخشی کی۔ استیگس اپنی زندگی کے آخری دور میں پسا گرد ہی میں رہا۔ ماد کو شکست دینے کے بعد کوروش پورے ایران کا بادشاہ بن گیا اور اس کے بعد اس نے ایشیا کوچک کے مالدار سلطنت لیڈیا (Lydia) کی طرف توجہ دی۔

کوروسس (Croesus) جو کہ لیڈیا کا بادشاہ تھا انہوں نے بابل اور مصری بادشاہوں سے پارسیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مدد طلب کی لیکن کوروش اس کے لئے تیار تھا اور انہوں نے پیٹریا (Pteria) پر اچانک حملہ کر کے اس کو فتح کر لیا۔ اور کوروس کی سرمائی دارالحکومت سارڈس (Sardis) پر ہلہ بول دیا۔ جب کوروس نے دیکھا کہ میدان اس کے ہاتھ سے نکل رہا ہے تو اس نے دوبارہ بابلی بادشاہوں سے مدد طلب کی اس کے علاوہ انہوں نے یونان کے اسپارٹن کو بھی مدد کے لئے بلایا۔ اس سے پہلے کہ اسپارٹن اس کی مدد کو پہنچتے، سارڈس کا علاقہ سن ۵۴۶ ق م میں کوروش کے ہاتھ آیا۔ یونانی وقائع نویسوں کے مطابق کوروش لیڈیا کے بادشاہ کوروس کے ساتھ بھی رحم دلی سے پیش آیا اور اس کی جان بخشی کی۔ اگرچہ بابلی دستاویزات میں ذکر ہے کہ اس کو قتل کیا گیا۔

سقوط سارڈس کے بعد یونانی شہروں میں کھلبلی مچ گئی اور انہوں نے یکے بعد دیگرے اپنے سفراء کوروش کے دربار میں بھیجے اور ان سے ان ہی کے شرائط پر صلح کرتے رہے جیسا کہ وہ اس سے پہلے لیڈیا کے حکمرانوں کے ساتھ کر چکے تھے۔ کوروش ان کی مکمل تابعداری چاہتا تھا۔ لیکن اس نے میلیٹس (Miletus) کے سمندری گزرگاہ کے معاملے میں فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کی خودمختاری کو تسلیم کیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے کاریا (Caria)، لیسیا (Lycia) کو کوروش کے سپہ سالار فتح کرتے چلے گئے اور انہیں عظیم تر ایرانی سلطنت میں شامل کرتے گئے۔

مغرب کو فتح کرنے کے بعد کوروش نے ایران کی مشرقی سرحدوں کی طرف توجہ مرکوز کی۔ انہوں نے سن ۵۴۶ ق م سے ۵۴۰ ق م تک فارس کے مشرقی سرحدوں کو بھی اپنے قلم رو میں شامل کیا۔ اس طرح مکران کا خطہ بھی فارس کے عظیم سلطنت کا حصہ بنا۔ اس کے بعد کوروش نے اپنی توجہ

عظیم بابلی سلطنت کی طرف مرکوز کی۔ بابلی بادشاہ نبونیدس (Nabonidus) جو کہ اپنے ظلم و ستم کی وجہ سے بابلی رعایا میں کافی بدنام تھا، کوروش نے اسے سن ۵۳۹ ق م میں شکست دی۔ لوگوں نے خوشی سے بے قابو ہو کر شہر کے دروازے فاتح فوج کے لئے کھول دیئے۔ کوروش نے یہودیوں کو بابلی شکنجہ غلامی سے آزاد کروا کر انہیں ان کے آبائی ملک یوروشلم میں دوبارہ آباد کرایا اور انہیں اپنے معبد دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت دی۔

کوروش کی موت ۵۳۰ ق م میں واقع ہوئی جب وہ وسط ایشیا کے خانہ بدوشوں کے ساتھ لڑائی میں مصروف تھے۔ اس کی لاش کو پسا گرد لایا گیا اور اسے عزت و احترام سے دفن کیا گیا۔ اس کے قبر پر یونانی مورخوں کے مطابق یہ نقش کیا گیا کہ

"یہاں سو رہے ہیں کوروش۔ بادشاہوں کے بادشاہ"۔ (۱)

کوروش کے مکران پر حملے کے متعلق سب سے اہم اور مستند ذریعہ ارائن کی "انابس" ہے۔ جس میں تحریر ہے کہ انہوں نے مکران پر ۵۴۶ سے ۵۴۰ قبل مسیح کے دوران حملہ کر کے اسے اپنے سلطنت کا حصہ بنایا تھا۔ لیکن ان کو یہاں کے شدید موسم نے شکست دی اور اس کی فوج کا ایک بڑا حصہ ان ہی حالات سے دوچار ہوا جس میں بعد کے دور میں مکران آنے والے ایک اور عظیم بادشاہ سکندر کو ہونا پڑا۔ اس ضمن میں کامل القادری رقم طراز ہیں کہ مشرق کی مہم میں اس نے بلوچستان، سیستان، آریانہ اور باختر کے علاقوں کو فتح کیا۔ اور کیمبرج ہسٹری آف انڈیا کے حوالے سے وہ آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "درنگیانہ زمانہ قدیم میں سیستان کو کہتے تھے۔ جس میں شمالی بلوچستان بھی شامل تھا۔ (۲)

کوروش کے بلوچستان پر حملوں سے کامل القادری اس نتیجے پر پہنچے "غرض، ہم کہہ سکتے ہیں کہ بلوچستان کوروش کے زمانہ میں سلطنت ایران کے اندر شامل ہوا۔ البتہ یقینی طور پر نہیں بتا سکتے کہ اس سلطنت کی مشرقی سرحدیں کہاں ختم ہوتی تھیں"۔ (۳)

کوروش کے بعد ہخامنشی خاندان کا دوسرا بڑا بادشاہ دارا اول (پیدائش ۵۵۰ ق م) گستاسپ (Hystaspes) کا بیٹا تھا اس لئے اسے عموماً دارا گستاسپ لکھا جاتا ہے۔ وہ اپنے متعلق تحریر کرواتے ہیں کہ ہم اس لئے ہخامنشی کہلواتے ہیں کہ عرصے سے ہمارے خاندان میں بادشاہ چلے آئے۔ میرے خاندان میں آٹھ بادشاہ آئے اور میں نویں نمبر پر ہوں۔ اس کے اقتدار میں آنے کے شواہد کافی پیچیدہ ہیں، کہتے ہیں کہ اٹھائیس سال کی عمر میں وہ کمبے سس دوئم؟ (Cambyses) کی فوج میں محض ایک سپاہی تھا۔ کمبے سس کی وفات کے بعد جب

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

(Chorasmains) بھی تھے۔ یہ کثیر الاقوامی فوج زیادہ تر پیادہ تھی لیکن ان میں گھڑ سوار دستہ بھی تھے اس کے علاوہ کچھ لوگ رتھ جنہیں گھوڑے اور جنگلی گدھے کھینچتے تھے، پر بھی سوار تھے۔ اس طرح آگے چل کر ہیروڈوٹس لکھتے ہیں کہ زرزیس کی فوج میں ان قوموں کی سپاہیاں بھی تھیں جو کہ اس سے پہلے اس کے والد کے دور میں اس کے ساتھ تھے۔ لہذا اس سے یہ بات ثابت ہے کہ زرزیس کے دور میں بھی ان مشرقی علاقوں پر ان کا غلبہ تھا۔(۸)

اسی طرح Etesias کے حوالے سے آئی اینچ قریشی رقم طراز ہیں کہ اردشیر دراز دست Artaxerxes II (۴۰۵ تا ۳۵۸ قبل مسیح) کو وادی سندھ اور مکران سے بڑے بڑے تحائف پیش کئے جاتے رہے۔ یہاں تک کہ دارا سوئم کے دور میں بھی، جب وہ یونانیوں سے نبرد آزما تھے اس کی فوج میں یہاں کے مقامی باشندے شامل تھے۔(۹)

مکران اہل یونان کی نظر میں

بحیرہ عرب کو اہل روم Mare Erythraeum یعنی Erythraean sea کے نام سے پکارتے تھے۔ جو کہ بحر ہند کا شمال مغربی حصہ ہے۔ یہ سمندر یورپ اور ایشیا کے درمیان اہم بحری گزرگاہ تھا۔ ساحل مکران اس سمندر کے شمال مغربی سمت میں واقع ہے جو کہ کراچی سے لے کر بندر عباس تک پھیلا ہوا ہے۔ اس اہم جغرافیائی محل وقوع کی وجہ سے ساحل مکران اور اہلیان مکران اہل یونان کے وقائع نویسوں کے لئے توجہ کا مرکز بن گئے اور ان کی تحریروں کے توسط سے ہمیں مکران کے اصل باشندوں کی بود باش اور طرز رہائش کا حوالہ ملتا ہے۔ یہ بات یاد رہے کہ اہل یورپ کی اپنی نسلی برتری کو ثابت کرنے کی کوشش ان کی تحریروں میں واضح ہے۔ لیکن اس بات سے قطع نظر یہ نوشتہ پورتاثر ہی اس دور کے حوالے سے ہماری معلومات کا واحد ذریعہ ہیں اور ان سے صرف نظر کرنا علمی بددیانتی ہوگی۔ لیکن ان تحریروں کو من وعن قبول کرنے سے پہلے یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ کوئی بھی تہذیب اپنے ابتدائی مراحل میں ان ہی حالات سے گزر کر ترقی کے منزلوں کو طے کر کے نام نہاد تہذیب کے اعلیٰ وارفع منزل تک جا پہنچی۔ اس پر نادم ہونے کے بجائے فخر کرنی چاہیے کہ اس زمانے کے نامساعد حالات میں ساحلی باشندوں نے جینے کے لئے کیسے منفرد طریقے ایجاد کئے۔

ماہی خوران (Ichthyophagi)

اہل یونان کے مطابق مکران کے قدیم باشندے چار فرقوں (گروہوں) میں منقسم تھے(۱۰)

پہلا گروہ دریائی باشندے تھے جو کہ دریاؤں کے کنارے آباد تھے۔ ان کی گزر بسر کھیتی باڑی سے ہوتی تھی یہ لوگ باجرہ اور تل اگایا کرتے تھے۔

دوسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جو کہ ان دریاؤں کے نشیبی علاقوں میں رہتے تھے جہاں سمندر اور دریا باہم مل کر میدانی علاقوں کے برعکس دلدلی ماحول بناتا ہے۔ اس قسم کے Ecosystem میں گل (ایک چوڑے پتوں والا لمبا گھاس جو کہ گھر اور گھروں کے چھت بنانے میں استعمال ہوتا ہے، اس کا نباتاتی نام Typha angustifolia ہے اور اس قسم کے دیگر اقسام کے پودے اگا کرتے ہیں۔ دلدلی زمین کھیتی باڑی کے لئے موزوں نہیں ہوتے لہذا ان لوگوں کا گزر بسر گل، تمر (Mangroves) اور دوسرے پودوں پر ہوتی تھی۔ وہ انکے کونپلوں کو بطور خوراک استعمال کرتے تھے۔(۱۱)

موجودہ دور میں دریائے دشت کا نشیبی علاقہ جہاں دشت کور اور سمندر باہم مل جاتے ہیں اس قسم کے بود باش کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

تیسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جن کی زندگی کا دارومدار گلہ بانی پر تھا۔ یہ لوگ خانہ بدوش تھے اور ان کا کوئی مستقل ٹھکانہ نہ تھا بلکہ یہ چراگاہوں کی تلاش میں ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے رہتے تھے۔ ان کی گزر بسر دودھ اور اور گوشت پر ہوتی تھی۔

چوتھا اور اہم گروہ ان لوگوں پر مشتمل تھا جو کہ سمندری غذاؤں پر انحصار کرتے تھے یعنی یہ لوگ ماہی خور تھے۔ یونانیوں نے ان کو Ichthyophagi کا نام دیا تھا۔ ان لوگوں کے متعلق کہا جاتا تھا کہ یہ تمام ساحل مکران میں پھیلے ہوئے تھے اور ان کی زندگی کا دارومدار مچھلیوں کی شکار پر تھا۔(۱۲)

یونانی مورخوں کے مطابق مکران کے ساحلی باشندے اہل فارس کے زیر اثر تھے۔ کیونکہ کورش اعظم (Cyrus the Great) کے زمانہ ۵۹۰ تا ۵۳۰ قبل مسیح، مکران کا علاقہ پرشین ایمپائر کا ایک صوبہ تھا۔(۱۳)

ماہی خوروں کا طریقہ شکار انتہائی سادہ تھا۔ وہ ساحل سمندر پر ایک گھڑا کھودتے تھے اور مدوجزر کے وقت جب سمندر ساحل کے قریب آتا تھا تو سمندری پانی ان گھڑوں میں رہ جاتی تھی اور اس کے ساتھ آئے ہوئے مچھلیاں بھی ان گھڑوں میں پھنس جاتی تھیں۔ جب دن کے وقت سمندر میں اتھار آجاتا اور پانی پیچھے چلا جاتا تو یہ مچھلیاں ان گھڑوں میں رہ جاتی تھیں جن کو برچیاں مار مار کر ادھ موہ کر دیا جاتا تھا اور اس طرح وہ مچھلیوں کا شکار کر لیتے تھے۔ دوسرا طریقہ کسی حد تک

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

استعمال کرتے تھے۔ جب کوئی موت واقع ہوتی تو وہ لاش کو دفنانے کے بجائے سمندر کے کنارے رکھ دیتے تھے۔ مدوجزر کے وقت سمندر لاش کو بہا کر لے جاتا اور وہ لاش مچھلیوں کی خوراک بن جاتی۔

اگر اس نقطے پر غور کیا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ مقامی باشندے اپنے پیاروں کی لاشوں کو تحفۂ سمندر کی نظر کرتے تھے کہ یہ ایک طرح اس نعمت کا شکرانہ ہے جو کہ سمندر ان کو مچھلیوں کی صورت میں مہیا کرتا تھا۔ لیکن اس میں یہ نقطہ بھی قابل غور ہے کہ جو لوگ سمندر کے مزاج سے واقف ہیں انہیں معلوم ہے کہ سمندر کی لہریں جب ساحل سے ٹکراتے ہیں تو وہ سمندر میں پڑے ہوئے بے جان چیزوں کو ساحل پر تیزی سے خشکی کی طرف دھکیلتے ہیں یعنی سمندری لہریں ساحل پر پڑی ہوئی کسی بے جان کو اٹھا کر نہیں لے جاتے بلکہ اسے باہر کی طرف پھینکتے ہیں۔

ساحل مکران پر پائے جانے والے درختوں کے متعلق Strabo رقم طراز ہیں کہ اس علاقے میں کوئی خاص قسم کے درخت نہیں پائے جاتے سوائے چند کھجوروں کے پیڑوں کے (Phoenix dactylefera) کلیر (Capparus decidua) اور گز (Tamarix) کے جن کی ان علاقوں میں بہتات ہے۔(۱۶)

ساحل مکران کے قدیم باشندے اپنے مویشیوں کو بھی مچھلی کھلاتے تھے۔ لہذا جب یونانیوں نے ان کی مویشیوں کو بزور طاقت چھینا اور وہ جب ان کو کاٹ کر کھا گئے تو وہ کہتے تھے ان جانوروں کی گوشت میں بھی مچھلی کا ذائقہ ہوتا تھا۔

ساحل مکران کے لوگ گھروں کو بھی مچھلیوں کے ہڈیوں سے بناتے تھے۔ وہ بڑی بڑی مچھلیاں خاص کر وہیل (وہیل ممالیہ ہے اسے مچھلی کہنا درست نہیں) کی ہڈیوں سے جنہیں وہ بطور شہتیر استعمال کرتے تھے۔ جب وہیل کسی وجہ سے بیمار پڑ جاتے تو وہ ساحل کا رخ کرتے تھے تو لوگ انہیں کاٹ کر ان کا گوشت بطور خوراک استعمال کرتے تھے اور ان کی ہڈیوں کو جوڑ کر اپنا گھر تعمیر کرتے تھے۔ وہیل کی پسلیوں کی ہڈیوں سے وہ گھر کا چھت بناتے تھے اور ان کے جبڑوں کو بطور دروازہ استعمال کرتے تھے۔

گدروشیا

گدروشیا کے متعلق یونانی جغرافیہ دان Strabo رقم طراز ہیں کہ گدروشیا (موجودہ مکران) انڈیا کی بہ نسبت زیادہ گرم نہیں ہے اور یہاں پر کوئی خاص قسم کے پھل نہیں پائے جاتے اور پانی کی کمی ہے۔ یہ علاقہ ماہی خوروں کے ساحلی علاقے سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے۔ لیکن اس

ایک خاص بات یہاں پر بننے والے لوبان (سوچکی) ہے جو کہ اتنی زیادہ مقدار میں تیار ہوتا سکندر کے ساتھ آنے والے یونانی فوج کے سپاہیوں نے اس کو اپنے خیموں کو معطر رکھنے کی خاطر بے دریغ استعمال کیا۔

گدروشیا کے محل وقوع سے متعلق یونانی جغرافیہ دان Ptolemy لکھتے ہیں کہ گدروشیا کے مغرب میں Karmania (کرمان) اور شمال میں Drangiane (شمالی ایران) اور Arakhosia (افغانستان) جبکہ مشرق میں ہندوستان کی سرحدیں ملتی ہیں۔(۱۷)

Ptolemy کے بیان کردہ جغرافیائی محل وقوع کے مطابق گدروشیا صرف مکران ہی نہیں بلکہ پورا بلوچستان گدروشیا کہلاتا تھا۔ لہٰذا گدروشیا کو صرف مکران کے نام کے ساتھ جوڑنا صحیح نہیں ہے۔ اس کے مطابق گدروشیا کے حدود دریائے سندھ کے دہانے سے لیکر Cape Jask خلیج فارس تک پھیلے ہوئے تھے۔ اگرچہ Ptolemy مکران کے عظیم ساحلی پٹی کے بیشتر حصے کو کرمان کے ساتھ جوڑتے ہیں اس کے برعکس Arrian گدروشیا کو صرف اندرون مکران کا حصہ بتاتے ہیں۔ Arrian کے اس ضمن میں بیان کردہ معلومات کو علیحدہ سے سکندر اعظم کے سفرنامہ میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

سکندر اعظم اور مکران

سکندر اعظم (۳۵۶ تا ۳۲۳ قبل مسیح) مقدونیہ کا بادشاہ تھا۔ جنہوں نے جنوب مغربی ایشیا، مصر اور عظیم پرشین سلطنتوں کو اپنا مطیع بنایا تھا۔ وہ پیلا (Pella) میں سن ۳۵۶ قبل مسیح پیدا ہوئے۔ وہ ارسطو کے شاگرد تھے۔ سکندر اس زمانے میں پیدا ہوئے جب یونان کے چھوٹے راجواڑے آئے دن ایرانی حملوں کے زد میں رہنے کی وجہ سے ان کے تختہ مشق بنتے رہے۔ جب سکندر نے ہوش سنبھالا تو انہوں نے دیکھا کہ ایرانی کس طرح اس کے ملک کو پامال کرتے چلے آرہے تھے۔ جس کی وجہ مرکزی اتحاد کی کمی اور یونانیوں کی آپس میں لڑائی جھگڑے تھے۔ یونانیوں کی آپس کی اس ناچاقی نے سکندر کو رنجیدہ کر دیا۔ اس نے سب سے پہلے نہ صرف اپنی بکھری ہوئی قوم کو آپس میں اکھٹا کیا بلکہ ان میں ایک ایسی روح پھونکی کہ وہ ایرانی حملہ آوروں کے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوئے۔ اس بات کا ثبوت وہ خط ہے جو انہوں نے ایران کے آخری ہخامنشی بادشاہ دارا سوئم کو بھیجا کہ "تمھارے آباواجداد آئے دن مقدونیہ اور یونان کے دیگر ریاستوں پر حملہ کرتے چلے آئے اور بغیر کسی اشتعال کے ہمیں تباہ و برباد کرتے رہے۔ ان

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

نیرکس (Nearchus) اور اونیسکراٹس (Onesicritus) کے زیر کمان دے کر اس بحری ڈویژن کو ساحل کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے کا حکم دیا۔(۲۱)

فوج کو تین حصوں میں منقسم کرنے کے بعد سکندر کراچی سے اندرون مکران کے سفر پر روانہ ہوئے۔ کراچی کے بعد سکندر نے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ دریائے ارابس (Arabis) کے قریب پڑاؤ ڈال دیئے۔ ارابس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ موجودہ دور کا پورالی ندی ہے جو لسبیلہ کے قریب واقع ہے۔ ارائن اور اسٹرابو کے مطابق دریا سندھ کے دہانے سے ارابس تک کا فاصلہ تقریباً ہزار سٹیڈیا (1000 Stadia) ہے۔ ایک میل میں ۱۶ اسٹیڈیا ہوتے ہیں۔ ارائن کے مطابق Arabis دریا کے دہانے پر ایک چھوٹا سا جزیرہ پایا گیا۔ جس سے ممکن ہے کہ یہ سونمیانی کا علاقہ ہو، کیوں کہ پورالی دریا سونمیانی کے قریب جا کر سمندر میں گرتا ہے۔ نیرکس اسی جگہ پہنچ کر سکندر اعظم سے ملا۔ اس علاقے میں دریا کے موجودگی کے باوجود پانی کی شدید کمی پائی گئی اور سکندر کے فوجیوں کو پانی کے حصول کے لئے کنویں کھودنے پڑے۔ ارائن کے بیان سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ یہاں کوئی قبیلہ آباد تھا اگرچہ وہ لکھتے ہیں کہ اس علاقے میں سمندری کھاڑی کا دہانہ کافی وسیع ہے لیکن غیر آباد ہے یہاں پر انہیں سمندری گونگے کافی بڑی تعداد میں ملے جن سے انہوں اپنے پیٹ کی آگ بجھائی۔(۲۲)

آگے چل کر ارائن اس بات کا ذکر ضرور کرتے ہیں کہ اس علاقے میں Arabitians جو کہ دریا سندھ کے دہانے سے لیکر دریا ارابس (Arabis) کے قرب و جوار میں رہتے تھے۔ جب ان مقامی باشندوں کو سکندر کے لشکر کے متعلق پتہ چلا تو وہ اپنے علاقے چھوڑ کر اندرونی علاقوں کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے۔ سکندر نے ان کا پیچھا کرنا مناسب نہیں سمجھا اور بغیر لڑے یہ علاقے سکندری فوج کے ہاتھ لگے۔ اگرچہ ان علاقوں سے سکندر کو کوئی خاص مالی فائدہ نہیں ہوا اور نہ ہی ارائین کے تذکرے میں اس بات کا کوئی خاص ذکر ہے۔

بعض یونانی مورخ مثلاً Marcian اور Ptolemy نے اس دریا کے قریب دو شہروں کا تذکرہ کیا جنہیں انہوں نے Persis اور Rhaprava کہا۔ اصل میں Marcian نے لاعلمی میں گدروشیا کے دارالحکومت پورا کو Persis کہا جو اس علاقے سے کوسوں دور ہے۔ پورا سے مراد پسنی کا شہر ہے۔(۲۳)

ارابس (Arabis) سے گزر کر سکندر کا لشکر Pagala نامی علاقے جو کہ اول الذکر شہر سے ساڑھے بارہ میل کے فاصلے پر واقع تھا میں پڑاؤ ڈالا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ علاقہ سمندر کے قریب واقع

قرب و جوار میں پانی وافر مقدار میں مہیا تھا۔ Pagala میں رات گزارنے کے بعد سکندر نے ساحلی راہ اختیار کر لی جبکہ نیرکس کے زیر کمان بحری بیڑہ سمندر کے راستے ۱۹ میل چلنے کے بعد Kabana کے علاقے میں سرشام پہنچا۔ رتیلی ساحل ہونے کی وجہ سے سکندر کے کشتیوں کو لنگر انداز ہونے میں دشواری پیش آئی۔ اس کے علاوہ شمال مشرق سے آنے والی ہواؤں کے تیز جھکڑ بھی ان کی دشواریوں میں مزید اضافے کا سبب بنتے گئے۔ یاد رہے کہ یہ نومبر کا سرد مہینہ تھا جس میں سمندر اس قدر سرکش نہیں ہوا کرتا جتنا کہ گرمیوں کے مہینوں میں ہوا کرتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یونانی لشکر کو لنگر انداز ہونے میں دقت پیش آئی۔(۲۴)

سکندر نے لشکر کو آدھی رات کے وقت اس مقام سے کوچ کرنے کی ہدایت کی اور اگلے دن صبح کے وقت وہ Kokala نامی علاقے میں پہنچ گئے یہ علاقہ Kabana سے بارہ میل کے فاصلے پر واقع تھا۔ سکندری بحری بیڑہ کو یہاں بھی لنگر انداز ہونے میں دشواری کا سامنا کرنا پڑا اور انہیں اپنی کشتیوں میں ہی پناہ لینا پڑا۔ وہ تقریباً دو دن تک ان کشتیوں میں رہے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ کسی بھی طور پر آرام دہ نہ تھے بلکہ ان کے اندر اتنے بڑے لشکر کو سکڑ سکڑ کر بیٹھنا پڑتا تھا۔ وہ یہ تمام تکلیفات صرف ''سکندری انا'' کے خاطر جھیل رہے تھے۔ اب تک سکندری فوج کو سوائے پانی کے کسی بھی طرح کا کوئی سامان ہاتھ نہ آیا بلکہ وہ اب تک اسی راشن پر گزارہ کر رہے تھے جو وہ اپنے ساتھ سندھ کے وادیوں سے لائے تھے جو کہ ختم ہونے کے قریب تھا۔(۲۵)

اس علاقے میں سکندر کی فوج کو ایک اور قبیلے کا سامنا کرنا پڑا جس کو مورخوں نے Oreitae کے نام سے تحریر کیا۔ اورٹی قبیلہ جو کہ دریائے پورالی کے مغربی کنارے پر آباد تھے، انہوں نے سکندر کی فوج کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا۔ کہتے ہیں کہ اس جنگ میں اورٹی قبیلے کے چھ ہزار افراد نے وطن کی حفاظت کی خاطر لڑتے ہوئے جام شہادت نوش کیا۔ یونانی مورخین نے سکندری لشکر کی مرنے والوں کی تعداد انتہائی کم بتائی۔ ان کے مطابق سکندری لشکر کے تقریباً پندرہ افراد قتل ہوئے۔ William Vicent رقم طراز ہیں کہ یونانی مورخین نے اتنی کم تعداد اس لئے بتائی کہ ان پندرہ افراد کا تعلق مقدونیہ سے تھا (ممکن ہے کہ وہ سکندری فوج کے اعلیٰ افسر تھے) جو کہ یونانی مورخوں کے لئے قابل توجہ تھے۔ یاد رہے کہ سکندری فوج میں نہ صرف یونانی تھے بلکہ انہوں نے مقامی سطح پر بھی کافی فوج اکھٹا کی تھی لیکن چونکہ ان کا تعلق ہندوستان سے تھا اس لئے یونانی ان ہندوستانیوں کی اموات کو کسی بھی طور پر جگہ دینے کے لئے تیار نہ تھے اور یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اس قدر شدید لڑائی میں اپنی فوج کے مرنے والوں کی اتنی کم تعداد بیان کیا تھا۔(۲۶)

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

ہتھیار بھی ہندوستانیوں جیسے تھے۔ لیکن وہ علیحدہ زبان اور رسم ورواج کے مالک تھے جو کہ اہل ہند سے کسی بھی صورت میں میل نہیں کھاتا۔

اورٹی قوم کو تہہ تیغ کرنے کے بعد سکندر کی فوج اندرونی علاقہ یعنی گدروشیا کی طرف روانہ ہوئی جبکہ نیرکس کا گرابی سنگار (بحری بیڑہ) ساحل کے ساتھ ساتھ روانہ ہوا جہاں ان کا ٹکراؤ ماہی خوروں سے ہوا جو کہ ساحل مکران میں زمانہ قدیم سے آباد تھے۔

ماہی خوران (Ichthyophagi) کے بارے میں اس باب کے شروع میں کافی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ ہم ان علاقوں کا سرسری جائزہ لینگے جہاں پر ماہی خور آباد تھے۔

راس میلان سے لیکر راس جاسک (جاشک) تک تقریباً چار سو پچاس میل پر مشتمل ساحلی علاقہ ماہی خوروں کی آبادی پر مشتمل تھا۔

ایڈورڈ باربوسا (Edward Barbosa) جو کہ پرتگیزی جہازراں تھا اور انہوں نے ۱۵۱۹ء میں ساحل مکران کا دورہ کیا۔ ساحل پر بسنے والے بلوچوں کے متعلق وہ رقم طراز ہیں کہ یہاں پر چند بندرگاہیں ہیں جو کہ جہاز رانی کے قابل ہیں۔ اناج اور مویشی انتہائی قلیل مقدار میں پائے جاتے ہیں اور تمام علاقہ نخلستی اور صحرا پر مشتمل بے آب وگیا ہے۔ ساحل پر بسنے والے لوگوں کی زندگی کا دارومدار مچھلی پر ہے جس کو نمک لگا کر سکھا دیا جاتا ہے اس کا کچھ حصہ بچا کر رکھ دیتے ہیں باقی بچے ہوئے سوکھی مچھلیوں کو کچا کھا جاتے ہیں۔ اس طرح وہ اپنے گھوڑوں اور مویشیوں کو بھی یہی سوکھی مچھلیاں کھلاتے ہیں۔ (۴۸)

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ دو ہزار برس گزرنے کے باوجود ساحل پر آباد لوگوں کی زندگی میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی تھی۔

دوسری جانب سکندر گدروشیا کی جانب رواں دواں تھے۔ سفر کی صوبتیں سکندر کی فوج کو نڈھال کر رہی تھیں اور پانی کی کمی کی وجہ سے سفر انتہائی سست روی کا شکار ہو رہا تھا۔ وہ عموماً رات کو سفر کرتے تھے کیوں کہ دن کے وقت دھوپ کی تمازت جسموں کو جھلسا دیتی تھی۔ عموماً صبح کے وقت جب وہ کہیں پانی ذخیرہ دیکھتا تھا تو وہ وہیں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیتا تھا۔ دوران سفر بھوک سے نڈھال ہو کر فوج مال برداری کے جانوروں کو کاٹ کر چٹ کر گئے اور بہانہ یہ بناتے تھے کہ یہ جانور پیاس سے نڈھال ہو کر مر گئے ہیں۔ اگرچہ سکندر اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اصل معاملہ کیا ہے لیکن وہ معاملہ فہم تھا اور اپنی فوج کی ان چھوٹی چھوٹی لغزشوں کو نظر انداز کرتا رہا۔

سکندر کی فوج کا خاصہ بڑا حصہ دوران سفر پیاس سے سسک سسک کر جان کی بازی ہار گیا۔ رات

سفر کے دوران کچھ سپاہی نیند کے ہاتھوں مجبور ہو کر سو گئے اور جب بیدار ہوئے تو انہوں نے اپنے آپ کو بیابان میں اکیلا پایا کیوں کہ انکے تمام ساتھی جا چکے تھے۔ بہت کم لوگ واپس سکندر کے لشکر میں آ کر شامل ہو سکے اور بہت سے لوگ صحرا میں بھٹک کر اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ اسی طرح مکران کے علاقوں کے متعلق صحیح معلومات نہ ہونے کی وجہ سے جب سکندری فوج نے ایک سوکھے نالے میں رات کے وقت پڑاؤ ڈالا تو رات کے اندھیرے میں اچانک طغیانی آئی اور اپنے ساتھ بہت سے سپاہیوں کو بہا کر لے گئی۔ سکندر خود بڑی مشکل سے جان بچانے میں کامیاب ہوا۔

سکندر عموماً اپنا پڑاؤ پانی کے چشمے سے دور لگا لیتے تھے کیونکہ پانی کو قریب پا کر سپاہی بے قابو ہو جاتے تھے اور وہ اس قدر پانی پیتے تھے کہ ان کا پیٹ پانی کی زیادتی سے پھول جاتا تھا اور وہ اپنی زندگیوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے۔ اس کے علاوہ مال برداری کے جانور بھی پیاس سے نڈھال ہوتے تھے لہذا پانی کو قریب پا کر جانور بے قابو ہو جاتے تھے اور کئی سپاہی اس طرح اپنے جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے تھے۔ پانی کی کمی کے علاوہ اور بھی ذرائع تھے جو کہ سپاہیوں کی ہلاکتوں کا سبب بن گئے۔ مثلاً ریت کے ٹیلے جس میں مال برداری کے جانور دھنس جاتے تھے اور اپنے ساتھ سپاہیوں کو بھی لیکر موت کے آغوش میں چلے جاتے تھے۔ زہریلے سانپ بھی سپاہیوں کے لئے موت کا پیغام لاتے تھے، یہ زہریلے سانپ ان علاقوں میں کثرت سے پائے جاتے تھے۔ ان سانپوں کی ڈسنے کی وجہ سے کئی سپاہی موت کا شکار ہوئے اور کئی بینائی سے محروم ہوئے اور اس کے ساتھ کئی سپاہی اپنا ہوش وحواس کھو بیٹھے۔ نامعلوم راستے بھی موت کا پیامبر ہوتے تھے۔ اگر کوئی فوجی دستہ راستہ بھٹک جاتا اور راستے سے دور نکل جاتا تو وہ موت کی وادی میں پہنچ جاتا۔ زہریلے پودے بھی ان سپاہیوں کے مشکلات میں اضافے کا سبب بن گئے۔ مثلاً گرک (آک)، جوڑ اور اس قسم کے دوسرے پودے جنہیں بھوکے جانور اپنی بھوک مٹانے کے لئے کھاتے تھے اس طرح بہت سارے جانوران پودوں کی وجہ سے ہلاک ہوئے اور ان کا بوجھ سپاہیوں کو اپنے کندھوں پر اٹھا کر لیجانا پڑا۔

سکندر اعظم کی فوج کو اسقدر نقصان کسی بھی جنگ میں نہیں ہوا جس قدر اسے اس سفر کے دوران مکران کے سفاک آب وہوا کے ہاتھوں اٹھانا پڑا۔ لیکن سکندر ایک ذہین اور معاملہ فہم بادشاہ تھا وہ اچھی طرح سے اس بات سے واقف تھا کہ کس طرح فوج کے مورال (حوصلے) کو بلند رکھا جا سکتا ہے۔ مثلاً اورٹی قبیلے کے ساتھ جنگ کے دوران اس کو پتہ چلا کہ انہوں نے اپنے تیروں کو ایک مخصوص قسم کے زہر میں بجھایا ہے، اس خبر سے فوج میں سراسیمگی پھیل گئی تو سکندر نے فوراً اس کا توڑ نکالنے کا اعلان کیا کہ اسے خواب میں بشارت ہوئی ہے کہ فلاں جڑی بوٹی کو اگر استعمال کیا

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

سے اپنے جغرافیہ کی کتابوں میں تحریر کیا۔ یہاں پر نیرکس کا بحری بیڑہ لنگر انداز ہوا تھا۔ گمان کیا جاتا ہے کہ سونمیانی کا میدانی علاقہ ایک جزیرہ نما کی شکل میں اس ھور میں داخل ہو کر یہاں پر ایک قدرتی بندرگاہ کی شکل اختیار کرتا تھا۔

۴۔ کنڈاوری = Alexandreia Apud origala, Alexandreia en Makarene, Ora, Alexandreia, Rhambakia, Harmatelia,Ratira, Kokala, Argenuus, Oratia Emporium, Rhamnai, Vitabhaya, Roruka

جیسا کہ ناموں کی طویل فہرست سے ظاہر ہے کہ مختلف ادوار میں اسے مختلف ناموں سے پکارا جاتا رہا۔ سکندر کے سپاہیوں اور ہمراہیوں کی یہ کوشش رہی تھی کہ جب وہ ایک نئی سرزمین دریافت کرتے تو وہ اسے اسکندریہ کے نام سے منسوب کرتے۔

یہ شہر اورٹی قبیلے کا دارالخلافہ تھا جہاں پر نیرکس کا بحری بیڑہ (جنگی سنگار) لنگر انداز ہوا تھا۔ سکندر کے زمینی راستے سے سفر کی ایک وجہ یہ شہر بھی تھا۔ یاد رہے کہ اورٹی قبیلے کے لوگ ہخامنشی حکمرانوں کے فوج میں شامل تھے اور مختلف ادوار میں جب ایرانی یونانیوں کو اپنا تختہ مشق بناتے رہے تو اورٹی قبیلہ بھی ان حملوں میں ایرانی فوج کا حصہ ہوا کرتے تھے۔ سکندر کو ان کی یہ حرکت ناگوار گزری اور وہ انہیں ہر حال میں سزا دینا چاہتا تھا۔ اس علاقے کے اصل مقام کا تعین کرنا مشکل ہے۔ لیکن خیال کیا جاتا ہے کہ یہ علاقہ میانی ھور اور پور (Phor) ندی کے درمیان واقع تھا۔ جو کہ موجودہ کنڈاواری کا علاقہ بنتا ہے۔ (۳۰)

اس علاقے کے باسیوں کو تاریخ میں مختلف ناموں سے پکارا جاتا تھا جیسا کہ Dari، Horitae، Neoritai، Agoritae، Abortae اور Organagae وغیرہ کے ناموں سے پکارتا جاتا رہا۔ جسٹین (Justin) نے انہیں Ambus (امبس) یا امبیس لکھا ہے۔ پانینی نے عہد قدیم ہندوستان کی تاریخ میں اسے ورتھیاس (Varteyas) کا نام دیا جبکہ مہا بھارت میں اسے ویراماس (Vairamas) لکھا گیا۔ اسی طرح ایک اور ماخذ اسے سویرا (Sauvira) کہتا ہے اور ان کے شہر Roruka کو اوریٹی (Oreitai) سے جوڑا گیا۔ (۳۱)

بعض لوگ اوریٹیانہ کو ''کوکالا'' اور ''اوریگالا'' سے ملاتے رہے۔ ماسوائے ڈیوڈورس (Diodoros) کے جو کہ سکندری دور (۶۰ تا ۳۶ قبل مسیح) کا تاریخ دان تھا۔ اس دور کے کسی بھی جغرافیہ دان نے اس خطے میں اسکندریہ نامی شہر بسانے کی بات نہیں کی۔ بہر حال ڈیوڈورس کے

بعد کے جغرافیہ دانوں نے اس کے حوالے سے اسکندریہ نامی شہر کے بارے میں اپنی کتابوں میں لکھا۔ ارائن نے بھی اسی کے حوالے سے اس علاقے میں اسکندریہ نامی شہر بسانے کے بارے میں تحریر کیا۔ Pliny نے انہیں ارجینس (Argenuus) کے نام سے پکارا۔ سکندری فوج کے جنرل لیوناٹس نے اورا (Ora) کے مقام پر سکندر کو چھوڑ کر دوسرے راستے سے اپنے لشکر کو لے کر آگے بڑھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ وہی جگہ ہے جسے رمباکیہ (Rhambakia) کہا جاتا تھا۔ اسکندریہ جہاں لیوناٹس نے ایک بہت بڑی فوجی چھاؤنی بنائی تھی، ہوسکتا ہے یہی رمباکیہ ہی ہو۔

۵۔ ھنگلاج = Alexandreia of the Sorianoi, Stobera, Sigerus, Tomeros, Asthagoura

دریائے ہنگول، گدروشیا اور سکندر کے مفتوحہ ہندوستان کے درمیان حد فاضل تھا۔ Ptolemy نے اس کو دریائے سندھ کا ساتواں دھانہ کہا تھا۔ دیگر مورخوں نے اسے ٹوبیرس (Touberus) یا ٹومیرس (Tomeros) کا نام دیا۔ دریا کے مغربی کنارے کے لوگوں کو پریری (Parirae) یا پسیری (Pasirae) کہا جاتا تھا۔ جبکہ Pliny نے انہیں اسیورٹی (Bassuertae) اور سوری (Sauri) کے نام سے پکارا۔ جو کہ کوہ میلاس (Mt.Maleus) میں جابجا آباد تھے۔ (۳۲)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سویراز (Sauviras) کا تعلق ابیراس (Abhiras) سے تھا اور پانینی نے انہیں پہلی صدی عیسوی میں ورٹیاس (Vertetas) یا اورٹی قبیلے کا ایک شاخ قرار دیا تھا۔ جبکہ پریپلس (Periplus) میں انہیں گدروشیا کے پارسیڈی (Parsidae) کے نام سے پکارا گیا ہے۔ (۳۳)

اگر چہ ارائن نے اس طرح کے کسی قبیلے کا ذکر نہیں کیا البتہ وہ نیرکس کا مقامی لوگوں سے مڈبھیڑ کی داستان رقم کرتے ہیں، جب سکندر کے امیر البحر نے اس علاقے میں اپنے جہازوں کو لنگر انداز کیا۔

قدیم ہندوستانی پرانوں میں اس علاقے کے لوگوں کو پتانجلی (Patanjali) کے پردایانہ (Pardayanas) کہا گیا۔ جبکہ پٹولیمے (Ptolemy) نے دریائے سندھ کے زیریں حصہ کو پرداباترا (Pardabathra) کا نام دیا۔ قدیم پرانوں کے لفظ پرداس (Paradas) سے مراد دریائے ھنگول کے قرب و جوار میں بسنے والے لوگ ہی ہیں۔ اس طرح دریائے سندھ کا ساتواں

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

ھپت تلار (Astola) کا نام پٹولیمے کے استالا (Asthala) سے ماخوذ ہے۔ ارائین کے بتائے گئے فاصلے جدید تحقیق سے درست ثابت نہیں ہوئے اور بعض جگہوں کے فاصلوں کے متعلق مبالغہ آرائی کی آمیزش نظر آتی ہے۔(۳۷)

۱۰- پسنی =Karbis, Rumra

کلمت کے بعد نیرکس کا بحری بیڑہ ایک اور ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ جس کو ارائین نے کربس (Karbis) کا نام دیا۔ جب یہاں نیرکس کا بحری بیڑہ لنگر انداز ہوا تو اس علاقے کے ساحلی باشندے اپنا گھر بار چھوڑ کر میدانی علاقوں کی طرف فرار ہو گئے۔ ساحل سے ساڑھے تین میل کے فاصلے پر اندرون ملک ایک چھوٹا سا گاؤں کا ذکر بھی کیا گیا جسے کیسہ (Kissa) کہا گیا۔ اس سے گمان ہوتا ہے کہ نیرکس کے جہاز دریا Rignra کے قریب پسنی (رمرا) کے ساحلی علاقے میں لنگر انداز ہوئے۔ یہاں سے بحری بیڑہ ایک بڑے پہاڑ جو کہ سمندر کے اندر تک چلا گیا کے قریب سے گزر کر آگے بڑھا۔ یہ عظیم پہاڑ اب بھی موجود ہے جسے ''جُڈی'' کہتے ہیں۔ اور یہ پسنی بندر میں واقع ہے۔ یہاں حضرت واجہ خضرؑ کا ایک ٹھکانہ (درگاہ) بھی موجود ہے۔

۱۱- چُر =Suxoni, Mousarna, Mosarna

راس جُڈی سے گزر کر نیرکس کا بحری بیڑا ایک اور بندر پر لنگر انداز ہوا۔ یہاں پانی بھی پایا گیا اور چند ماہی گیروں کی بستیاں بھی تھیں۔ اسے ارائین نے موسرنا (Mosarna) کا نام دیا جبکہ پٹولیمے نے اسے موسارنا کہا۔ یہ Suxoni کور کے قریبی علاقہ اور ساحلی شہر چُر ہے۔ بقول یونانی مورخ ھیدراکس (Hydrakes) کے یہاں پر نیرکس نے گدروشیا کے ایک مقامی باشندے کو اپنے بحری بیڑے کا ناخدا مقرر کیا تاکہ وہ آگے آنے والے علاقوں کے متعلق بحری بیڑے کی رہنمائی کرے۔(۳۸)

۱۲- شمال بندر (راس شمال) =Balomos

نیرکس کا بحری بیڑہ یہاں پر بھی کچھ وقت کے لئے لنگر انداز ہوا۔ جسے یونانی مورخوں نے بیلوموس کہا ہے۔ اس کا فاصلہ ارین نے موسرنا (چُر) سے ۱۴۰ کلومیٹر بتایا جو کہ مبالغہ آرائی ہے۔

۱۳- گوادر =Badara, Barna

راس شمال بندر سے لنگر اٹھانے کے بعد نیرکس کے بحری بیڑے نے سفر کا دوبارہ آغاز کیا اور

بدرا کہا جاتا تھا۔ اس علاقے کے لوگوں کے متعلق ارائین لکھتے ہیں کہ اس علاقے کے لوگوں کے اطوار نے نیرکس کو کافی متاثر کیا۔ اس علاقے کے باشندے خوش خلق اور مہمان نواز تھے۔ یہ لوگ درخت پیڑ اور پودے اگاتے تھے اور زمینداری سے وابستہ تھے۔ انہوں نے باغات بھی بنائے تھے جہاں پھلدار درخت اور مورت کے درخت اگتے تھے۔ اس کے علاوہ اس علاقے میں کھجور کے باغات بھی تھے۔ پٹولیمے نے اس علاقے کو بدرا (Badara) کا نام دیا ہے اور یہ دور جدید میں مکران کا سب سے متنازعہ علاقہ گوادر ہے۔ جہاں پر موجودہ زمانے میں بلوچستان میں اس صدی کی سب سے بڑی سازش کا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔

۱۴- گْوتر Kophanta, Kophas=(Gwtar)

یہاں صاف پانی پایا گیا اور ساحل پر ماہی گیروں کی چھوٹی بستی بھی تھی اس کو یونانیوں نے کوفنتا کا نام دیا۔ کوفنتا موجودہ دور کا گْوتر ہے جو کہ ایرانی مکران میں ہے۔ (یہاں یونانی جغرافیہ دانوں نے پانی کے وافر مقدار کے جو علامات دیئے تھے ممکن ہے کہ یہ علاقہ جیونی کا ہو کیوں کہ گْوتر کے بہ نسبت جیونی کے علاقے کی ساخت ایسی ہے کہ یہاں پانی وافر مقدار میں دستیاب ہو سکتا تھا اور اس کے علاوہ اس علاقے میں ایسے قدیم کنویں بھی پائے گئے ہیں اور دونوں علاقے باہوہور کے دہانے پر آمنے سامنے واقع ہیں۔ جس سے اس خیال کو تقویت ملتی ہے کہ یہ علاقہ جیونی کا ہو)۔

۱۵- تیس =Tiz

مغربی خطے کی ماہی خوروں کے علاقہ گْوتر سے آگے چل کر نیرکس کا بحری بیڑہ ایک چھوٹے سے ساحلی شہر جو کہ پہاڑ پر آباد تھا، تیز پہنچ گیا اس علاقے میں ماہی خور رہتے تھے۔ یہاں پر مہذب یونانیوں نے اپنے اعلیٰ وارفعا تہذیب کی نمائش اس طرح کی کہ ان لوگوں سے نہ صرف ان کا شہر چھینا بلکہ ان لوگوں کی تمام خوراک پر بھی یونانیوں نے قبضہ کر لیا۔

۱۶- پزم (راس پزم) =Bagia

تیس سے گزر کر یونانی پزم کے علاقے میں داخل ہوئے یہاں پر بھی ایک ساحلی چٹان سمندر کے اندر تک چلا گیا ہے۔ اس علاقے کو یونانیوں نے بیگیا کہا جو کہ موجودہ پزم ہے۔ اس کو بھی سورج کا شہر بھی قرار دیا گیا۔ یہاں مقامی آبادی کا ذکر بھی یونانی مورخوں کے کتابوں میں موجود

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

10- Hunting Ford G.W.B. eds. (1980) The periplus of the Erythraean sea by an unkhown author with some extracts from Agatharkhides "on the Erythraean Sea". The Hakluyt society London, pp. 119-124, 179-184

۱۱-ایضاً صفحہ نمبر ۱۷۹ ۱۲-ایضاً صفحہ نمبر ۱۸۱

13- Cyrus the Great, collier's Encyclopedia, Drower, M.S. (1990) vol.7 Macmillan educational company N.Y pp.612-613.

14- Hunting ford G.W.B. (1980) The Periplus p. 38

۱۵- ایضاً صفحہ نمبر ۱۳۹، ۶۱

16-Hamilton W.C. (1857) The Geography of Strabo. vol.III London. pp 119-124

17- Mc Crindle J.W. {1885) Ancient India as described by Ptolemy. Bombay B.E.S. Press pp 313-323

18-Qureshi, I.H. (1988) opt. p 91

۱۹-کامل القادری، صفحہ نمبر ۳۲

۲۰-ایضاً صفحہ نمبر ۳۳

21- Hamilton W.C. (1857) the geography of Strabo. vol. III. London. p 121

۲۲-ایضاً صفحہ نمبر ۱۲۲

23-Vincent. W.D.D. (1807) The commerce and Navigation of the ancients in the Indian Ocean. vol. I London. pp 206-207

۲۴- ایضاً صفحہ نمبر ۱۱۲ تا ۲۰۹ ۲۵-ایضاً صفحہ نمبر ۲۰۹ ۲۶-ایضاً صفحہ نمبر ۲۱۰

۲۷-ایضاً صفحہ نمبر ۲۱۴-۲۱۵ ۲۸-ایضاً صفحہ نمبر ۲۳۱

29- Dobbins K.Walton (1992) The Makran Voyage of Nearchos. In "Eastern Approaches: Essays on Asian Art and Archaeology. Maxwell T.S. ed. Oxford University Press Delhi pp 16-29

۳۰-ایضاً صفحہ نمبر ۱۸ ۳۱-ایضاً صفحہ نمبر ۱۸ ۳۲-ایضاً صفحہ نمبر ۱۹

۳۳-ایضاً صفحہ نمبر ۱۹ ۳۴-ایضاً صفحہ نمبر ۲۰ ۳۵-ایضاً صفحہ نمبر ۲۰

۳۶-ایضاً صفحہ نمبر ۲۱ ۳۷-ایضاً صفحہ نمبر ۲۲ ۳۸-ایضاً صفحہ نمبر ۲۲

۳۹-کامل القادری، صفحہ نمبر ۵۷

۴۰-ایضاً صفحہ نمبر ۵۸-۵۹

۴۱-دوہار، ملک سعید (۲۰۰۷)، تاریخ بلوچستان، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، صفحہ نمبر ۲۱۰-۲۱۱

باب ششم

پارتھی اور ساسانی دور

(۲۵۰ق م-۶۵۱ عیسوی)

سکندر کے وفات کے بعد اس کی سلطنت کے حصے بخیرے ہوئے۔ پارتھیا (بحیرہ خزر کے مشرقی علاقے) سلیوسیڈز (Seleucids) کے حصے میں آیا۔ اس کا دور حکومت ۲۵۰ قبل مسیح تک رہا۔ اس کے وفات کے بعد پارتھی متحد ہوئے اور انہوں نے آزادی کا اعلان کر دیا۔ پارتھی اپنے آپ کو ایران کے قدیم بادشاہوں کی اولاد قرار دیتے تھے۔ یونانیوں کے زوال کے بعد پارتھیوں کے اثر و رسوخ میں اضافہ ہوا۔ پارتھیا کے حدود کوہ البرز کے دامن سے لیکر مشرقی طرف ہرات (موجودہ افغانستان) تک پھیلا ہوا تھا۔ ان کا علاقہ موجودہ دور کا خراسان پر مشتمل تھا جو اب ایران کا ایک صوبہ (اُستان) ہے۔ اس کے شمال میں صحرائے توران واقع ہے۔ زمانہ قدیم میں یہاں پارتھوا نام کا ایک ایرانی قبیلہ آباد تھا، اسی کی نسبت سے اس علاقے کا نام پارتھیا پڑا۔ یونانیوں کے دور میں یہ علاقہ سلیوسیڈز کے زیر اثر تھا۔ (۱)

پارتھیوں کا پہلا بادشاہ متھری ڈیٹس (Mithridates) (۱۷۱-۱۳۸ قبل مسیح) تھا۔ اس کے دور میں اس سلطنت کے حدود بابل اور شام تک پھیلے ہوئے تھے۔ جب یونانیوں کی جگہ رومن آئے تو پارتھیوں اور اس نئے دشمن کے درمیان کئی خوفناک جنگیں ہوئیں۔ یہ جنگیں ۵۳ قبل مسیح سے لیکر تیسری صدی عیسوی تک جاری رہیں۔ پارتھیوں کے عہد حکومت کا خاتمہ ساسانی خاندان کے ہاتھوں ہوا یہ واقعہ ۲۲۷ عیسوی میں پیش آیا۔ پارتھیوں کی سلطنت کافی وسیع تھی جو بابل سے لیکر افغانستان تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان کی بہادری مسلم تھی۔ (۲)

پارتھیوں کی شکست کے بعد ایران میں ساسانی دور کا آغاز ہوا جو کہ ۲۲۷ء سے لے کر ۶۵۱ عیسوی تک پھیلا ہوا ہے۔ مکران اس دور میں سلطنت ایران کا ایک اہم حصہ تھا۔ اور اس خاندان کے دور حکومت کے بادشاہوں کا ذکر فردوسی کے شاہنامہ میں موجود ہے، جس پر اس باب میں تفصیل سے بحث کی جائے گی۔ اس خاندان کے بادشاہوں کی تفصیل یوں ہے۔ ان کے دور حکومت کی تاریخیں ہرمزد سے شاپور دوئم تک درست ہیں۔ باقی بادشاہوں کی تاریخیں قطعی نہیں ہیں۔ (۳)

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

توران اور شاہ مکران کے سفیر اس کی (اردشیر کی) قدم بوسی کے لئے آئے۔ اس کے بعد اردشیر نے گور سے لیکر بحرین تک کے علاقے پر حملہ کر دیا اور اس کے بادشاہ سناترق نے جب دیکھا کہ وہ چاروں طرف سے گھیرے میں آ گیا ہے تو اس نے قلعے کی فصیلوں سے چھلانگ لگا کر اپنی جان دی۔ اس کے بعد بادشاہ واپس مدائن لوٹ آیا۔ وہ وہاں کچھ دیر رہا اور انہوں نے اپنی زندگی ہی میں اپنے بیٹے شاہ پور کو بادشاہت سونپی۔ (۶)

اس مختصر اقتباس میں اردشیر اول کی سیاسی اور حربی صلاحیتوں کے حوالے سے متعلق معلومات ملتی ہیں اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ بحیرہ عرب سے لیکر خلیج فارس تک تمام علاقے اردشیر کے زیر نگین تھے۔ اس زمانے میں بحری راستے تجارت کے انتہائی اہم ذریعہ تھے لہذا اس خطے میں اپنی طاقت کو برقرار رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ بحری راستوں کو مضبوط کیا جائے۔ تاریخ کے اس موڑ پر جنگی حکمت عملی میں تبدیلی آئی اور اب بحری راستے اور ان پر کنٹرول زیادہ اہمیت اختیار کر گیا۔ مدائن کے فتح کے بعد اردشیر نے اپنی توجہ میڈیا (ھمدان)، آذربیجان، ارمینیا، سیستان، خراسان، مورغیانہ، خوارزم، بلخ، کابل پر مرکوز کی اور پنجاب کا کچھ حصہ بھی فتح کر لیا۔ جبکہ مکران اور توران کے متعلق اس کی پالیسی مختلف تھی۔ ان علاقوں پر ان کا براہ راست عمل دخل نہ تھا بلکہ انہوں نے ان علاقوں کو اپنا باجگزار بنایا۔ ایران کے مشرقی علاقے بشمول مکران کے، ساسانیوں کے دور اقتدار سے پہلے کشن (Kushan) کی طاقت ور مملکت میں شامل تھے۔ لیکن ان کی نگرانی ایک ساسانی شہزادے کے سپرد کی گئی تھی۔ جسے ''کشن شاہ'' کا خطاب دیا گیا تھا۔ مشرقی علاقوں کے بہ نسبت اردشیر کو مغربی علاقوں میں چنداں کامیابی نہ ہوئی۔ وہ عرب لخمیوں کے صدر مقام حترا (خضر موت) پر قبضہ کرنے میں ناکام رہا اور رومیوں کے خلاف اس کی جنگیں فیصلہ کن ثابت نہ ہوئیں۔ (۷)

جزیرہ نما عرب کی فتح اردشیر کے لئے اس لئے بھی ضروری تھی کہ یہ ایک اہم بحری تجارتی راستہ تھا جس کے کنٹرول کے لئے رومی اور ایرانی عرصے سے ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار تھے۔ اس سلسلے میں ہماری معلومات کا ایک اہم ذریعہ پہلوی زبان کا ایک مختصر ناول ''کرنامک اردشیر بابکان'' (Karnamak-i-Artakhshiri Papakan) ہے۔ یہ ناول ہرمزد اول (۲۷۲-۲۷۳ء) کے دور میں تحریر کیا گیا تھا۔ اس میں اردشیر کے ساحلی علاقوں کی فتوحات کے بارے میں معلومات ہیں۔ اس کتاب کے مطابق اردشیر نے وہ راستہ اختیار کیا جو کہ ساحل کی طرف جاتا تھا۔ وہ اس طرح آگے بڑھا کہ پس گرد کے باغی اس کی عظیم الاشان لشکر کو دیکھ کر اس کے مطیع ہوئے اور انہوں نے اس کے خدمت میں سیم و زر پیش کئے۔ ان لوگوں میں اصفہان کا

بانک (Banak) بھی شامل تھا۔ وہ اردشیر کی لشکر جرار کے راستے میں کھڑا اپنی فوج کے ساتھ اس کا انتظار کر رہا تھا لیکن جب اس نے اردشیر اور اس کے عظیم لشکر کو دیکھا تو مقابلہ کرنے کے بجائے اس نے ہتھیار ڈال دیئے اور معافی کا ملتجی ہوا۔ اس کی درخواست قبول کر لی گئی اور اس کو چھوڑ کر اردشیر ساحل سمندر کی طرف چل پڑا..... جب اس نے سمندر کو دیکھا تو اس نے خدا کا شکر بجالایا اور اس جگہ اس نے ایک شہر کی بنیاد رکھی جس کا نام اس نے بخت اردشیر (Bukht Ardashir) رکھا۔ اس جگہ اس نے مقدس آگ کو جلانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد وہ واپس بانک کے پاس آئے اور اسے فوج کو تیار رکھنے کا حکم دیا۔ (۸)

یہ اس کہانی کا آغاز ہے جس کے مطابق آگے چل کر مشرقی اور مغربی سرحدی علاقوں میں اردشیر کو جنگوں کا سامنا کرنا پڑا، اس کتاب میں اردشیر کی جنگی مہموں کا احوال درج کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان جنگوں کے پیچھے اردشیر کا مقصد ساحلی پٹی پر غلبہ حاصل کرنا تھا۔

اس ضمن میں کرنامک کے مولف کا بیان ہے کہ ''جب وہ سمندر کے ساحلی علاقوں کی طرف کوچ کر گیا تو اس کی مڈبھیڑ اردشیر کزا (Ardashir Kkurreh) کے حکمران مہرک (Mihrak) سے ہوا۔ اس کے علاوہ اس کا مقابلہ چتان بخت (Haftan bokht) سے بھی ہوا۔ چتان بخت کو فردوسی نے ھفتاود (Haftavad) کہا ہے۔ (۹)

اس جنگ سے متعلق تفصیلات ہمیں کرنامک اور شاہنامہ دونوں سے ملتے ہیں۔ جس کے مطابق چتان بخت ساحلی علاقوں کا بے شرکت غیرے حکمران تھا جس نے بہت سارے قلعے بنائے، جن کا وہ حاکم تھا۔ اس کے سات بیٹے اور ایک خوبصورت بیٹی تھی۔ اس کی قلمرو میں وحشی قبائل رہتے تھے جو کہ اس کے مطیع تھے۔ یہ قبیلے بہادر اور نڈر تھے۔

کولال (Kulal) نامی قصبے میں انہوں نے سمندر کے کنارے ایک پہاڑ پر ایک عظیم الشان قلعہ تعمیر کیا تھا جس میں وہ ایک کیڑے (Kirm) کی پوجا کرتے تھے۔ اس عظیم پہاڑ کے دامن میں ایک بڑا اور ترقی یافتہ شہر بسا تھا۔ شاہنامہ اور کرنامک کے بیان کے آخر میں اردشیر کی کامیابی کا بھی ذکر ہے جو کہ بہادری اور شجاعت میں اپنی مثال آپ تھے۔ اور آگے چل کر نامک کے مصنف مزید رقم کرتے ہیں کہ ''یہ اردشیر کی آخری فتح تھی اس کے بعد ساحل اور سمندر دونوں اس کے قبضے میں آ گئے۔ یہ واقع سن ۲۲۸ عیسوی میں پیش آیا۔ (۱۰)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ سمندر اور ساحل کون سے علاقے ہیں جن کو فتح کیے بغیر اردشیر اپنی سلطنت کو نامکمل سمجھتا تھا۔ تاریخ اور داستانوں کو یکجا کرنے کے بعد ہی ان علاقوں کی اصل جائے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

لوگ معاشی طور پر خود کفیل ہو گئے۔ (۱۳)

اس ضمن میں ملک سعید رقم طراز ہیں کہ ''مکران میں خسروی اور کاؤس نامی کاریزیں اس کے صدر مقام تربت میں ایرانی دور اقتدار میں اجداث کی گئی تھیں۔ (۱۴) اس کے علاوہ گور بند (گبر بند) بھی اس دور کی یادگاریں ہیں۔

اردشیر کی پالیسیوں کو اس کے بیٹے شاہ پور اول (۲۴۱-۲۷۲) نے دوام بخشا اور اس کے بعد میں آنے والے ساسانی حاکم بہرام پنجم (۴۲۱-۴۳۸) نے جب ہندوستانی شہزادی سے شادی کر لی تو اس کے نتیجے میں اسے دیبل کا شہر بطور جہیز ملا۔ یہ ایک اہم واقعہ تھا، کیونکہ دیبل شہر اپنی تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے کافی مشہور تھا اور اس طرح ساسانیوں کو ہند کی تجارتی کنجی ہاتھ میں آ گئی اور ان کا اس علاقے میں اثر ورسوخ میں اضافہ ہو گیا (دیبل کے بارے میں بتاتا چلوں کہ دیبل بندر کراچی سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر واقع تھا جو موجودہ وقت میں پورٹ قاسم کے نام سے ایک اہم تجارتی بندگاہ ہے۔ دیبل یا پورٹ قاسم سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر بھمبور کا ویران بندر بھی عربوں کے دور میں اہمیت کا حامل بندرگاہ تھا)۔ (۱۵)

نوشیروان جسے خسرو اول (۵۳۱-۵۷۹) کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، اس کے دور میں ساسانیوں کے جنوبی سمندری علاقوں پر اثر ورسوخ میں اضافہ ہوا اور یہ علاقے اس کے زیر اثر آ گئے۔ مکران اور اس کا ساحلی شہر گوادر بھی مکمل طور پر ساسانی حکمرانوں کے ہاتھ میں آ گیا۔

رومن شہنشاہ جستینین (Justinian) نے سن ۵۳۲ء میں ایک یونانی افسر پروکوپیس (Procopius) کو اکسوم (Aksum) جو عہد قدیم میں ایتھوپیا کا دارالحکومت تھا، میں بھیجا تا کہ وہ نجاشی کو اس بات پر آمادہ کرے کہ وہ شہنشاہ روم کی مکران اور سندھ پر ساسانی حکمرانوں کی تجارتی اجارہ کو ختم کرنے میں مدد دے۔ (۱۶)

پروکوپیس (Procopius) اپنی کتاب De Bello Persico میں رقم طراز ہیں کہ ''نجاشی نے اس حوالے سے شہنشاہ روم کی مدد کی اور ایک بحری بیڑہ سندھ اور مکران بھیجا مگر اس کو یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ پارسی مکران کی منڈیوں پر چھائے ہوئے تھے۔ جب ہندوستان سے ریشم سے لدے ہوئے جہاز مکران اور سندھ کے ساحلی علاقوں میں آتے تھے تو پارسی تاجران کو مکمل طور پر خرید لیتے تھے لہذا اس کو خالی ہاتھ واپس لوٹنا پڑا۔ (۱۷)

اس بیان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس زمانے میں سندھ اور مکران کے ساحلی شہروں میں بڑے پیمانے پر ہندوستان سے لائے گئے تجارتی اشیاء کی خرید و فروخت ہوتی تھی اور تجارتی

حوالے سے یہ دونوں مصروف ترین بندرگاہیں تھیں۔ یاد رہے کہ ساسانی دور حکومت سے دو ہزار برس پیشتر بھی سرزمین مکران تجارتی حوالوں سے ایران اور عراق کے ساتھ منسلک تھا اور یہاں سے قیمتی پتھر اور دھاتیں عراق کے سومر، اکاد اور بابل کی سلطنتوں کو بھیجے جاتے تھے۔ اسی طرح ساسانی دور حکومت میں بھی یہاں مکران کے ساحلی بندرگاہوں سے افغانستان سے لائے گئے نیم قیمتی پتھر مثلاً لپز لیزلی (Lapis lazuli) کارنیلین (Carnelian) اور فیروزہ، ہندوستانی ہاتھی دانت، موتیاں، ریشم، مصالحے اور ظروف یہاں سے ایران، افریقہ اور بحیرہ روم کے علاقوں میں بھیجے جاتے تھے۔ اس سمندری تجارت کی کامیابی کا راز مون سون ہوائیں تھیں جو کہ ساحل مکران میں موسم کے اعتبار سے دو یکسر مختلف سمتوں میں گردش کرتی تھیں۔ گرمیوں میں یہ ہوائیں شمال مغربی سمت کی طرف سفر کرتی ہیں جس کی مدد سے مغربی ایشیا سے انڈیا کی طرف جہازی سفر آسان ہوتا تھا۔ جبکہ سردیوں میں اس کے برعکس جنوب مشرق کی طرف ان کا رخ ہوتا ہے، اور اس موسم میں یہ جہاز واپس اپنے ملکوں کی طرف گامزن ہوتے تھے۔ (۱۸)

ان ہواؤں کی مدد سے سفر کا وقت انتہائی کم ہوتا تھا اور اس لئے انہیں تجارتی ہوائیں بھی کہا جاتا تھا۔ کیونکہ یہ ہوائیں بحر ہند میں تجارتی جہازوں کی نقل و حرکت میں معاون ثابت ہوتی تھیں۔

تجارتی سرگرمیوں کو بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ اس کے راستے میں پڑنے والے مشکلات کو کم سے کم کیا جائے۔ اس کے لئے ضروری تھا کہ ان علاقوں میں جہاں بغاوت کا خطرہ ہو وہاں پر ایسی چوکیاں قائم کی جائیں جو کہ اس تجارتی راہ میں پڑنے والے خلل کا بروقت مداوا کر سکیں۔ مکران کا حکمران اگر چہ اردشیر اول کے دور ہی سے ساسانی حکمرانوں کا باجگزار تھا مگر اس کا دائرہ اثر تربت اور اس کے گرد ونواح تک محدود تھا اور باقی علاقہ طاقتور قبائل کے زیر اثر تھا جو آئے دن تجارتی سرگرمیوں میں خلل ڈالتے تھے۔ اس باب کے شروع میں ہپتیان بخت کا ذکر کیا گیا جس کی سرکوبی کے لئے اردشیر کو اس کے علاقے Kulal نامی بستی پر حملہ کرنا پڑا۔ اس علاقے کی جغرافیائی محل وقوع سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ علاقہ موجودہ گوادر ہے جہاں ایک عظیم پہاڑ (کوہ باتیل) جو انگریزی حرف T (ٹی) بناتا ہوا جنوب میں سمندر کے مدمقابل کھڑا ہے۔ چونکہ یہ علاقہ بھی جنوبی کرمان سے زیادہ دور نہیں ہے۔ جہاں اردشیر نے اپنے دور کی آخری دو جنگیں لڑیں۔ اس کے علاوہ کوہ باتیل پر پائے گئے قدیم ڈیم کی ساخت بھی اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ کرنامک کے افسانہ نما تاریخی حوالے میں جس پہاڑ کا ذکر کیا گیا وہ گوادر کا کوہ باتیل ہی ہے۔

کوہ باتیل پر پائے جانے والے ڈیم کے متعلق مقامی روایات یہ ہیں کہ یہ ڈیم پرتگیزی دور

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

متعلق ہے۔ اس میں بہرام گور، قباد، نوشیروان، خسرو پرویز وغیرہ کے ذکر کے بعد ساسانی دور کے آخری تاجدار یزدگرد کے حالات کو بیان کرنے کے بعد شاہنامہ اختتام پذیر ہوتا ہے۔ (۲۳)

شاہنامہ میں بلوچوں کا ذکر کیانی اور ساسانی بادشاہوں کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے جسٹس خدا بخش بجارانی مری کی کتاب بلوچستان تاریخ کے آئینے میں جس کا اردو ترجمہ پروفیسر سعید احمد رفیق نے کیا ہے۔ اس حوالے سے ایک اہم ماخذ ہے جس میں شاہنامہ کے ان تمام ابواب کا احاطہ کیا گیا ہے جس کا تعلق بلوچ قوم سے ہے۔ اس باب کے آخر میں شاہنامہ میں درج ان واقعات کی تاریخی صحت کے بارے میں بحث کی جائیگی۔

شاہنامہ کے مطابق کیانی شہنشاہ کیکاؤس نے اپنے بیٹے شہزادہ سیاوش کے زیر کمان بارہ ہزار سوار اور بارہ ہزار کا پیادہ لشکر توران کے بادشاہ افراسیاب کے سرکوبی کے لئے روانہ کیا۔ اس مہم کے لئے بادشاہ نے اپنے قلمرو میں شامل ہر قوم کے بہترین جنگجو مرد میدان چُن چُن کر بھیجے، اس حوالے سے فردوسی کہتے ہیں:

ان (جمع شدہ) نامور شہسواروں سے منتخب کر لئے
تقریباً بارہ ہزار جنگ آزما سورما
انہیں سرزمین فارس سے کوچ و بلوچ
(اور) جنگجو گیلانی و دشت سروچ (والے) تھے

داستان گو آگے یوں گویا ہوتا ہے کہ شاہزادہ سیاوش بلخ کے نواح میں افراسیاب کی فوج کے سپہ سالار گرسیوز کو شکست دیتا ہے۔ افراسیاب نے شہزادہ کی ناتجربہ کاری کو بھانپ کر اسے اپنے جال میں پھانس لیا اور افراسیاب نے فوراً صلح کی پیش کش کی اور اپنی حسین و جمیل بیٹی فرنگیس کی شادی شہزادے سے کی۔ جب کیکاؤس کو اس کی خبر ملی تو وہ افراسیاب کے اس سیاسی چال سے غصے میں آگیا اور انہوں نے شہزادے کو معزول کر دیا۔ شہزادہ سیاوش ناراض ہو کر دوبارہ افراسیاب کے پاس چلا گیا، مگر افراسیاب جو کہ جنگی چالوں کا ماہر تھا جب اس نے دیکھا کہ شہزادہ اس کی جال میں مکمل طور پر پھنس چکا تو انہوں نے گرسیوز کے ذریعے شہزادے کو قتل کرا دیا۔ چند ماہ بعد فرنگیس کے بطن سے شہزادہ کیخسر و پیدا ہوا کیخسر و مختلف حالات سے گزر کر ایران کا بادشاہ منتخب ہوا اور انہوں نے ایک عظیم لشکر جرار تیار کیا۔ اس کی فوج میں دس سپہ سالار تھے جن کا سالار اعظم طوس تھا۔

کیخسرو نے ہاتھی پر بیٹھ کر ان تمام افواج کی سلامی لی، جو کہ مختلف اقوام سے تعلق رکھتے تھے۔ چھٹے نمبر پر دو میل لمبا بلوچوں کا لشکر آیا جس کا سپہ سالار اشکش فریدون نژاد تھا اس کے جھنڈے پر

کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اس عظیم لشکر کی تعریف و توصیف فردوسی نے اس طرح کی:

کوچ و بلوچ بہادروں کا ایک لشکر (ساتھ تھا)
ہومینڈے کی مانند بپھرے ہوئے تھے (بحر پور حملہ آور)
دنیا میں انہیں پیٹھ دکھاتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا
زرہ بکتر میں ملبوث ایسے کہ ایک انگلی بھی دکھائی نہ دے
ان کا سالار ایک جنگ آزما (شخص) تھا
جس کے دم سے نیکی و بہی خواہی قائم و دائم ہے
وہ ایک پرچم ساتھ لایا جس پر چیتے کی تصویر تھی
جو جنگ و پیکار کی علامت ہے
اس نے شہنشاہ پر صد بار آفرین کہا
جس کے دم سے گردش روزگار پر مسرت ہے
کیخسرو نے ہاتھی کی پیٹھ سے نظر دوڑائی
تو دو میل لمبی قطار در قطار فوج تھی
کیخسرو کو یہ سب کچھ بہت پسند آیا
بہت تعریف کی خوش قسمت سالار کی
جو پاک وطن (ایران) سے تھا۔ (۲۴)

اس کے بعد فردوسی کے شاہنامہ میں بلوچوں کا حوالہ نوشیروان جسے خسرو اول بھی کہتے ہیں، کے دور میں ملتا ہے۔ فردوسی اس کے کارناموں کو ممکنہ صحت سے بیان کرنے کے بعد گیلانیوں اور بلوچوں کے ساتھ نوشیروان کے تاریخی معرکوں کے علاوہ فردوسی ان میں بلوچوں کا نام بھی شامل کرتا ہے جن کے خلاف نوشیروان نے جنگیں لڑیں۔ (۲۵)

بلوچوں کے ان بغاوتوں کے متعلق فردوسی لکھتے ہیں کہ:

دوران سفر شہنشاہ کو اطلاع پہنچی
(کہ) بلوچوں کے ہاتھوں بڑا علاقہ تباہ و برباد ہو گیا
جن کی قتل و غارت گری اور تخت و تاراج نے
زمین کو (خون کے) دریا میں ڈبو دیا ہے
مگر گیلان زمین میں تباہی ان سے بھی زیادہ ہے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

ساسانی دور حکومت اور بلوچوں کے تاریخی احوال کے حوالے سے شاہنامہ ایک اہم ماخذ کے طور پر لیا جاتا ہے۔شاہنامہ میں بادشاہوں کے قصے اوران کے حوالوں سے بلوچوں کا ذکر موزخوں کے نزدیک ابھی تک ایک معمہ بنا ہوا ہے۔یہ سوال ہمیشہ کیا جاتا رہا ہے کہ فردوسی کے حوالوں کو بطور تاریخی ماخذ لینا درست ہے کہ نہیں۔

شاہنامہ میں بلوچوں کا ذکر تین بادشاہوں سیاوش، کیخسرو اور نوشیروان کے حوالے سے آیا ہے۔اگر چہ کیخسرو کے ابتدائی حالات کا جائزہ لیا جائے تو اس میں اور کورش کے حالات زندگی میں مماثلت نظر آتا ہے۔دونوں کو ان کی ماؤں نے حاکم وقت کی خوف سے پہاڑوں میں چرواہوں کے حوالے کئے۔اگر کیخسرو اور کوروش ایک ہی شخص کے دو نام ہیں تو اس کی فوج میں بلوچوں کا بطور سپاہی کے شمولیت کے حوالے سے شاہنامہ کو اہم دستاویز کے طور پر بطور ماخذ لیا جاسکتا ہے۔

فردوسی نے اپنے شاہنامہ میں جگہ جگہ کوچ و بلوچ کو ساتھ ساتھ لکھا ہے یعنی جہاں بلوچ کا ذکر آیا ہے وہیں کوچ کا ذکر بھی کیا گیا ہے۔پہلی دفعہ کوچ و بلوچ کا ذکر سیاہ وش کے سپاہ کے طور پر آیا ہے۔جب وہ افراسیاب کے خلاف نبرد آزما تھے۔کوچ کے متعلق گل خان نصیر لکھتے ہیں ”کوش، کوچ، فقش، قفج اور کوف در حقیقت ایک ہی نام کی مختلف صورتیں ہیں“۔وہ آگے چل کر مزید لکھتے ہیں کہ ”کوش یا کوچ، بلوچ کی بنیادی نسل ہے“۔(۲۷)

سیاہ وش کی افراسیاب کے خلاف جنگی مہم کے دوران کوچ و بلوچ کا ذکر گیلان کے علاقے کے حوالے سے آیا ہے۔اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا گیا کہ بلوچ گیلان سے ہجرت کر کے جنوب کی طرف چلے گئے۔دوسری دفعہ کوچ و بلوچ کا ذکر کیخسرو کی فوج کے اہم دستے کی صورت میں نظر آتا ہے۔جس کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ ”گستہم کے بعد اشکش آیا۔اس کی فوج کوچ اور بلوچ خانہ بدوشوں پر مشتمل تھی جو لڑائی پر بضد اور جوش و خروش کے تمغوں سے سرفراز تھے۔لڑائی میں ان کی پشت دنیا میں کسی نے نہیں دیکھی اور نہ ہی ان کی ایک انگلی بھی ہتھیار سے خالی تھی (یعنی وہ مکمل زرہ پوش تھے)۔ان کے جھنڈے پر شیر کی صورت تھی۔(۲۸)

شیر کی تصویر کے حوالے سے لانگ ورتھ ڈیمز میجر سوس ورتھ سائیکس کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ”جھنڈے پر شیر کی صورت (نشان) بلوچوں کے اصل وطن کی طرف بھی اچھی رہنمائی کرتی ہے۔شیر صرف بحیرہ خزر (کیسپین) کے ساحلی علاقوں میں ملتا ہے۔(۲۹)

اس شعر میں بلوچوں کا ذکر بطور جمیعت کے کیا گیا ہے، جو کہ کیخسرو کے فوج میں شریک تھے ڈیمز نے ان کا وطن مالوف بحیرہ خزر بتایا ہے۔اس نقطے پر جوزف ایلفنبائن (۱۹۸۹) اتفاق نہیں

کرتے کیونکہ ان کے خیال میں تاریخ میں کوچ و بلوچ بطور واحد جمیعت کے اس وقت آئے جب وہ ایران کے جنوبی علاقوں میں جا بسے تھے لہذا یہ عین ممکن ہے کہ کیخسرو کی فوج میں وہ بطور کرائے کے سپاہی تھے۔جنہیں جنوبی علاقوں سے بھرتی کیا گیا ہو۔(۳۰)

ایلفنبائن عرب مورخین، مثلاً استخری، ابن حوقل اور المقدسی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ کوچ (قوقص) اور بلوچ (بلوص) کا حوالہ دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی میں کرمان میں ملتا ہے جہاں ان عرب مورخین کے مطابق وہ ایک ایسی زبان بولتے ہیں جو کہ سندھی سے ملتی جلتی ہے اور آسانی سے سمجھ میں نہیں آتی۔(۳۱)

باالفاظ دیگران کی زبان نہ عربی تھی اور نہ ہی فارسی بلکہ وہ بلوچی بولتے تھے۔جو کہ ان عرب مورخوں کے لئے بالکل ایک نئی زبان تھی لہذا انہوں نے اسے سندھی زبان سے ملانے کی کوشش کی کوچ (قوقص) کے متعلق ان مورخوں کا خیال ہے کہ کوچ جبل القوقص کے پہاڑی علاقے میں رہتے تھے اور بلوچ میدانی علاقوں کے رہنے والے تھے۔

الطبری کے مطابق کرمان کے پہاڑی علاقے باریز کوہ (Bariz kuh) کے قریب باریز قبیلہ رہتا تھا۔قوقص جو کہ کرمان کے قدیم ترین اقوام میں سے ہیں وہ جنوب کے پہاڑی علاقوں میں رہتے تھے جبکہ باریز جنوب مشرقی کرمان کے پہاڑی علاقوں میں آباد تھے۔(۳۲)

عرب جغرافیہ دانوں کی اس ماخذ کو بنیاد بنا کر گل خان نصیر لکھتے ہیں کہ ”عرب و غیر عرب مورخین نے اپنی مختلف تصنیفات میں جن لوگوں کا کوچ اور کورز کے نام سے ذکر کیا ہے وہ یہی لوگ ہیں جن کا ایک حصہ برزکوہ (البرز) سے راہ فرار اختیار کر کے قلات کے کوہستان میں آباد ہوا اور جو یہاں پر برزکوہی اور پھر رفتہ رفتہ بروہی، براوی اور براہوی کے نام سے مشہور ہوا اور جواب تک اسی نام سے بلوچستان میں آباد ہے“۔(۳۳) گل خان نصیر کی اس خیال کی تائید پیکولین نے بھی اپنی کتاب میں کی ہے۔(۳۴)

شاہنامہ میں تیسری بار بلوچوں کا ذکر ان کی خسرو اول المعروف نوشیروان کے ساتھ جنگ کے حوالے سے آیا ہے۔نوشیروان بحیرہ خزر کے ہلانیوں اور اہل ہند کو مطیع کرنے کے بعد جب واپس ایران آئے تو اسے اطلاع ملی کہ ملک کو بلوچ اور گیلانی تاخت و تاراج کر رہے ہیں تو نوشیروان نے ان کو زیر کرنے کا ارادہ کیا۔اس سلسلے میں تفصیلی ذکر پہلے کیا جاچکا ہے۔ان واقعات کی تفصیل کچھ یوں ہے کہ نوشیروان کو ایک دہقان بتاتا ہے کہ ان کے (نوشیروان کے) دادا اردشیر نے بھی ایک دفعہ بلوچوں کو زیر کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔بہرحال نوشیروان کے سپاہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

۱۷-ایضاً صفحہ نمبر ۳۲۶ ۱۸-ایضاً صفحہ نمبر ۳۲۶ ۱۹-ایضاً صفحہ نمبر ۳۳۲-۳۳۵

20- Fiorani V.P. (2003) International Indian Ocan Routes and Gwadar Kuh-i-Batil old Barrage in Makran. Baluchistan. Terra in cognitaFiorani V.P. and Redaelli. R eds. Bar internaional Series 1141. pp87-114

۲۱-مری، جسٹس خدا بخش بجارانی (۱۹۶۴) تعارف بلوچستان، کوئٹہ، صفحہ نمبر ۱۴

۲۲-ادارہ (۱۹۸۵) اردو دائرہ المعارف اسلامیہ، جلد ۱۵، صفحہ نمبر ۳۳۶

۲۳-ایضاً صفحہ ۲۴۰

۲۴-مری، جسٹس میر خدا بخش بجارانی (۱۹۸۹)، بلوچستان تاریخ کے آئینے میں۔ ترجمہ پروفیسر سعید احمد رفیق۔
نساء ٹریڈرز، پٹیل روڈ، کوئٹہ، صفحہ نمبر ۶۳-۶۵

۲۵-بلوچ، محمد سردار خان (سن ندارد) بلوچ قوم کی تاریخ، نادر ٹریڈرز، مسجد روڈ، مستونگ۔ صفحہ نمبر ۸۷

۲۶-مری، جسٹس خدا بخش بجارانی (۱۹۸۹) صفحہ نمبر ۷۶-۷۹

۲۷-نصیر، گل خان، (۱۹۹۸)، کوچ و بلوچ، زمرد پبلی کیشنز، کوئٹہ، صفحہ نمبر ۲۸

۲۸-ایضاً صفحہ نمبر ۱۳۰

۲۹-ایضاً (فٹ نوٹ) صفحہ نمبر ۱۳۰

30- Elfenbein, Josef H. (1989), Baloci, in: Schmitt pp 350-362 quoted by: Boyajian Vahe (2003) Towards the interpretation of the term Baloc in the -Sahname In "The Baloch and their Neighbours"Jahani C. and Korn A. eds. Reichert Verlag Wiesbaden. p314

31- Boyajian V. (2003) opt. p 315

۳۲-ایضاً صفحہ نمبر ۳۱۹

۳۳-گل خان نصیر (۱۹۹۸)، کوچ و بلوچ، صفحہ نمبر ۲۸

34- Pikulin Michail G. (1967) Bragui. Moscow

۳۵-نصیر، گل خان (۱۹۹۸)، صفحہ نمبر ۱۳۲

۳۶-ایضاً صفحہ نمبر ۱۳۳

۳۷-مری، جسٹس خدا بخش بجارانی (۱۹۸۹) صفحہ نمبر ۸۱-۸۲

38- Elfenbein, J.H. (1989), Baluchistan III: Baluchi Language and Literature in ; Encyclopaedia Iranica vol. 3. pp 633-644 opt. quoted by Bayajian V.(2003) p317

39- Boyajian V. (2003) opt. p 317

۴۰-ایضاً صفحہ نمبر ۳۱۸

باب ہفتم

عرب دور

سندھ کے رائے اور برہمن حکمران

ایران کے ساسانی حکمرانوں کی آپس میں چپقلش سے اس خاندان کے زوال کے آثار نظر آنے شروع ہوئے۔ بہرام گور پنجم کے وفات کے بعد سندھ کے راجپوت (رائے) حکمران سیہرس اول نے پہلے ارمن بیلہ (لسبیلہ) اور اس کے بعد مکران پر حملہ کر کے بلوچستان کے وسطی اور جنوبی علاقوں کو اپنی قلمرو میں شامل کرلیا۔ (۱)

رائے خاندان کے بارے میں تحفتہ الکرام کے مصنف میر علی شیر قانع تحریر کرتے ہیں "ان کا (رائے خاندان کا) پایہ تخت شہر الور تھا۔ ملک کی حدود مشرق میں کشمیر وقنوج تک، مغرب میں مکران اور ساحل بحر عرب یعنی دیبل بندر تک، شمال میں سورت بندر اور جنوب میں قندھار، سیستان، کوہ سلیمان، کرمان اور کیکان تک پھیلی ہوئی تھیں۔ (۲)

اس خاندان کا بانی رائے دیوانج ایک جلیل القدر بادشاہ تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کا بیٹا رائے سیہرس تخت وتاج کا مالک بن گیا۔ اپنے باپ کی طرح وہ عرصہ دراز تک عیش وآرام کے ساتھ زندگی گزار کر موت کی آغوش میں چلا گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا رائے ساھسی اس منصب پر فائز ہوا۔ جب ساھسی انتقال کر گیا تو رائے سیہرس دوئم اسکا جانشین منتخب ہوا۔ جیسے ہی سیہرس دوئم کی جانشینی کی خبر سندھ کے مفتوحہ علاقوں تک پہنچی تو نیمروز کے حاکم نے موقع غنیمت جان کر اس کے خلاف بغاوت کردی۔ رائے سیہرس اس کی سرکوبی کے لئے بلوچستان روانہ ہوا، مکران میں کیچ کے قریب دونوں افواج ایک دوسرے کے مدمقابل آگئے اور مقابلہ شروع ہوا۔ دوران جنگ ایک تیر رائے سیہرس کو لگا اور وہ وہیں ہلاک ہوئے اس کے بعد نیمروز کے بادشاہ سندھی لشکر کو تاخت و تاراج کر کے واپس نیمروز چلے گئے۔ رائے سیہرس کے انتقال کے بعد ان کا بیٹا ساھسی تخت نشین ہوا۔ جو ذہین اور فن حکمرانی کے اسرار ورموز سے واقف تھا۔ اس کے دور میں امن وسکون کا دور دورہ تھا۔ (۳) رائے ساھسی کا دور حکومت ۶۲۶ تا ۶۵۲ عیسوی تھا۔ (۴)

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

سعید بن اسلم کلابی کے قتل کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ملک سعید دہوار، چچ نامہ کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں کہ سعید نے مکران میں وارد ہونے کے بعد ایک شخص سنھوی بن لام الحمامی کو اپنے ساتھ انتظامی معاملات میں تعاون کی درخواست کی لیکن انہوں نے انکار کیا جس کے نتیجے میں سعید نے اسے موت کے گھاٹ اتارا۔ اس کے قتل کے بعد علافی معتبرین جن میں کلیب بن خلف المغنی، عبداللہ بن عبدالرحیم علافی، محمد بن معاویہ علافی نے باہم مشورہ کیا کہ سنھوی اہل عمان میں سے تھا جو کہ ان کے وطن سے متصل واقع ہے اور سعید کو کیا حق پہنچتا تھا کہ وہ ان کے ہمسایے کو قتل کردے لہذا انہوں نے فہرج میں سعید کا راستہ روک کر اسے قتل کردیا۔ حجاج نے جب سعید کے ہمراہیوں سے اس قتل کی وجوہات معلوم کیں تو وہ مکر گئے۔ جب حجاج نے چند امراء کو قتل کیا تو خوف کے مارے باقی سچ بولنے پر مجبور ہوگئے۔ اس کے بعد حجاج نے سعید کے قتل کے بدلے میں بنی کلاب کے ایک شخص کو حکم دے کر سلمان علافی کو قتل کرادیا اور اس کا سر کاٹ کر سعید کے اہل خانہ کے پاس بھجوادیا تاکہ ان کی تسلی و تشفی ہوجائے۔ (۲۲)

سعید بن اسلم کلابی کے قتل پر فرزدق نامی شاعر نے اسے اس انداز میں نذرانہ عقیدت پیش کیا:

کاش خدا تیرے قبر کو روشن رکھے
(کہ) جس کے شکم میں تیرے کفن کا لباس سمایا
وہ کوٹھی سلامت رہے جس میں تو محو آرام ہے
حالانکہ آمد و رفت کے لئے اس کے دروازے بند ہیں
مکران کی سرزمین میں وہ سردار آباد ہوا ہے
(کہ) جب بارش نہ ہوتی تھی تو اس کا کرم برستا تھا
تیرے غم میں تیرے سارے قرابت دار گرفتار ہوئے
کہ جب تیرے اوپر باریک مٹی کے پردے پڑ گئے
سعید کو وہ ماں رو رہی ہے کہ جس کے پانچ بچے ہیں
ان یتیموں کے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں رہا
آنکھوں کو جب سعید یاد آتا ہے تو اس سے
آنسو اس طرح رواں ہوتے ہیں جیسے کوئی نالہ بہہ رہا ہو۔ (۲۳)

سعید کلابی کے قتل کے بعد حجاج نے مجاعۃ بن سعر بن یزید بن حذیفہ کو مکران کی طرف بھیجا، چچ نامہ کے مطابق سنہ چھیاسی ہجری میں ہند اور قندابیل (قندھار) کے ممالک حجاج کے ذمہ میں

دیئے گئے۔ مجاعۃ کو علافیوں کی سرکوبی کے لئے بھیجا گیا لیکن علافی اس کے پہنچنے سے پہلے مکران چھوڑ کر چچ کے بیٹے راجہ داہر کے پاس پناہ گزین ہوگئے۔ مجاعۃ نے صرف ایک سال تک مکران میں قیام کیا اور وہیں ان کا انتقال ہوگیا۔

مجاعۃ کے وفات کے بعد حجاج بن یوسف نے ایک فرمان کے ذریعے محمد بن ہارون (ان کے متعلق تحفۃ الکرام کا دعویٰ ہے کہ یہ شخص بلوچوں اور جتوں کا مورث اعلیٰ ہے) کو ہندوستان کا والی مقرر کیا اور اسے اپنی مرضی کے مطابق حکومت چلانے کی پوری آزادی دے کر دیوانی مال وصول کرنے کی تاکید کی اس فرمان میں خاص طور پر علافیوں کی سرکوبی کرنے کا ذکر کیا گیا اس کے مطابق "علافیوں کو تلاش کرنا اور کسی بھی طرح انہیں قبضہ میں کر کے سعید کا انتقام لینا"۔ محمد بن ہارون نے حجاج کے حکم کی بجاآوری میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ (۲۴)

راجہ داہر کی تخت نشینی سراندیپ کا واقعہ اور سندھ کی فتح

راجہ چچ کی ۶۹۱ عیسوی (۷۲ھ) میں وفات کے بعد اس کا مقرر کردہ جانشین اور اس کا چھوٹا بھائی چندر بن سلائج وادی سندھ کے پایہ تخت اروڑ میں تخت نشین ہوا۔ اس کا دور حکومت ۶۹۱ء سے ۶۹۹ء یعنی آٹھ سالوں پر محیط تھا۔ (۲۵)

راجہ چندر بن سلائج کے متعلق چچ نامہ میں تحریر ہے کہ "یہ بڑا دین دار شخص تھا۔ چنانچہ اپنے مذہب کی طرف پوری طرح متوجہ ہوا۔ اس کی بے حد تبلیغ کی۔ جگتوں اور پروہتوں کے دھرم کو تقویت پہنچا کر ترقی دی اور ہندوستان کے بادشاہوں کے ساتھ خط و کتابت جاری کی۔ (۲۶)

راجہ چندر کے مذہبی رجحانات کو دیکھ کر سیوستان کے راجہ "متو" قنوج کے راجہ سیہرس کے پاس گیا اور اسے راجہ چندر کے خلاف اکسایا۔ قنوج کے راجہ نے اس کے ساتھ اتفاق کیا اور کہا کہ "چچ ایک عظیم بادشاہ اور وسیع ملک کا مالک تھا بے شک اس کے مرجانے کے بعد اب اگر میں اس کی سلطنت فتح کرلوں گا تو میرے ملک کی بڑی شہرت ہوگی۔ پھر تجھے بھی میں اسکے ایک حصے پر حکمران مقرر کروں گا۔ (۲۷)

قنوج کے راجہ سیہرس نے اپنے بھائی برھاس بن کسائس کو راجہ چندر بن سیلائج کے پاس روانہ کیا اس کے علاوہ انہوں نے اس کے پاس قاصد اور خط بھی بھیجا کہ آکر فرمان داری کی شرطیں پوری کرے اور امان کا طلب گار ہو۔ چندر نے اطاعت سے انکار کردیا اور اپنے بھتیجے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

مصروف نظر آتے ہیں۔اس ملک میں چرم بافی مشکیزہ بنانا، جوتا سازی، کھجور کی پیداوار اور چینی کی میٹھی گولیاں وغیرہ کی مقامی صنعتیں کافی مشہور تھیں۔(۴۳)

استخری ان چھوٹے چھوٹے پیداواری ذرائع کے حوالے سے مکران کے شہروں کا ذکر کرتے ہیں جو کہ اس طرح سے ہیں: تیز (تمیس) ایک اہم تجارتی بندرگاہ ہے جہاں مکران سے اشیاء تجارت بصرہ کی منڈیوں تک بھیجے جاتے ہیں۔ کیز (کیچ جسے المقدسی نے کیج لکھا ہے) جو کہ والی مکران کا پایہ تخت ہے۔فنزار بور (جس سے مراد پنجگور ہے اس کے اور بھی نام سامنے آئے ہیں مثلاً فنز بر، فناجبر، بناجبر، فنجر وغیرہ) یہ مکران کا سب سے بڑا شہر ہے۔اس کی آبادی کیج جو کہ مکران کا پایہ تخت ہے، سے زیادہ ہے۔ اس کے علاوہ دیزک، راسک، فحلا فرحا، اسفک (استخری کا اسکاف) بند، بج (گہہ)، قصر قند (المقدسی کا کشک قند) اس کے علاوہ قنبالی اور ارمابیل وغیرہ قابل ذکر ہیں۔(۴۴)

ان شہروں میں فحلا افرحا، بحل پارا ہے جبکہ اسفک اسپک ہے جو کہ بمپور کے قریب جنوب میں ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔جبکہ قنبالی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ شہر ساحل سے تین کلومیٹر کے فاصلے پر دیبل اور قندابیل کے درمیان واقع ہے۔عرب مورخوں نے قنبالی کا تعلق ہمیشہ ارمابیل (لسبیلہ) سے جوڑا ہے اور دیبل کے بعد اسے دوسرا بڑا ساحلی علاقہ قرار دیا ہے۔۱۹۸۷ تا ۱۹۹۷ کے دوران مکران میں جو آثاری سروے ہوئے ہیں۔ان سروے کے نتائج سے معلوم ہوا ہے کہ پسنی کے قریب شادی کور کے علاقے میں عربوں کے ابتدائی دور کے شواہد دریافت ہوئے ہیں۔ان شہادتوں کے نتیجے میں اٹیلین مورخ پیاسنتنی (Piacentini) اس نتیجے پر پہنچے کہ عرب دور کا قنبالی اصل میں پسنی بندر ہے جو کہ آج بھی ایک اہم سمندری بندرگاہ ہے۔اس کے قریب سنگکیں کوہ کے آثار پائے گئے ہیں جو کہ ہڑپہ دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ان شواہد کی روشنی میں یہ ممکن ہے کہ قنبالی پسنی کے قرب وجوار میں پائے جانے والے کسی بستی کا نام تھا۔یہ بھی ممکن ہے کہ پرانگ کا گاؤں ہی سابقہ قنبالی ہو۔(۴۵)

چونکہ ابھی تک اس ضمن میں تفصیلی طور پر پرانگ کے علاقے میں کھدائی نہیں ہوئی ہے اور صرف بیرونی سطح پر پائے جانے والے ظروف کے ٹکڑوں کی مدد سے یہ رائے قائم کیا گیا ہے۔لہذا یہ نظریہ حتمی نہیں ہے۔اگر مستقبل قریب میں اس علاقے کے آثاری ماخذوں کا بڑے پیمانے پر مطالعہ کیا جائے تو ممکن ہے کہ کوئی حتمی رائے سامنے آسکے۔

عرب مورخوں نے قنبالی کو دیبل اور ارمابیل کے درمیان پائے جانے والا علاقہ لکھا تھا۔اگر

دیبل اور لسبیلہ کے درمیان پائے جانے والے ان شہروں کے جغرافیہ کو نظر میں رکھیں تو ممکن ہے کہ قنبالی، گڈانی سے لیکر بھمبور کے درمیان کسی بھی ساحلی شہر کا پرانا نام ہو۔اور یہ بھی ممکن ہے وہ شہر زمانے کے دھول میں دب گیا ہو۔لیکن اس سلسلے میں کوئی حتمی رائے قائم نہیں کیا جاسکتا کیوں کہ اس سلسلے میں ابھی تک کوئی ٹھوس شہادت موجود نہیں۔

حوالہ جات:

۱-دہوار، ملک محمد سعید، (۲۰۰۷)، تاریخ بلوچستان، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، صفحہ نمبر ۲۴۹

۲-قانع، میر علی شیر (۲۰۰۲)، تحفۃ الکرام بہ تصحیح وحواشی مخدوم امیر احمد وڈاکٹر نبی بخش بلوچ، اردو مترجم اختر رضوی، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو سندھ، صفحہ نمبر ۱۲-۱۳

۳-ایضاً صفحہ نمبر ۱۴

4- Baloch, Dr. N.A. (1996), Sindh Studies in History vol.I, Kalhora Seminar Organising Committee Karachi. p 20

۵-نامعلوم، (۲۰۰۲) فتح نامہ سندھ عرف چچ نامہ، مصحح، محقق اور شارح نبی بخش خان بلوچ، اردو ترجمہ اختر رضوی، سندھی ادبی بورڈ، جامشورو، سندھ۔ صفحہ نمبر ۲۱-۲۲

۶-قانع، میر علی شیر، صفحہ نمبر ۱۴

۷-ایضاً صفحہ نمبر ۱۵

8- Baloch, Dr. N.A. (1996) p. 20

۹-نامعلوم (۲۰۰۲) فتح نامہ عرف چچ نامہ، ترجمہ ڈاکٹر نبی بخش بلوچ، صفحہ نمبر ۶۲-۶۴

۱۰-امجد، یحیی، (۱۹۹۷)، تاریخ پاکستان وسطی عہد، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، صفحہ نمبر ۴۰۸-۴۰۹

۱۱-دہوار، ملک سعید (۲۰۰۷)، تاریخ بلوچستان، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ۔ صفحہ نمبر ۲۶۳-۲۶۴

۱۲-ایضاً صفحہ نمبر ۲۶۴-۲۶۵

۱۳-البلاذری، احمد بن یحیی بن جابر الشہید (۱۹۸۶) فتوح البلدان، مترجم سید ابوالخیر مودودی، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی۔ صفحہ نمبر ۶۱۲-۶۱۳

۱۴-ایضاً صفحہ نمبر ۶۱۳ ۱۵-ایضاً صفحہ نمبر ۶۱۳-۶۱۴ ۱۶-ایضاً صفحہ نمبر ۶۱۴

۱۷-ایضاً صفحہ نمبر ۶۱۴ ۱۸-ایضاً صفحہ نمبر ۶۱۵ ۱۹-ایضاً صفحہ نمبر ۶۱۵-۶۱۶

۲۰-ایضاً صفحہ نمبر ۶۱۷

۲۱-دہوار، ملک سعید (۲۰۰۷) صفحہ نمبر ۲۷۴-۲۷۵

۲۲-ایضاً صفحہ نمبر ۲۷۵-۲۷۶

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

بالا یمان یا بالا فعال کے نظریوں کے متعلق سوالات وضع کئے۔ انہوں نے اسلام کے ابتدائی دور میں متواتر بغاوتیں کیں جسکے نتیجے میں بہت سارے صوبے ان کے قبضے میں آ گئے۔(۲)

خوارجیوں نے حضرت علیؓ کے شہادت کی بعد دمشق کے خلفاء بنی امیہ کے خلاف اپنی مہم تیز کردی۔ ان کے مدمقابل زبیری تھے جو کہ چاہتے تھے کہ وہ اپنا خلیفہ نامزد کردیں۔ اس طرح خارجیوں اور زبیریوں نے اپنے اپنے علیحدہ خلفاء بنی امیہ کے خلفاء کے مدمقابل کھڑے کئے۔ یہ لوگ ایک دوسرے سے لڑتے رہے۔ ان جنگوں کے نتیجے میں خوارجی کرمان کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہوگئے۔ سیستان میں اس تحریک نے ایک قومی تحریک کی صورت میں مقبولیت حاصل کرلی تھی اور مالیہ کی وصولی کے خلاف انہوں نے بڑے فیصلے کئے جس سے انہیں مقامی لوگوں میں کافی پذیرائی حاصل ہوئی۔ جب بھی عرب حکومت ان کی سرکوبی کے اقدامات کرتے تھے تو مقامی لوگ عرب حکومت کے اس عمل کو ناپسندیدہ سمجھ کر خوارجیوں کا ساتھ دیتے تھے۔ اس طرح خارجیوں نے سیستان سے لیکر مکران تک کے ساحلی علاقوں پر اپنا قبضہ جمالیا۔ ۱۸۷ھ میں خارجیوں کے سربراہ امیر حمزہ نے اس قدر طاقت حاصل کرلی کہ انکے آئے دن کے حملوں کے نتیجے میں خلفاء بنی امیہ کی فوج کو صرف اپنے چھاؤنیوں تک محدود ہونا پڑا۔ امیر حمزہ نے نہ صرف مالیہ معاف کیا بلکہ انہوں نے مالیہ حاصل کرنے کے لئے فائز عملداروں کا بھی قلع قمع کردیا۔ اس طرح وہ مقامی لوگوں میں کافی مشہور ہوئے۔(۳)

عرب تاریخ دان المسعودی مکران میں خارجیوں کی موجودگی کی نشاندہی کرتے ہیں جن کا تعلق خارجی فرقوں صفاریہ اور حمزیہ سے تھا۔ اسی طرح استخری لکھتے ہیں کہ ماساکان (رخشان - ماشکیل) میں آباد لوگوں کی اکثریت کا تعلق خارجیہ فرقے سے ہے۔(۴)

مکران میں خارجی فرقے کا آغاز خراسان میں خارجی غلبے سے شروع ہوا۔ جب حمزہ بن اضحارک (وفات ۸۲۸ء بمطابق ۲۱۳ ہجری) نے خراسان کے مقامی حکمران کو شکست دی تو خراسان اور بعدازاں سیستان میں اس فرقے کی بنیاد رکھی گئی۔ اس طرح بلوچستان کے شمال مشرقی علاقے خوارجیوں کے زیر اثر آئے۔ افغانستان کے مشرقی حصے گردیز اور مشرقی کرمان کا علاقہ بام (بم) بھی ان کے قبضے میں آ گیا۔ مکران کے علاوہ قصدار (خضدار)، قندابیل (گنداوہ) بھی اس فرقے کے زیر اثر آئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عربوں کی مکران میں حکومت کے ابتدائی ادوار میں اسلام کو سختی سے ان علاقوں میں نافذ العمل نہیں کیا گیا بلکہ اسلام کے مختلف فرقوں کے درمیان رواداری کو بنیاد بنایا گیا تھا۔ استخری کے توسط سے یہ پتہ چلتا ہے کہ گنداوہ میں مسلمانوں کے ساتھ

ساتھ مقامی آبادی میں بودھ مت کے ماننے والوں کی بھی اکثریت تھی۔ جس سے اس بات کے شواہد ملتے ہیں کہ مکران اور پورے بلوچستان میں ہندو اثرات واضح تھے اور ابتدائی مسلمان ان مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ رواداری کا سلوک کرتے تھے۔(۵)

صفراوی (صفاری) خاندان

سن ۲۴۷ھ (۸۶۱ء) میں جب امیر یعقوب بن لیث سیستان کی امارات پر فائز ہوا تو عباسی خلیفہ معتد باللہ نے اسے امیر سیستان کی حیثیت سے تسلیم کیا۔ اس طرح بلوچستان میں صفاروی خاندان کی حکومت قائم ہوگئی(۶)

پاکستانی مورخ یحییٰ امجد کے مطابق یعقوب بن لیث صفار نے سن ۸۷۳ء میں طاہری خاندان کی سیستان میں حکومت ختم کر کے صفاری خاندان کی بنیاد رکھی۔ لفظ صفاری کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے یحییٰ امجد لکھتے ہیں کہ اس خاندان کا بانی یعقوب بن لیث پیشے کے اعتبار سے پیتل، تانبے کا کاریگر تھا۔ اس پیشے سے وابستہ لوگوں کو عربی میں صفار کہتے ہیں، جو اس خاندان کی نام کا وجہ تسمیہ بن گیا۔(۷)

یعقوب بن لیث کی ابتدائی زندگی کے بارے میں معلومات کچھ یوں ہیں کہ وہ سیستان میں پیدا ہوئے۔ ابتدا میں وہ پیتل اور تانبے کی کاریگری کا کام کرتا رہا۔ پھر اس نے بہادروں کا ایک لشکر ترتیب دیا اور سیستان کے گردونواح کے علاقوں میں ڈاکوؤں کے گروہوں پر حملے شروع کئے۔ بہت جلد اس نے سیستان، ہرات، کرمان اور مکران پر اپنا راج قائم کرلیا۔ جب خلیفہ محمد باللہ نے دیکھا کہ یہ سارے علاقے امیر یعقوب کے قبضے میں آ گئے تو اس نے ڈر کے مارے اسے بلخ اور طخارستان کی گورنری کی پیش کردی۔ امیر یعقوب نے ۸۷۱ء میں کابل کو بھی فتح کرلیا۔ اس کے بعد اس نے بغداد پر بھی حملہ کیا ۸۷۸ء میں عباسی خلیفہ نے پھر صلح کی کوشش کی مگر اس سے پہلے کہ یہ دونوں صلح پر اتفاق کرلیتے یعقوب دار فانی سے کوچ کر گئے۔ یعقوب کے انتقال کے بعد ان کا چھوٹا بھائی عمرو بن لیث حاکم بنا اس نے ۸۷۸ء سے ۹۰۰ء تک حکومت کی اور ان ہی کے ہاتھوں کابل کے نزدیک اسکاوند کے مقام پر ہندوؤں کی مقدس زیارت گاہ کو تباہ و برباد ہونا پڑا۔(۸)

مکران میں چونکہ عربوں کی کوئی خاص عملداری نہ تھی لہذا موقعہ غنیمت جان کر مختلف خاندانوں کے سربراہوں نے اپنے اپنے علاقوں میں اپنی عملداری قائم کی۔ جیسا کہ مشکے، کیچ، پنجگور، قصدار (خضدار)، قیقان (قلات) اور قندابیل (گنداوہ) کے علاقوں میں مقامی بالادست طبقوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

(Farisiyya)اور مکرانی(Makriyya) ہے جبکہ المقدسی کے مطابق ان بہادر اور وحشی لوگوں کو جو کہ پنج بور میں آباد ہیں انہیں بلوص اور ان کی زبان کو بلوصی کہا جاتا ہے۔(۱۵)

دسویں صدی عیسوی میں اگر چہ مکران میں عربی یا بلوچ نژاد عربوں کی حکومت تھی لیکن ہندوستانی تہذیب کے اثرات بھی ان پر حاوی تھے۔اس بات کی استخری کے اس بیان سے بھی تائید ہوتی ہے جس کے مطابق عیسیٰ بن مادن کو مقامی زبان میں مہاراجہ کہا جاتا تھا۔یاقوت نے بھی اپنی کتاب میں اسے مہارا لکھا ہے جو کہ لفظ مہاراجہ کی ابتدائی شکل ہے۔ یاد رہے کہ مہاراجہ ہندوستان کے حکمران طبقے کا لقب ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکران میں راجہ پچ یا کسی دوسرے حوالے سے ہندوستانی اثرات عرصہ دراز تک باقی رہے اور یہ اس وقت بھی کسی نہ کسی صورت میں برقرار تھے جب ان عرب جغرافیہ دانوں نے مکران کا دورہ کیا تھا۔لہذا مکران کے اسلامی دور کے ابتدائی حاکموں کو کسی طور بھی خالصتاً عرب بنا کر ثابت کرنا تاریخی لحاظ سے درست نہیں ہے کیوں کہ تاریخ انسانی جذبات سے نہیں بلکہ حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھا جاتا ہے۔

چونکہ مکران میں اسلامی دور کے حوالے سے آثار قدیمہ پر اتنا کام نہیں ہوا ہے لہذا سر دست ان حکمرانوں کے حوالے سے ہماری معلومات کا ذریعہ صرف یہی عرب جغرافیہ دان اور مورخ ہیں جن کی لکھی گئی کتابوں سے ہمیں مکران کے حکمران خاندانوں کے متعلق معلومات دستیاب ہیں۔ اسی طرح مکران میں عرب دور سے متعلق کوئی رائج الوقت سکہ بھی دستیاب نہ ہو سکا جن کی مدد سے اس دور کے حکمرانوں کے ناموں کی نشاندہی ہو سکے لہذا ہمارے پاس اس دور سے متعلق احوال و معلومات انتہائی قلیل تعداد میں ہیں۔

اسی زمانے میں عزالدولہ نے کرمان میں بسنے والے کوچ اور بلوچ قبائل پر لشکر کشی کی اور انہیں ایران کے ان جنوبی علاقوں سے نکال باہر کیا یہ بلوچ قبائل مکران میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔بلوچ چونکہ پہلے سے مکران میں موجود تھے، جن کا حوالہ ہمیں دسویں صدی کے عرب جغرافیہ دانوں کے احوال سے ملتا ہے۔ جو کہ ان سے کئی صدیاں پیشتر ان علاقوں میں آ کر آباد ہوئے تھے۔لیکن عزالدولہ کی کرمان پر حملے کے نتیجے میں کوچ و بلوچ کثیر تعداد میں مکران کی طرف مرجعت کر گئے اور کچھ قبائل توران میں جا بسے اور ان علاقوں کی مقامی حکمرانوں کو انہوں نے اپنے قابو میں رکھا۔(۱۶)

یہ وہی زمانہ تھا جب غزنوی خاندان افغانستان اور ایران میں زور پکڑ رہا تھا۔مکران اور بلوچستان کے دیگر علاقوں کا ان کے اثرات سے بچنا کسی بھی طرح ممکن نہ تھا۔

غزنوی دور

غزنوی ایک ترکی الاصل شاہی خانوادے کا لقب تھا جس کا بانی سبکتگین تھا۔ یہ سامانیوں کا جرنیل اور صوبہ دار تھا۔ اس خاندان کی حکومت تقریباً دو سو برس پر محیط تھی۔ [illegible]-۹۵۶ء کے زمانے میں جب الپتگین نے غزنہ کے علاقے میں اپنے پاؤں جما لیے تو وہ کسی حد تک سامانیوں کی بالادستی سے نجات حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔

۹۷۷-۹۷۸ء میں اس خاندان کی حکمرانی سبکتگین کے ہاتھ آئی۔ وہ اگر چہ کافی حد تک خود مختار تھا لیکن وہ سامانی حکمرانوں کا باجگزار تھا۔ سبکتگین اپنے انتقال (۹۹۷ء) تک حکومت کرتے رہے۔اس کے دور میں شمالی بلوچستان، غور، زابلستان اور تخارستان کے علاقے بھی غزنوی خاندان کے ہاتھ آئے۔اس کے علاوہ انہوں نے ہندوستان پر بھی حملے کئے۔ سبکتگین کی وفات کے بعد ان کا بیٹا محمود ۹۹۹ء میں تخت نشین ہوا۔ ۳۰ اپریل ۱۰۳۰ء میں جب محمود غزنوی کا انتقال ہوا اس کی سلطنت میں پنجاب، سندھ، شمالی بلوچستان (قصدار کی ریاست جھلاوان)، افغانستان، مکران، خراسان، ایران اور وسط ایشیا کے کئی علاقے اس کے قلمرو میں شامل تھے۔محمود کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد اس کا جانشین ہوا۔محمود کا چھوٹا بیٹا مسعود اپنے بھائی محمد کے جانشینی کے خلاف تھا۔ دونوں بھائیوں کے مابین لڑائی چھڑ گئی تو محمد نے اپنے بھائی مسعود کو زیر کرنے کے لئے جو لشکر ہمراہ ہرات جا کر مسعود کے ساتھ مل گیا۔ مسعود نے اپنے بھائی محمد کو گرفتار کیا اس کی دونوں آنکھیں نکال کر اسے قید میں ڈال دیا۔محمد کی حکومت ایک سال سے زیادہ نہ چل سکی۔ مسعود نے ۱۰۳۰ء سے ۱۰۴۰ء تک حکومت کی۔ مسعود اگر چہ دلیر تھا لیکن اس میں محمود جیسی صلاحیتیں نہ تھیں اور اسکے ساتھ ساتھ فوجی نقطہ نگاہ سے بھی اس کے دور حالات اس کے باپ کی نسبت کم سازگار تھے۔ مسعود کے دور حکومت میں سلجوقیوں نے اپنے آپ کو مستحکم کرنا شروع کیا اور انہوں نے دریائے آمو کے پار خراسان پر رفتہ رفتہ قبضہ جمانا شروع کیا۔ ہندوستان پر ایک یورش کے دوران مسعود کو سازش کے تحت اقتدار سے محروم کر کے قید خانہ میں ڈال دیا گیا اور حالت قید میں اسے (۱۰۴۱ء) قتل کر دیا گیا۔اس کے بعد اس خاندان میں کئی حکمران آئے اور آخری حکمران خسرو ملک تھا جس کا دور حکومت ۱۱۴۰ء سے لیکر ۱۱۸۶ء تک رہا۔اس خاندان کا خاتمہ غوری خاندان کے ہاتھوں ہوا۔(۱۷)

بلوچستان میں غزنوی حکمرانوں کے حملے کا آغاز سبکتگین کے دور میں ہوا۔سب سے پہلے انہوں نے سیستان اور پھر بست پر حملہ کیا۔ سبکتگین کے حکم پر اس کے ذاتی غلاموں، بغترض اور توغان

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

کی بیشی ہے تو آپ اس میں اضافہ کر سکتے ہیں اور بندہ اس کی بجا آوری کرے گا۔ اس کے علاوہ آپ اپنے دربار سے کسی کو مقرر کر کے اس کے ہاتھ ایک خلعت فاخرہ بھجوادیں۔ غلام آپ کا نام جمعہ کے خطبے میں شامل کر دے گا۔ اس کے نتیجے میں غلام جو کہ مکران کے حکمران ہیں، آپ کی سرپرستی میں اس ملک میں امن وامان سے حکومت کر سکے گا۔ اور آپ کا نام گرامی جمعہ کے خطبے میں پڑھا جائے گا"۔ (۲۲)

سلطان محمود غزنوی نے والی مکران عیسیٰ کی عرضداشت قبول کی اور اپنا ایک گماشتہ مکران بھیجا تا کہ وہ خراج کے حصول کی نگرانی کرے۔ یہ گماشتہ مکران اور قصدار دونوں علاقوں سے خراج کے امور کا نگران تھا۔ اس کے نتیجے میں عیسیٰ نے اپنے لشکر کے بہترین سپاہ کو ہیرے جواہرات کے ساتھ محمود کے دربار میں بھجوایا تا کہ غزنی سلطنت کے ساتھ اس کی وفاداری مسلم رہے۔ اس کے علاوہ اقرار نامہ میں سلطان کی طرف سے یہ شق بھی ڈال دی گئی تھی کہ عیسیٰ اپنے بھائی ابوعسکر کے لئے سالانہ وظیفہ مقرر کرے وہ اگرچہ سلطان محمود کے دربار میں رہیں گے۔ یہ وظیفہ انہیں سلطان کے دربار میں ملتا رہے گا جس کا خرچہ عیسیٰ برداشت کرے گا اور اس کے علاوہ ابوعسکر کے لئے دو خلعت فاخرہ بھی تجویز کئے گئے۔ محمود غزنوی کی ابوعسکر کی طرف اس قدر مائل ہونے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے سلطان سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنے بھائی کو معزول کر کے مکران کو کلیتاً غزنوی حکمرانوں کے حوالے کرے گا۔ محمود غزنوی بڑے عرصے سے مکران کی دولت کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہے تھے اور ابوعسکر کی شکل میں اسے ایک ایسا گماشتہ نظر آیا جو کہ اس کے مذموم مقاصد کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں اس کی مدد کرے گا۔

جب مسعود غزنوی اپنے بھائی کی آنکھیں نکالنے کے بعد تخت نشین ہوا تو مکران کے حکمران عیسیٰ کی اپنے معاصر قصدار کے حاکم کی طرح خراج دینے سے انکار کے حوالے سے کوئی بات سامنے نہیں آئی۔ اگرچہ خراج ادا نہ کرنے کا معقول وجہ نظر آیا۔ چونکہ مسعود اور محمد کے درمیان چپقلش کے نتیجے میں مالیہ کا سارا انتظام گڑبڑ ہو گیا تھا لہذا یہ ممکن ہے کہ عیسیٰ نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھا کر خراج کی ادائیگی بند کی ہو۔ کیوں کہ بعد میں پیش آنے والے واقعات سے یہ بات ثابت ہوتا ہے کہ جب مسعود نے اپنے چچا کی معیت میں قصدار پر حملہ کیا تھا تو انہوں نے ایک بہت بڑے لشکر جرار جس میں عراقی اور ترکمان سپاہی شامل تھے، انہیں اپنے جمعدار یاروق تو غمش کی سربراہی میں نومبر ۱۰۳۰ عیسوی (ذوالقعدہ ۴۲۱ ہجری) میں مکران پر حملہ آور ہونے کے لئے بھیجا۔ جب عیسیٰ کو مسعود غزنوی کی جنے کی خبر ملی ہے تو انہوں نے مکران کے مقامی لوگوں کو

اکٹھا کر کے ایک بڑا لشکر تشکیل دیا۔ اس میں تقریباً بیس ہزار کچی اور ریگی پیادے اور چھ ہزار سوار شامل تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے ہاتھیوں کا ایک جتھہ بھی اس جنگ میں شامل کیا۔ (ہاتھیوں کو جنگ میں استعمال کرنے کا فن مکران میں سندھ سے آیا تھا۔ جب راجہ داہر نے عربوں سے مقابلے کے لئے ہاتھی استعمال کئے تھے۔ اس واقعے سے بھی مکران میں ہندی اثرات کا پتہ چلتا ہے)۔ غزنوی لشکر اور مکرانیوں کے مابین ایک بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ عیسیٰ اس جنگ میں مارا گیا جس کے نتیجے میں مکران کے باسی غزنوی فوج کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہوئے۔ وادی بیچ اور اس کے اطراف میں مسعود کے سپاہی کئی دن تک لوٹ مار کرتے رہے اور انہوں نے مکران کو تہس نہس کر کے رکھ دیا تھا یہاں تک کہ وہ اس لوٹ مار سے تھک ہار کر رک گئے۔ ابن اطہر کے مطابق غزنوی کے سپاہیوں نے مکران کا ساحلی علاقہ بھی فتح کر لیا تھا اور تیز (تیس) کا ساحلی علاقہ بھی ان کی دست برد سے محفوظ نہیں رہا۔ اگر چہ اس واقعے کی بنتی کے حوالے سے تصدیق نہیں ہوتی۔ (۲۳)

اس جنگ کی تفصیل ملک سعید وہوار نے جی پی ٹیٹ (G.P. Tate) مولف سیستان کے حوالے سے یوں بیان کی ہے "غزنوی فوج کے جمعدار نے دو ہزار سوار نزدیک ہی کھجوروں کے جھنڈ میں چھپا کر مکرانیوں کی گھات میں بٹھا دیے۔ عیسیٰ اپنے لشکر کو لے کر غزنوی فوج پر ہلہ بول دینے کے خیال سے آگے بڑھا۔ وہ خود ہاتھی پر سوار تھا۔ اور دس دوسرے ہاتھی اس کے پیچھے جھوم جھوم کر آگے بڑھنے لگے، جن کو لڑائی کی خوب تربیت دی گئی تھی۔ لڑائی کے دوران مکرانیوں کا پلہ بھاری رہا اور قریب تھا کہ غزنوی فوج شکست کھا جائے، مکرانی لشکر کو کامیابی ہونے لگی تھی کہ جمعدار نے بڑی ہمت سے کام لے کر اپنے منتشر فوجیوں کو دوبارہ اکٹھا کر لیا۔ اسی دوران گھات میں بیٹھے ہوئے سوار بھی کھجوروں کے جھنڈ سے باہر نکل آئے اور مکرانیوں پر پل پڑے۔ مکرانی لشکر کو شکست ہوئی عیسیٰ کو ایک پہاڑی درے کے اندر گھیر کر گرفتار کیا گیا اس کے بعد اسے قتل کر کے غزنی فوج اس کا سر اپنے ساتھ غزنی لے گئے۔ انہوں نے سیکڑوں دوسرے لوگوں کو بھی جو لڑائی میں شامل تھے گرفتار کر کے موت کے گھاٹ اتار دیا۔ غزنوی فوجیوں نے دس دن تک شہر اور اس کے مضافات کو لوٹا اور بہت سا مال غنیمت اور مویشی جمع کر کے اپنے ساتھ لے گئے"۔ (۲۴)

اس قدر قتل وغارت گری کے بعد یاروق تو غمش نے مکران کی حکمرانی ابوعسکر کے حوالے کی۔ تاریخی حوالوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مکران کا والی ابوعسکر ہی تھا جس نے جشن مہرگان (ستمبر ۱۰۳۶ء) کے موقع پر مکران سے قیمتی تحائف غزنی کے دربار میں بھیجے۔ ابوعسکر کافی عرصے تک مکران پر حکمرانی کرتے رہے۔ اس کی موت غزنوی سلطان فرخ زاد کے دور حکمرانی کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

حوالہ جات:

1- Bosworth C. Edmund (1994) Rulers of Makran and Qusdar in the early islamic period. studia Iranica vol.23, pp 199-209

۲- دائرہ معارف اسلامیہ جلد نمبر ۸، صفحہ نمبر ۸۵

۳- دہوار، ملک سعید، (۲۰۰۷)، تاریخ بلوچستان، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، صفحہ نمبر ۲۸۹-۲۹۴

4- Bosworth C.E. (1994) opt. p 200

۵- ایضاً صفحہ نمبر ۲۰۱

۶- دہوار، ملک سعید، (۲۰۰۷)، صفحہ نمبر ۲۹۵

۷- امجد، یحییٰ (۱۹۹۷) تاریخ پاکستان، وسطی دور، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، صفحہ نمبر ۵۲۸

۸- ایضاً صفحہ نمبر ۵۲۸-۵۲۹

۹- Bosworth، صفحہ نمبر ۲۰۱-۲۰۲

۱۰- تاریخ سیستان، ملک الشعراء وبہار تہران ۱۹۳۵/۱۳۱۴، صفحہ نمبر ۲۸۰-۲۸۱، بحوالہ ایضاً صفحہ نمبر ۲۰۲

۱۱- ایضاً صفحہ نمبر ۲۰۲

۱۲- ابن حوقل بحوالہ Bosworth، ایضاً صفحہ نمبر ۲۰۲

۱۳- معجم البلدان، یاقوت، جلد پنجم، صفحہ نمبر ۱۸۰، بحوالہ Bosworth، ایضاً صفحہ نمبر ۲۰۳

۱۴- Bosworth، صفحہ نمبر ۲۰۳

۱۵- ایضاً صفحہ نمبر ۲۰۳، بحوالہ ابن حوقل II، صفحہ نمبر ۳۲۵، انگریزی ترجمہ II، صفحہ نمبر ۳۱۸، اور المقدسی صفحہ نمبر ۴۷۸-۴۸۲

۱۶- ایضاً صفحہ نمبر ۲۰۴-۲۰۵

۱۷- اردو دارۃ المعارف اسلامیہ، بار دوئم (۲۰۰۱)، جلد ۱۴/۲، صفحہ نمبر ۵۲۱-۵۲۷

۱۸- ابن اطہر، جلد ہفتم، صفحہ نمبر ۶۸۵ بحوالہ Bosworth، صفحہ نمبر ۲۰۵

۱۹- العتبی التاریخ الیمنی، بمعہ حواشی شیخ مانینی، قاہرہ (۱۸۶۹ء) جلد دوئم، صفحہ نمبر ۳۳-۱۳۲، بحوالہ Bosworth، صفحہ نمبر ۲۰۵

۲۰- ابوالفعل البیہقی، تاریخ المسعودی، تہران، ۱۹۳۵ صفحہ نمبر ۶۰، ۷۰، ۲۷۳، بحوالہ Bosworth، صفحہ نمبر ۲۰۵

۲۱- تاریخ سیستان صفحہ نمبر ۳۶۰-۳۶۱، اس تاریخ میں غزنوی گورنر کا نام ابو منصور کوانی لکھا ہوا ہے، بحوالہ Bosworth ایضاً صفحہ نمبر ۲۰۶ ۲۲- Bosworth، صفحہ نمبر ۲۰۶-۲۰۷ ۲۳- ایضاً صفحہ نمبر ۲۰۷

۲۴- ملک سعید دہوار، (۲۰۰۷)، صفحہ نمبر ۳۱۳-۳۱۴

۲۵- Bosworth، صفحہ نمبر ۲۰۸ ۲۶- البیہقی صفحہ نمبر ۲۹۱ Bosworth ایضاً صفحہ نمبر ۲۰۸

27- Raverty H.G. (1880-83) Notes on Afghanistan and Part of Baluchistan geographical, ethnographical, and historical. London. p 571

۲۸- Bosworth، صفحہ نمبر ۲۰۸

باب نہم

تاریک دور

بارہویں صدی تا پندرہویں صدی عیسوی

عربوں کی سندھ اور مکران میں فتوحات کے بعد سلاطین غزنی کے دور تک مکران میں مختلف خاندانوں کی حکومت رہی۔ اسی دوران سلجوق خانوادے ایک مضبوط طاقت کی صورت میں ایران کے شمالی علاقہ جات میں ابھر کر سامنے آئے اور آہستہ آہستہ انہوں نے اس پورے خطے پر اپنی حکمرانی کی مہر ثبت کی۔ ان ہی ادوار میں بلوچوں کو ایران کے مختلف علاقوں سے ہجرت کرنا پڑا اور وہاں سے وہ خطہ مکران میں مختلف گروہوں کی شکل میں آتے رہے۔ وسط ایشیا میں جب چنگیزی مغل ایک بڑی طاقت کی شکل میں ایشیائی ممالک کو تاخت وتاراج کر کے ایران اور عراق کی طرف آئے تو خوارزم کے بادشاہوں کو بھی اپنا وطن مالوف چھوڑ کر مکران کی طرف آنا پڑا۔ اس طوائف الملوکی کے دور سے لیکر بلوچ قبائل کا میر جلالان رند کی سرکردگی میں مکران کی طرف ہجرت تک تاریخ مکمل طور پر خاموش ہے۔ اگرچہ ان ہجرتوں کی وجہ سے ہمیں کہیں کہیں مکران کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے مگر سردست مکران کے اندرونی حالات کے بارے میں معلومات کا ذخیرہ انتہائی قلیل ہے۔ اس لئے اس دور کو تاریخ دان عموماً مکران کا تاریک دور کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اس دور کا دورانیہ چار سو سالوں پر محیط ہے۔

عرب دور مکران میں قدرے ترقی اور امن کا دور تھا اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیں مکران کے حوالے سے روایات واحوال بھی بڑی تعداد میں دستیاب ہوئے اور اسکے بعد غزنویوں کے ظالمانہ دور سے متعلق بھی کچھ نہ کچھ تاریخی مواد دستیاب ہے۔ لیکن تاریک دور میں سلجوقیوں، ترکوں اور منگولوں کے آئے دن کے حملوں سے اہلیان مکران کی تیرہ بختی میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ان ظالم لٹیروں کی ہوس ملک گیری اور مال وغنیمت نے مکران کے سرسبز وشاداب وادیوں کو ریگستانوں اور صحراؤں میں بدل دیا اور لوگوں میں زندہ رہنے اور زندگی سے کوئی دلچسپی باقی نہ رہی۔ اس تاریک دور میں جہاں نہ صرف تاریخ مکران کے حوالے سے خاموش ہے بلکہ اس کے قرب وجوار کے علاقوں کے حالات کے بارے میں احوال خال خال ہی دستیاب ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

کے تاجر اس راستے کو ہندوستان کے ساتھ تجارت کے لئے استعمال کرتے تھے۔ ان تجارتی قافلوں کو سب سے بڑا ڈر بلوچوں سے تھا جو کہ آئے دن انکے تجارتی قافلوں کو لوٹتے رہتے تھے۔ قوارد خان کی حوصلہ افزائی اور بلوچوں کی طاقت کو ختم ہوتے ہوئے دیکھ کر کرمان کے علاقے میں وسط ایشیا کے لوگ آ کر آباد ہوتے گئے اور اس طرح کرمان اور مکران کے قرب و جوار میں ان آباد کاروں کی بستیاں وجود میں آئیں۔(۵)

اگرچہ سلجوق بلوچوں کی سرکوبی کرنے میں کامیاب رہے لیکن ان ہی دنوں شاہان کارا کے کردوں نے سلجوقیوں کے خلاف بغاوت کردی۔ کردوں کی بغاوت کو فرو کرنے کی خاطر سلجوق حکمرانوں نے پہلے فارس کے گورنر نجم الدولہ خمارتگان کو اور اس کے بعد سن ۱۰۹۹ء میں فخر الدین چولی کوان کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔

الپ ارسلان کے وفات کے بعد اس کا بیٹا ملک شاہ تخت نشین ہوا تو اس کے مخالفین میں قوارد خان سرفہرست تھا جو کہ رشتے میں اس کا چچا تھا۔ قوارد خان کی حکمرانی کرمان اور اس سے ملحقہ علاقوں پر تھی۔ اس کی سب سے اہم ذمہ داری یہ تھی کہ بلوچوں کی سرکوبی کرے۔ لیکن جب اس نے دیکھا کہ اس کا بھائی الپ ارسلان وفات پا گیا تو وہ بھی تخت کا دعویدار بن بیٹھا۔ ملک شاہ اس کو اپنا سب سے بڑا دشمن تصور کرتا تھا۔ لیکن وہ قوارد خان کے ساتھ کسی قسم کی لڑائی کا خطرہ مول نہیں لینا چاہتا تھا کیونکہ بہرحال وہ اس کے چچا تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ قوارد خان کے کرمان میں تیس سالہ دور حکومت نے انہیں جنگی چالوں کا ماہر بنا دیا تھا۔ لہٰذا وہ اپنے اس تجربے کو اپنے بھتیجے پر آزمانا چاہتا تھا تاکہ وہ تخت پر قابض رہے۔ اس کے علاوہ اس نے وسط ایشیا کے ترک قبائل کو کرمان اور اس کے قرب و جوار میں آباد کرنا شروع کیا تاکہ وہ بوقت ضرورت ان کو اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر سکے چونکہ ان ترکوں کی اکثریت مفلوک الحال قبائل پر مشتمل تھی، جب انہوں نے قوارد خان کے ساتھ ملکر مکران اور کرمان کو لوٹا تو ان کی مالی حیثیت مستحکم ہوگئی۔ چونکہ ان کی مالی حالت کے استحکام میں قوارد خان کا ہاتھ تھا لہٰذا انہوں نے قوارد خان کے آواز پر لبیک کہنے کو اپنا فرض سمجھا۔ اس دوران قوارد خان نہ صرف مکران اور کرمان میں اپنی حکومت کو مستحکم کر چکا تھا بلکہ وہ بحر بلوچ (خلیج فارس) کو عبور کر کے عمان کو بھی سلجوقیوں کے قلمرو میں شامل کرنے میں کامیاب ہوا۔ عمان کے مہم کے دوران اس نے ہرمز کے ساحلی علاقوں کو بھی پامال کیا اور لوٹ مار کی۔ جب اسے ملک شاہ کی تخت نشینی کی اطلاع ملی تو وہ عمان سے واپس کرمان آئے۔ اس نے بہت ہی عجلت میں سمندر پار کی۔ اسی عجلت کے نتیجے میں اس کے لشکر کی کئی کشتیاں ڈوب گئیں اور بے شمار سپاہی سمندر

ہو گئے۔ ہوس اقتدار بڑی بری شے ہے عہد ماضی کے مطلق العنان اور جابر حکمران اس کے لئے انسانی جانوں کی پامالی سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ فارس واپسی کے بعد وہ ملک شاہ سے ملا اور تخت پر اپنی وراثت کو جائز ثابت کرنے کے لئے اس سے کہا کہ چونکہ میں الپ ارسلان کا بڑا بھائی ہوں اور تم الپ ارسلان کے بیٹے ہو لہٰذا میں تم سے زیادہ تخت و تاج کا حقدار ہوں۔(۶)

اس کے جواب میں ملک شاہ نے کہا کہ بھائی تخت کا وارث نہیں ہوتا بلکہ کسی بھی بادشاہ کے تخت کا وارث اس کا بڑا بیٹا ہوتا ہے لہٰذا تمہیں کوئی حق نہیں کہ تخت کی وراثت کا دعویٰ کرو۔ اس کے بعد ان میں آپس میں جنگ چھڑ گئی۔ قوارد کو ان ترکوں کی حمایت حاصل تھی جنہیں انہوں نے مکران اور کرمان میں لاکر بسایا تھا جب کہ ملک شاہ کو اپنے وفادار غلاموں کے علاوہ ان عرب آباد کاروں کی حمایت بھی حاصل تھی جو کہ سلجوقیوں کے معاشی اصلاحات کی وجہ سے فارس اور عراق کے دیگر علاقوں میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ ملک شاہ کو جنگ میں فتح نصیب ہوئی اور قوارد کو ایک شکست خوردہ کی حیثیت میں دربار میں لایا گیا۔ ملک شاہ انہیں نہیں مارنا چاہتا تھا لیکن اس کے وزیر یا تدبیر نظام الملک نے اس کو مشورہ دیا کہ اگر اس کو زندہ چھوڑ دیا جائے تو پھر وہ کل کلاں ایک اور مصیبت نازل کردے گا۔ چونکہ آپ نے اس کے خون بہانے سے اجتناب کی قسم کھائی ہے لہٰذا اس کو مارنے کے لئے کمان کو استعمال کیا جائے۔ کمان کی تار سے اس کا گلہ گھونٹ دیا جائے تاکہ تمہاری قسم بھی باقی رہے۔ اس طرح خون بہائے بغیر ملک شاہ نے قوارد خان سے چھٹکارا پایا۔

قوارد سے نجات پانے کے بعد ملک شاہ نے صوبہ کرمان کو اپنے وفادار غلام سوتگین کے حوالے کیا۔ بعد میں اس نے کرمان کو قوارد خان کے بیٹے رکن الدولہ سلطان شاہ کے حوالے کیا۔ رکن الدولہ کرمان پر ۱۰۷۴ء سے لیکر ۱۰۸۵ء تک حکومت کرتا رہا۔ اس کے بعد کرمان کی حکومت کی باگ ڈور عماد الدولہ توران کے حوالے کیا گیا جو کہ ۱۰۸۵ء سے لیکر ۱۰۹۷ء تک تخت پر براجماں رہا۔ کرمان کے یہ مقامی حکمران فارس پر بھی حکومت کرتے رہے۔(۷)

کرمان اور مکران پر سلجوقی ترک حکمرانوں کی حکومت کے بارے میں ملک سعید جی پی ٹیٹ کے حوالے سے خیال ظاہر کرتے ہیں کہ سلجوقیوں کے دور کا آخری ترک حکمران ملک دینار تھا۔ جنہوں نے ۱۱۸۱ء میں کرمان میں اپنی حکومت کو مستحکم کیا اور ۸۸-۱۱۸۷ء میں کرمان اور مکران کا آخری سلجوقی حکمران فوت ہوا۔ اس کے بعد اسی سال (۱۱۸۸ء) امام الدین ملک دینار نے کرمان میں اپنی حکومت قائم کر لی اور مکران کا کچھ حصہ بھی اس میں شامل کیا گیا۔ انکے مطابق یہ خاندان کافی عرصے تک کرمان اور مکران پر حکومت کرتا رہا۔ اس خاندان کی حکومت کا خاتمہ ۱۲۱۰ء میں ہوا۔(۸)

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

بھاری لشکر لے کر گواشیر کے دروازے کا محاصرہ کرلیا۔ابوالقاسم اور براق حاجب میں مدتوں تک شدید لڑائی جاری رہی۔ براق حاجب نے آخر ابوالقاسم کو شکست دی اور وہ کرمان کا حاکم بن گیا۔ ہندوستان کے مہم سے ناکامی کے بعد جب خوارزم شاہ مکران کے راستے کرمان پہنچے تو براق حاجب کو اس کی اطلاع ملی۔اس نے آگے بڑھ کر سلطان کا استقبال کیا اور اس اثناء میں شجاع الدین بھی گواشیر پہنچ گیا۔سلطان کے ساتھ لشکر کم تھا اور براق حاجب کی طرف سے اسے اندیشہ تھا، چنانچہ اس نے مملکت کرمان براق حاجب کی حوالے کی اور خود عراق عجم چلا گیا۔جب جلال الدین کے عراق عجم کی طرف مرجعت کی تو آق سلطان نے کرمان کے تخت کو حاصل کرنے کی ایک مرتبہ پھر کوشش کی لیکن وہ براق حاجب سے شکست کھا گیا اور اس لڑائی میں وہ مارا گیا۔ (۱۳)

سلطان خوارزم شاہ فارس سے ہوکر عراق پہنچے۔عراق پہنچنے کے بعد اس نے اپنے بکھرے ہوئے طاقت کو یکجاہ کرنے کی کوشش کی اور اس دوران انہوں نے منگولوں پر حملے بھی جاری رکھے ۔لیکن منگولوں نے بھی اس کا پیچھا نہ چھوڑا اور ایک چھوٹے سے لشکر نے موغان کے بے آب وگیاہ میدان میں اس کے گرد گھیرا تنگ کردیا۔جلال الدین راہ فرار اختیار کر کے اخلاط اور پھر آمد نامی علاقے کے نواح میں پہنچا۔یہاں اسے منگولوں کی شبخون کا سامنا کرنا پڑا۔۱۷ اگست ۱۲۳۱ء کو ایک کردی گاؤں میں کسی نے لالچ یا انتقام کے سبب اس کو قتل کرڈالا۔(۱۴)

جب بغداد پر خلیفہ الناصر الدین اللہ کی حکومت تھی تو سلطان تکش بن خوارزم شاہ نے بغداد پر حملہ کردیا۔اس جنگ میں جب خلیفہ کے لشکر نے شکست کھائی تو خلیفہ نے غور اور غزنوی خلفاء کو خطوط لکھے۔اس زمانے میں ہندوستان پر سلطان غیاث الدین محمد کی حکومت تھی انہوں نے امام شمس الدین ترک،ابن الربیع،ابن الخطیب اور طبقات ناصری کے مولف منہاج سراج کے والد سراج منہاج کو پیغام بری کے لئے نامزد کیا۔تکش خوارزم شاہ کی بغداد پر حملے کی تاریخ ۵۹۰ تا ۵۹۲ھ کا درمیانی عرصہ ہے۔مولانا سراج منہاج نے بحیثیت قاصد اور سفیر کے اپنے فرائض بخوبی انجام دیئے اور ۵۹۲ھ میں مکران میں وفات پا گئے۔اس طرح مکران اس عظیم وقائع نویس کے والد کا مرقد ٹھہرا۔تیرہویں صدی کے آخر اور چودھویں صدی کے اوائل میں ترک منگولوں نے ایک مرتبہ پھر مکران اور قرب وجوار پر حملہ کیا۔اس حملہ میں ترک منگول خانہ بدوشوں کے چغتائی اولس جو کہ نیکودرس یا نیگودرس تھے جنہیں مارکو پولو نے قروعنہ کہا ہے، کے قبائل پر مشتمل تھے۔ انہوں نے ہورمُز کے پرانے شہر کو تہہ وبالا کیا اور اس کے علاوہ خراسان، کرمان، بجستان اور مکران کو تاخت وتاراج کر کے رکھ دیا۔(۱۵)

[illegible]ائی اولس کے خانہ بدوش ترکوں نے مکران کے تمام بڑے شہروں کو لوٹا، دیہاتوں کو اپنے [illegible] کے سموں تلے روند ڈالا۔لوگوں کا قتل عام کیا اور عورتوں کی آبروریزی کی۔ان منگول حملہ آوروں سے پیشتر مکران ایک پر امن اور سرسبز وشاداب علاقہ ہوا کرتا تھا۔(بلوچی محاورہ [illegible] سبزیت بلےلاپ جت نہ سبزیت''یعنی جس قوم کو لشکر تاراج کریں وہ قوم دوبارہ اپنے [illegible] سکتی ہے مگر جس قوم کو پیٹ تاراج کرے وہ ہمیشہ بدحال رہتی ہے)۔ان حملوں نے ایک [illegible] واضح کی ہے کہ مکران کے لوگوں میں ان آئے دن کے حملوں کے باوجود ہمت اور لگن باقی تھی [illegible] ہر تباہی کے بعد مکران کو پھر سے سرسبز وشاداب کرنے کے لئے انتھک محنت سے کام لیا۔ [illegible] حملوں میں مکران کے آبادی کے ایک بڑے حصے کو غلام بنا کر فارس اور عراق کے منڈیوں میں [illegible] گیا۔اگر چہ مقامی روایتوں کے مطابق شاہو نامی ایک شخص جو کہ پیشکان کے قریب پسو کا رہائشی [illegible] ان پر ترک حملہ کر کے اس کی مال مویشی ہنکا کر لے گئے۔اس جنگ میں شاہو اور اس کا بھتیجا [illegible] مارے گئے لیکن تاریخ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ مکران کا ساحلی علاقہ ترکوں کے ظلم و ستم کا تختہ مشق رہا ہو۔ پیاسنتنی (Piacentini) کے مطابق مکران کا ساحلی علاقہ اپنے مخصوص جغرافیائی صورتحال کی وجہ سے ان حملوں سے محفوظ رہا۔اس کی وجہ اس کے اطراف میں پائے جانے والے دشوار گزار پہاڑی علاقے ہیں مثلاً تلار اور پیدارک کے قرب وجوار میں پائے جانے والے پہاڑ [illegible] ان حملہ آوروں سے ساحلی باشندوں کو بچاتے رہے اور وہ ایک طرح سے آزادانہ طور پر زندگی بسر کرتے رہے۔اس طرح ان ساحلی علاقوں میں تجارتی سرگرمیاں جاری وساری رہیں۔(۱۶)

اس کے علاوہ عین ممکن ہے کہ چونکہ ترک حملہ آور ان علاقوں سے تعلق رکھتے تھے جو کہ سمندر سے [illegible] واقع تھے لہذا سمندری علاقوں پر غلبہ ان کی سرشت میں نہ تھا اور سمندر سے حاصل ہونے والی خوراک ان کا من بھاتا کا جانہ تھا اس کے برعکس اندرون مکران کے علاقوں میں اگنے والے اجناس اور مویشیوں کے ریوڑوں کو لوٹنا ان کا پسندیدہ شغل تھا جن کے حصول کے لئے وہ ان علاقوں پر حملہ آور ہوتے رہے اس کے ساتھ ساتھ ترک حملہ آور ان معاشی سرگرمیوں سے آگاہ نہ تھے جو سمندر کے راستے کی جاتی تھیں چونکہ ان سرگرمیوں کے لئے مستقل تمدنی زندگی سے واقف ہونا ضروری تھا اور یہ وحشی لٹیرے ابھی تک متمدن زندگی کے اسرار ورموز سے واقف نہ تھے۔لہذا سمندر ان کے لئے کوئی کشش نہیں رکھتا تھا۔اس لئے مکران کے ساحل پر بسنے والے باشندے ان کی دسترس سے محفوظ رہے۔

اہلیان مکران نے ان حملوں کے خلاف اپنے علاقوں میں قلعے تعمیر کروائے تا کہ وہ ان حملہ آوروں کا مقابلہ کرسکیں۔اسی طرح ان حملوں کے نتیجے میں مکران کی مرکزی قوت چھوٹے چھوٹے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

چونکہ ماضی میں ساحل اور اندرون ملک ایک دوسرے کے دشمن تھے اور ساحلی باشندے آئے دن ان تجارتی قافلوں کو لوٹتے رہے جس کے نتیجے میں کافی خونریزی اور قتل غارت گری ہوتی تھی لیکن جب سے مکران کے متمول خاندان ہرمز جا بسے اور ان کے حکمران خاندان کے تعلقات دور دراز استوار ہوئے تو انہوں نے ساحلی علاقوں کو اندرون ملک کے ساتھ باہم شیر وشکر کر لیا۔ اس طرح مکران میں سولہویں صدی تک امن وامان کا دور دورہ تھا۔ (۲۰)

مکران کے مرکز کیچ سے نہ صرف ساحل مکران میں تجارتی قافلے جاتے رہے بلکہ کیچ سے زمینی راستے کے ذریعے بھی تجارتی قافلے ہرمز اور فارس کے دیگر علاقوں تک جاتے تھے۔ اسی طرح فارس کے تجارتی قافلے کیچ کے راستے سے وادی سندھ جاتے رہے۔ اس طرح کیچ مشرق و مغرب کے درمیان ایک اہم تجارتی شہر کی صورت میں دوبارہ آباد ہوا اور ترقی کے منازل طے کرنے لگا۔ مکران جو کہ پانچ صدیوں تک ترک اور منگول حملہ آوروں کے زد میں رہا اور مسلسل ان کا تختۂ مشق بنا رہا، ان حملوں کے نتیجے میں ساسانی دور کے بنائے گئے کاریزات اور پانی کے دیگر ذرائع تباہ و برباد ہوئے۔ لیکن ان تجارتی سرگرمیوں کی وجہ سے مکران خوشحالی کے نئے دور میں داخل ہوا۔ اہلیان مکران نے ان کاریزات اور پانی کے دیگر ذرائع کو دوبارہ قابل استعمال بنایا۔ باغات اور کھیت دوبارہ سرسبز وشاداب ہونے لگے لوگوں کی معاشی زندگی میں ایک انقلاب آ گیا۔

سولہویں صدی میں احمد بن ماجد جو کہ معروف پرتگیزی قزاق واسکوڈی گاما کا ناخدا تھا، انہوں نے اپنی کتاب ''کتاب الفوائد فی حصول البحر وقواعد'' میں عمان اور مکران کے ساحلی علاقوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ وہ ان علاقوں کی تجارتی سرگرمیوں اور ثقافتی ترقی کو دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے۔ مسقط کے متعلق لکھتے ہیں کہ یہاں پر سن (Sin)، سندھ، مکران، ہند اور ہرمز سے تاجر آتے تھے اور اپنے مال واسباب کو مغرب سے آئے ہوئے تاجروں کو فروخت کرتے تھے۔ (۲۱)

اس طرح مکران میں تجارتی سرگرمیوں کے دوبارہ اثر پذیر ہونے کے شواہد ملتے ہیں اور وہ علاقہ جسے ماضی میں دشوار اور مشکل ترین علاقہ قرار دیا جاتا تھا، اب نئے دور میں داخل ہو گیا تھا اور ترقی کے نئے منزلوں کی جانب گامزن تھا۔ احمد بن ماجد مکران کے ساحلی علاقوں کی ترقی اور اس کے بندرگاہوں کی گہما گہمی سے بہت متاثر ہوئے۔ اس کے مطابق ان ساحلی علاقوں میں ''اہلیان ہند اور فارس کے لوگ آپس میں شیر شکر نظر آئے۔ اس کے علاوہ عرب جہاز راں بھی مکران کے ساحلی علاقوں کو مشرقی ایشیا اور افریقہ کے درمیان تجارتی مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہوئے نظر آئے''۔ (۲۲)

اسی طرح اندرون ملک سے تاجر قیمتی سامان جس میں شیشم کی لکڑیاں اور اس کے علاوہ قیمتی و نیم قیمتی پتھر Lapis Lazuli, Carnelian اور turquoise وغیرہ اس کے علاوہ سوتی پارچہ جات، موتیاں، ظروف اور مصالحہ، ہندوستان اور مشرقی افریقہ کے علاقوں سے لاتے اور لے جاتے رہے۔ اس کے علاوہ مکران کے تجارتی تعلقات مشرق بعید کے ممالک، ایران کے آباد یاتی علاقوں اور بحیرہ روم کے خطوں کے ساتھ بھی تھے۔ مکران کے ساحلی بندرگاہ جسے احمد بن ماجد نے بسنی (Basni) کہا ہے جو کہ موجودہ پسنی ہے (چونکہ عربی زبان میں ''پ'' کو ''ب'' میں تبدیل کیا جاتا ہے) اس کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ ''یہ ایک اچھا بندرگاہ ہے جو کہ سمندری طوفانوں سے کافی محفوظ ہے۔ اس کی بلند پہاڑیاں اور ان کی پشت پر پھیلی ہوئی ریگستان اس کی قدرتی محافظ ہیں۔ یہ علاقہ چھوٹے چھوٹے قصبات پر مشتمل ہے۔ یہاں پر جہاز راں میٹھے پانی کے حصول کے لنگر انداز ہوتے ہیں جو کہ ایک ندی سے حاصل کیا جاتا ہے''۔ (۲۳)

یہ ندی پسنی کے قریب مشہور شادی کور ہے جو کہ اس شہر کو میٹھا پانی مہیا کرنے کا اہم ذریعہ ہے۔ جو پہاڑ پسنی بندرگاہ کو قدرتی حصار فراہم کرتا ہے۔ یہ سنگلیں کوہ ہے جہاں ماقبل تاریخ کے ہڑپہ دور کے آثار دریافت ہوئے۔ ماقبل تاریخ کے آثار کے علاوہ اس علاقے سے عرب دور سے تعلق رکھنے والے ظروف کے ٹکڑے بھی ملے ہیں، ان کا ذکر پچھلے ابواب میں کیا جا چکا ہے۔ اس زمانے میں پسنی ایک اہم تجارتی بندرگاہ تھا جو کہ مشرقی و مغربی تاجروں کے درمیان تجارتی سامان کے تبادلے کا اہم مرکز تھا۔ احمد بن ماجد کے توسط سے ہمیں مکران کے نئے دور میں داخل ہونے کی نوید ملتی ہے۔ احمد بن ماجد کے دورے کے چند سالوں بعد اس شہر پر پرتگیزی قزاق حملہ آور ہوئے اور انہوں نے اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا ڈالی۔ پرتگیزی قزاقوں سے پیشتر یہاں نہ صرف ایشیا و افریقہ کے تاجر آتے رہے بلکہ یورپی تاجر بھی اس خطے میں آتے رہے۔ یہاں آنے والے یورپی تاجر اپنے اجداد سے مختلف اور فنی لحاظ سے افضل تر تھے اور انکے مقاصد پرجوش تھے جس کا اثر مکران اور ہندوستان کے مختلف خطوں پر پڑا اور ان خطوں میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ جس پر کچھ کہنے سے پیشتر ہم ایک مرتبہ پھر کرمان کے طرف واپس چلتے ہیں جہاں ایک قوم آباد ہے جسے بلوچ کہا جاتا ہے جنہوں نے سلجوقیوں اور دیگر ترک اقوام کے ناک میں دم کر رکھا ہے اور وہ اپنا آخری ہجرت کبیر کے لئے کمر بستہ ہیں۔ ان کا رخ مکران کی طرف ہے جہاں پہلے سے انکے بھائی بند متمدن شکل میں آباد ہیں۔ سرزمین مکران اپنے باشندوں کو انکے بھائی بندوں کی آنے کی نوید سنا رہا ہے اور ان علاقوں کو انکے نام نامی سے منسوب کرنے کے لئے بے چینی سے کروٹ بدل رہا

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

فراہم کرنے کے لئے ایک چشمہ موجود تھا اور جامعہ مسجد عام منڈی میں واقع تھا گو کہ مسلمان وہاں صرف غیر مہذب بلوھی تھے جن کی زبان ایک غلط ملط شدہ مبہم بولی تھی۔(۳)

دسویں صدی عیسوی میں پنجگور میں آباد ہونے کے کچھ عرصے کے بعد بلوچوں کی ہجرت کی جبلت نے انہیں آگے بڑھنے پر مجبور کیا اور وہ سندھ کے سرسبز و شاداب خطے کی طرف بڑھنے لگے۔ سندھ کا زمین نہایت زرخیز تھا اور یہاں پانی بھی وافر مقدار میں دستیاب تھا۔ مناسب موسم کی وجہ سے سندھ ان کی جائے پناہ کے لئے صحیح انتخاب تھا۔ اس ضمن میں گنگوری، سید سلیمان ندوی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ "بلوچ سندھ میں سومروؤں کے دور حکومت میں داخل ہوئے"۔(۴)

تیرہویں صدی عیسوی (۱۲۵۰ء) کے نصف کے اختتام کے بعد بلوچ قبائل سندھ میں طوائف الملوکی کے پھیلنے کی وجہ سے دوبارہ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ وہ ایک سیلاب بلاخیز کی مانند سندھ کے بالائی علاقوں یعنی بہاولپور کی طرف مرجعت کر گئے اور ملتان کے نواحی میں آباد ہوتے گئے۔ ۱۲۸۰ء اور ۱۲۸۷ کے دوران سلطان غیاث الدین بلبن کے دور حکومت کے آخری ایام میں بلوچ مستقل طور پر ملتان کے مضافات میں آباد ہو گئے تھے۔(۵)

بلوچوں کی پہلی حکومت

اگرچہ دسویں اور گیارہویں صدی عیسوی میں کرمان اور سیستان میں بلوچوں کی موجودگی کے ثبوت ہمیں مختلف ذرائع سے ملتے ہیں لیکن بلوچوں کی پہلی حکومت کے حوالے سے تاریخ خاموش ہے۔ اس کے لئے ہمیں بلوچوں کی سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والی قومی اشعار کا سہارا لینا پڑے گا۔ جن کی روشنی میں تاریخ کی راہ متعین کرنے کی کوشش کی جائیگی۔

بارہویں صدی عیسوی میں بلوچوں کے چوالیس طائفے سلجوقیوں کے دباؤ کے نتیجے میں سیستان اور کرمان سے ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ یہ طائفے میر جلالان کی سرکردگی میں مکران میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ مکران کے مقامی حکمران ہارون کو شکست دینے کے بعد وہ اس خطے پر حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوئے۔(۶)

مکران کے مقامی باشندوں کے بارے میں عنایت اللہ بلوچ لکھتے ہیں کہ مکران کے مقامی باشندے عرب اور جٹ جنہیں عربوں نے زط لکھا ہے، پر مشتمل تھے۔ بلوچوں کی ہجرت کے نتیجے میں یا تو یہ قبیلے لڑائی میں کام آئے یا پھر وہ بلوچوں کے عظیم تر قومیت میں ضم ہو گئے۔ بلوچوں کی رزمیہ شاعری میں میر جلالان بلوچ قوم کے سربرہ کے طور پر جانا جاتا ہے۔ ان کی اولاد کی تعداد

چالیس تھی جس میں سے چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ ان کی اولاد کے ناموں کی نسبت سے ان سے منسلک قبائل کے نام بھی وہی سہرے۔ میر جلالان کے اولادوں کے نام کچھ اس طرح سے ہیں رند، لاشاری، کورائی، ھوت اور جتوئی بی وغیرہ۔(۷)

ان پانچوں کے علاوہ رزمیہ شاعری کے حوالے سے بلو اور علی کو بھی ان کے اولاد میں شمار کیا جاتا ہے۔ بلو سے بلیدی قبیلے کا آغاز ہوا جبکہ علی کے دو بیٹے عمر اور گزین تھے جن سے عمرانی اور گزینی قبیلے وجود میں آئے۔

بلوچ قوم کے آغاز کے حوالے سے ان ہجرتوں کو بلوچ مورخین مختلف نظروں سے دیکھتے ہیں اور اپنے اپنے انداز فکر کے حوالے سے ان کی تفسیر کرتے ہیں مثلاً عنایت اللہ بلوچ آخری والی قلات احمد یار خان کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ مکران میں "بلوچوں کی عظیم ہجرت کے نتیجے میں تین گروہ کھل کر سامنے آئے ان میں سے ایک گروہ اپنے آبائی علاقہ سیستان اور کرمان میں حالات سازگار ہونے کے بعد واپس چلے گئے اور وہیں آباد ہو گئے۔ جب کہ دوسرا بڑا گروہ مکران میں ہی آباد ہو گیا۔ تیسرا گروہ جو کہ بروہی کہلاتے تھے وہ قلات میں آ کر آباد ہو گئے"۔(۸)

قلات میں آ کر بسنے والے بلوچ جنہیں بروہی کہا گیا ان کا سربراہ میرو تھا جس نے خوانین قلات کی حکومت کی بنیاد رکھی۔(۹)

میر جلالان کے وفات کے بعد میر رند کو اس کے جانشین کے طور پر چن لیا گیا۔ میر رند کی تخت نشینی کے خلاف ان کے چھوٹا بھائی میر ھوت نے اس کی مخالفت میں اپنے تخت نشینی کا اعلان کیا۔ انہوں نے مکران کے پایہ تخت کیچ میں اپنی تخت نشینی کی رسم یعنی آس روک ادا کر کے اپنی بادشاہت کا اعلان کیا۔ میر رند جو کہ تخت کے جائز وارث تھے اس کو تخت نشینی کی رسم کیچ سے باہر ادا کرنا پڑا۔ میر ھوت کے بغاوت سے شہہ پا کر میر رند کے دیگر برادران نے بھی اپنے اپنے طور پر آس روک کی رسم ادا کر کے اپنی تخت نشینی کا اعلان کیا جس کے نتیجے میں تخت کے چار وارث پیدا ہو گئے۔ عنایت بلوچ ڈیمز کے حوالے سے آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "اس طرح میر جلالان کے پسران کے اپنے طور پر آس روک کی رسم ادا کرنے کی صورت میں بلوچ قوم پانچ مختلف شاخوں میں بٹ گئی جن کی سربراہی میر جلالان کی یہ اولاد کر رہی تھی اور ان کی وجہ سے بلوچوں کے اولین پانچ قبائل وجود میں آئے۔(۱۰)

ہر قبیلہ نے اپنے لئے الگ الگ علاقے چن لئے اور چھ نسلوں تک ان قبائل کی اپنے اپنے علاقوں پر حکومتیں قائم رہیں۔ یہاں تک کہ میر رند کے اولاد میں سے میر چاکر پیدا ہوا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

بلوچوں کی عہدی شاعری (قدیم شاعری) اس حوالے سے زرخیز ہے اور انہیں بطور تاریخی ماخذ ما[illegible] ایک ایسا موضوع ہے جس پر ابھی تک تاریخ دان کسی حتمی رائے پر نہیں پہنچ سکے۔ لیکن یہ عہدی شاعری اس لئے اہم ہیں کہ اس سے بلوچوں کے عہد قدیم میں بودوباش اور ان کی تاریخ سے متعلق آگہی ملتی ہے لہٰذا ان سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا۔ رندولاشار کے متعلق شاعر کہتا ہے:

بنیادی طور پر رندولاشار دو بھائی ہیں
اور اسے بھی دنیا جانتی ہے کہ امیر حمزہ کے اولاد میں سے ہیں
ان کے قصے دنیا میں مشہور ہیں
وہ طاقت ور ہیں اور ممالک پر انکی دھاک بیٹھی ہوئی ہے (۱۶)

بلوچوں کے نسب نامے کے متعلق شاعر کہتا ہے:

ہم (رندولاشار) امیر حمزہ* کی اولاد ہیں
نصرت ایزدی ہمارے ساتھ ہے
ہم حلب سے اٹھے (حلب سے کوچ کا آغاز کیا)
یزید نما دشمنوں سے برسر پیکار رہنے کے بعد
کربلا اور بمپور کو درمیان چھوڑ کر
سیستان کے شہروں میں ہم نے ڈیرے ڈال دیئے

اس زمانے میں سیستان شہر میں شمس الدین کی حکومت تھی ان کے بلوچوں کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔ لیکن ان کی وفات کے بعد جب بدرالدین اس علاقے کا بادشاہ بنا تو انہوں نے بلوچوں کے ساتھ بدترین سلوک کیا جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

جب شمس الدین بادشاہ تھے
وہ بلوچوں کی خاطر مدارت کیا کرتے تھے
اب جبکہ بدرالدین آئے
ہم پر اس نے اچانک تشدد شروع کیا (۱۷)

*امیر حمزہ کے متعلق غلام رسول کلمتی کا خیال ہے کہ یہ امیر حمزہ حضور اکرم ﷺ کے چچا نہیں تھے بلکہ یہ میر جلالان کے آباواجداد تھے، اور ان کا تعلق عربستان سے نہیں بلکہ بحیرہ خضر یا کوہ البرز کے علاقے سے تھا اور یہ انہی علاقوں میں سے کسی علاقے کا کوئی سردار یا با اثر شخص تھا۔ میر جلالان کے چوتھے پشت کے بعد ان کا شجرہ کچھ یوں ہے: احمد بن ابراہیم بن سعد بن عمر بن امیر حمزہ (غلام رسول کلمتی ذاتی ابلاغ)

بدرالدین کے ظلم وستم کے نتیجے میں بلوچ سیستان سے میر جلالان کی سربراہی میں جلکین (جالک کے بالائی علاقے) سے مکران کی طرف ہجرت کر گئے۔ جہاں اس زمانے میں پہلے سے [illegible] آباد تھے۔ لیکن جلد ہی ان کا دل مکران سے بھر گیا اور ان کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ مکران کے دشت وجبل میں پڑے رہنے سے بہتر ہے کہ آگے بڑھ کر زرخیز وشاداب زمینوں اور چراگاہوں پر قبضہ کیا جائے۔ چنانچہ داستان گو کہتا ہے

ایک دن رندولاشار جمع ہوئے
اور آپس میں انہوں نے یہ فیصلہ کیا
کہ آؤ اب یہاں سے چلیں
سرسبز وشاداب وادیوں کی طرف
ندیوں، چشموں اور زرخیز خطوں کی طرف
ان پر قبضہ کریں اور آپس میں بانٹ لیں
دوسری قوموں اور ان کے راجاؤں کو خاطر میں نہ لائیں
(اس فیصلے کے بعد) وہ اپنے خیموں کی طرف آئے
حکم دیا اپنے غلاموں اور تنومند نوکروں کو
کھول لاؤ تازی گھوڑوں کو اصطبلوں سے
زین کس دوان عقابی ونوہزاری گھوڑوں پر
لے آؤ ندیوں اور نالوں والی چراگاہوں سے
خوبصورت اونٹوں کے گلے کو
خاوندوں نے اپنے حسین بیویوں کو آواز دی
بادگیروں اور سائے بانوں سے باہر نکل آؤ
قالینوں، پلنگوں، دریوں اور سرخ کمبلوں کو
گدیلوں، پھولدار لحافوں اور چاندی کے برتنوں کو
تانبے اور تاس کے دیگچیوں کو اور تھالیوں کو
بلور (شیشہ) کے گلاسوں اور مکران کے بنے ہوئے پیالوں کو
رنداب یہاں نہیں رہیں گے، دور علاقوں میں جائیں گے
رندوں نے اپنے دھڑ ڈھانپ لئے قباؤں اور ریشمی ملبوسات سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

اپنے جواں اونٹ لیکر

گوہر کو دشمنی کی خوف سے کوچ کرنا پڑا

اس کی قسمت اسے دوسرے ملکوں کو لے چلی

وہ درہ بولان میں داخل ہوئی

اور چاکر کے دربار میں جاکران سے گویا ہوئی

گہرام نے مجھے بھگا دیا۔ میں تمہاری پناہ لینے آئی ہوں

میرے اونٹوں کے گلوں کے لئے چراگاہ بتادے

میر چاکر نے جواب میں کہا

اپنے لئے کوئی بھی علاقہ منتخب کرلو

بہتر ہے کہ کچھڑوک کے نہری علاقہ میں بس جاؤ

وہ تمھارے اونٹوں اور ہار جیسی گائیوں کے لئے بہترین چراگاہ ہے

(کئی ماہ گزرنے کے بعد)

دنوں میں سے ایک دن کا ذکر ہے

کہ اچانک چاکر کچھڑوک کے نہری علاقے میں آیا

گوہر کی اونٹنیاں غمگین اور نالہ کناں تھیں

چاکر نے اونٹنیوں کی غمناکی کا سبب معلوم کیا۔ گوہر نے تصادم کے خطرے کے پیش نظر پہلے بات کو ٹال دیا لیکن میر چاکر اور میران (چاکری فوج کا کماندار) کے اسرار پر گوہر نے تمام واقعات ان کے گوش گزار کیے کہ کس طرح گہرام کے لوگ آئے اور ان کی شتر بچوں کو مار کر چلے گئے۔ اس عمل کو میر چاکر اپنا توہین سمجھ کر غصے سے کانپنے لگے اور گوہر جتنی کی شتر بچوں کے بدلہ لینے کا اعلان کیا۔ جسے شاعر نے اس انداز میں بیان کیا ہے:

(میر چاکر نے) بہت بھاری فوج جمع کی۔ علی الصبح وہ (لاشاریوں پر) حملہ آور ہوا

گاجان کے شہر اور نواحی علاقوں پر۔ اس نے میر گہرام کے اونٹ کاٹ ڈالے

اس کے چرواہے کا بھی ایک ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اور کہا یہ گوہر کی اونٹنیوں کا بدلہ ہے

اس طرح سے ایک جاٹ عورت وجہ بنی۔ رند اور لاشار کی آپس کی جنگوں کی

بہادر مندو نے میر چاکر سے کہا۔ قبیلے کی عورتیں جو ہماری عزت ہیں

انہیں کوند کے محفوظ پہاڑ تک پہنچانا چاہیے۔ نڈر بیورغ یوں مخاطب ہوا (رندوں سے)

چھوڑ دو اپنے چوباروں اور گھر والیوں کو۔ گرادو اپنے خیموں اور قلعوں کو

بہادر میران یوں گویا ہوا۔ نہ ہم چوباروں اور نہ شہروں کو چھوڑیں گے

نہ اپنے قلعے اور خیموں کو گرائیں گے۔ نہ نہری جائیداد و دولت سے دست بردار ہونگے

کیوں کہ لاشاری عورتیں جلد گھروں کی مالکہ بن جائیں گی

گھر والیاں بچوں کی سی فطرت رکھتی ہیں

ایسا کرنا ہمارے لئے طعنہ ہوگا۔ جس کے تیر دشمن ساری عمر ہم پر برساتے رہیں گے

ادھر لاشاری جمع ہوئے۔ وہ طوفان کی سی تیزی سے آئے

انہوں نے گایوں کو کوڑی جیسے سفید گھاس کے میدانوں سے

اور دنبوں کے ریوڑوں کو مشک جیسی خوشبودار چراگاہوں سے

جمع کر کے آپس میں بے حساب بانٹ لیا۔ اور پھر لاشاریوں نے کوچ کیا

اور نوحان کے علاقے کی طرف نکل گئے۔ سترہ سو بیل اور اٹھارہ سو دنبے

ایک سو بیس من گندم کا آٹا۔ نوحان نے لاشاریوں کو پیش کیا مہمانی کے طور پر

ادھر میر چاکر جو قوم کا غمگسار حاکم ہے۔ (لاشاریوں کی طرف) اپنے جاسوس بھیجے

جاسوسوں نے آ کر خبر دی کہ۔ ہم نے لاشاریوں کے سو گھرانوں کو

ایک ساتھ کوچ کرتے دیکھا۔ رندوں کو یہ سن کر خوشی ہوئی

اور بھاری فوج لیکر روانہ ہوئے۔ تب بہادر بیورغ (بیبرگ/بیبگر) نے

میر چاکر کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر کہا۔ اے چاکر غصہ کو کم کر کیونکہ

صرف نوحانی ایک ہزار لشکر پر مشتمل ہے۔ سرخ نیاموں والے لاشاری علاوہ ہیں

یہ دونوں قبیلے ملکر مقابلہ کریں گے

بہتر ہے کہ ہم انہیں اپنے قلعے پر حملہ کرنے کا موقع دیں

حملہ کرنے سے پہلے سوچ۔ نقارہ جنگ کے بعد پیچھے ہٹنا مشکل ہوگا

ان حالات میں آگے بڑھنا موت کو دعوت دینا ہے

ماؤں کے شیخی بگار جوانوں نے طنزاً کہا

اے بیورغ تم دشمن کے تیروں سے خوفزدہ ہو گئے ہو

ہندوستان کی بنی ہوئی چمکدار تلواروں سے سہم گئے ہو

یقیناً تمہیں تلوار دیکھ کر گھر یاد آ رہا ہوگا۔ مگر جہاں تلوار چلیں گے اور تیر برسیں گے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

قہرِ آفرین فوج کا سپہ سالار زنون بیگ۔ پیر لاکھا اور لاکھا کے مقام سے گزر کر
نانی، نفنگ اور لاکھا سے ہوتی ہوئی۔ درہ بولان میں داخل ہوئیں
اور صبح سویرے حملہ آور ہوئیں۔ گاجان (گاج) اور اس کی نواحی بستیوں پر
لاشاریوں کے بچوں تک کا صفایا کر ڈالا۔ گہرام دونوں چیزوں سے محروم ہوا
نہ اسے قبر نصیب ہوئی اور نہ ہی گنداوہ کا علاقہ (۲۱)

بلوچ سماج چاکری عہد میں

پچھلے ابواب میں اس بات کا ذکر تواتر سے کیا گیا ہے کہ مکران میں عہد قدیم سے لیکر بلوچوں کی آمد تک ایک مربوط اور مستحکم زرعی نظام پنپ رہا تھا جسے آئے دن بیرونی حملہ آوروں کا تختہ مشق بننا پڑا مگر مقامی لوگوں نے ہمت نہ ہاری بلکہ اس میں بہتری لاتے رہے۔ جب بلوچ میر جلال ان کی سرکردگی میں مکران میں وارد ہوئے تو وہ اس نظام سے کما حقہ فائدہ نہ اٹھا سکے کیونکہ وہ زرعی معاشرے سے تعلق نہ رکھتے تھے۔ بلکہ ان کی زندگی کا دارومدار گلہ بانی پر تھا۔ اس نظام کو برقرار رکھنے کے لئے سب سے اہم جز سرسبز و شاداب چراگاہیں ہیں چونکہ چراگاہوں کا دارومدار بارش پر ہے اور اگر بارشیں وقت پر برستی رہیں تو چراگاہیں بڑی آبادی کا بوجھ برداشت کرنے کے متحمل ہو سکتی تھیں مگر مکران، کرمان اور سیستان میں بارشوں کا طریقہ کار کافی غیر یقینی ہے۔ اگر چند سالوں میں بارشیں تواتر سے برسیں تو پھر کچھ سالوں میں برسات کال کال ہی پڑتی ہے۔ بارش نہ ہونے یا کم ہونے سے یہ چراگاہیں اکثر متاثر ہوتی رہتی ہیں اور ان کا اثر عام لوگوں کی زندگیوں پر بھی پڑتا ہے۔ بلوچ چونکہ گلہ بان تھے لہذا انہیں نئے چراگاہوں کی ہمیشہ ضرورت رہتی تھی۔ جس کی وجہ سے انہیں ہجرت در ہجرت کرنا پڑا۔ مکران سے ہجرت کی ایک بڑی وجہ نئے چراگاہوں کی تلاش تھی۔ اسی وقت کے پیش نظر رند طائفہ زیادہ دیر تک مکران میں نہیں ٹھہر سکا اگرچہ وہ کولواہ میں چند سال رہے جہاں چراگاہیں وافر مقدار میں موجود تھیں لیکن یہ چراگاہیں اتنی بڑی تعداد میں مال مویشیوں کا متحمل نہیں ہو سکتے تھے جس کے نتیجے میں رند طائفہ بی اور کچھی کی علاقوں کی طرف ہجرت پر مجبور ہوئے۔ بلوچوں کی اس طرز زندگی نے انہیں ایک جگہ ٹک کر رہنے نہیں دیا۔ بلوچی لبزانک کے ماہر پروفیسر واجہ واحد بزدار کے خیال کے مطابق میر چاکر کا عہد ایک اجتماعی تہذیب اور قبائلی جمہوریت (Tribal Democracy) پر مشتمل تھا جس کے وجود کا دارومدار چراگاہوں پر تھا۔ (۲۲)

مالداری کے حوالے سے چراگاہیں پورے قبیلے کی مشترکہ ملکیت تھی اور ان پر کسی فرد واحد کا انفرادی قبضہ یا اجارہ داری نہ تھی۔ چونکہ چراگاہیں مستقل آبادکاری کی متحمل نہیں ہو سکتی تھیں لہذا بلوچ کبھی بھی ایک جگہ جم کر آباد نہیں ہوئے جس کے نتیجے میں مستقل مکانات یا سرداروں کے محلات کا بلوچ معاشرے میں کوئی تصور نہ تھا۔ سب لوگ گدانوں اور خیموں میں زندگی بسر کرتے تھے۔ ان لوگوں میں ملکیت کا جھگڑا مویشیوں اور سواری کے جانوروں تک ہی محدود تھا۔ اس طرح اس طرز معاشرت میں کسی بھی قبیلے کا خالص ہونا ممکن ہی نہ تھا چونکہ وہ ہمیشہ حرکت میں رہے۔ اسی وجہ سے بہت سارے غیر بلوچ نسلی گروہ بھی وقتاً فوقتاً ان میں شامل ہوتے رہے۔ یا بلوچ قبائل یا افراد اپنے قبیلے سے نکل کر کسی دوسرے نسلی گروہ میں ضم ہوتے رہے۔ (۲۳)

نئے چراگاہوں کی تلاش خطرہ سے خالی نہ تھی اور اس ضمن میں کسی دوسرے گروہ جو کہ ان چراگاہوں کو پہلے سے استعمال میں لا رہا ہو، سے مڈبھیڑ لازمی امر تھا۔ اکیلا آدمی کسی طاقت ور گروہ سے نبرد آزما نہیں ہو سکتا تھا لہٰذا ایسے سماج میں طاقت کا تصور اجتماعی گروہ ہی میں مضمر تھا جس نے گروہی مفادات کے پیش نظر اپنا ایک سماجی ڈھانچہ قائم کر رکھا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بلوچوں کی ابتدائی سماج میں طاقت و قوت کا تصور گھوڑوں، بھیڑ بکریوں اور اونٹوں کے گلوں یا دودھ دینے والے جانوروں پر نہیں بلکہ اجتماعیت پر تھا۔ جبھی تو گوھرجتنی مالدار ہونے کے باوجود طاقتور نہ تھی اور اس طاقت حاصل کرنے کے لئے میر چاکر کے پاس جا کر پناہ گزین ہونا پڑا۔ اس سے پہلے وہ لاشاری قبیلے کے ماتحت تھی مگر وہ اسے مطلوبہ تحفظ فراہم نہ کر سکے جس کے نتیجے میں اسے چاکر کا دروازہ کھٹکھٹانا پڑا۔ ان ہی حالات کی وجہ سے بلوچ قوم کے مزاج میں سختی اور درشتی کا عنصر بھی سرایت کر گیا جو کہ اس کے مزاج کا حصہ بن گیا۔ اسی وجہ سے وہ چھوٹے چھوٹے واقعات کو عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کے بجائے ہر مسئلے کا حل تلوار کی نوک سے کرنے کے عادی ہوئے۔ جس کی وجہ سے انہیں اتنے شدید نقصانات برداشت کرنے پڑے۔

چاکری دور کی ایک اہم شخصیت میر بیورغ (بیبرگ/ بیبگر) تھا جس نے عقل و دانش کی بنیاد پر چاکر کو لاشاریوں سے لڑنے سے منع کیا اور اس کو آنے والی تکالیف سے آگاہ کیا اس وجہ سے پروفیسر عزیز بگٹی کا خیال ہے کہ اگر بلوچ قوم کی زمام حکومت چاکر کی جگہ بیورغ کے ہاتھ میں ہوتی تو آج بلوچوں کو یہ دن دیکھنے نہ پڑتے اور ان کی تاریخ مختلف ہوتی۔ واحد بزدار اس خیال سے اتفاق نہیں کرتے۔ ان کا کہنا ہے کہ ''میر چاکر کی بجائے اگر میر بیورغ بھی اس عہد کا سربراہ ہوتا تب بھی اس کے لئے خود کو جنگ سے بچانا ناممکن ہوتا۔ کیونکہ اجتماعی معاشروں کے فیصلوں،

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

وہ انہیں منہا کرنے میں پس و پیش نہیں کرتے، اس لئے جب ان کے اہم ماخذوں کو اصل پر کھا گیا تو ان پر ان اقتباس کے حوالے سے تاریخی سرقہ کا الزام لگا کر اس کے علمی کاوشوں کو نیچا دکھانے کی کوشش کی گئی:

''شیر شاہ سوری نے (اپنے جنرل) ہیبت خان نیازی کو حکم دیا کہ فتح خان جاٹ کو جو قبولہ کے علاقہ میں مقیم ہے اور جس نے مغلوں کی عہد میں پانی پت کے علاقے میں تباہی مچار کھی تھی اور اس پورے علاقے کو تباہ و برباد کر دیا تھا اور ملتان جس پر بلوچوں نے قبضہ کر رکھا ہے، اپنے قابو لائے اور دونوں علاقوں کو آزاد کرا کر وہاں نظم و ضبط قائم کرے اور ملتان کو جو بالکل ویران ہو چکا دوبارہ آباد کرے۔ جب ہیبت خان ملتان پہنچا تو اس نے میر چاکر رند کے وکیل کو حکم دیا کہ وہ میر چاکر رند تک اس کا پیغام پہنچا دے کہ میرا ارادہ اس علاقے میں سے گزرنے کا ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ محلہ علاقہ کی فتح کے لئے مع اپنی فوج کے تیار رہے۔ میر چاکر رند اس زمانے میں ستگوڑھ کا حاکم تھا۔ میں نے فتح خان کنبوہ سے یہ واقعہ سنا ہے کہ جب وہ ستگوڑھ پہنچا اور اس نے ہیبت خان نیازی کا پیغام میر چاکر تک پہنچایا تو اس وقت تک میر چاکر نے اپنے مہمان کا خیر مقدم کرنے کے لئے کچھ بھی تیاری نہ کی تھی۔ دوسرے دن اطلاع ملی کہ ہیبت خان ستگوڑھ سے صرف بارہ کروہ (کوس) کے فاصلے پر رہ گیا ہے۔ میر چاکر اس خبر کو سن کر پریشان ہوا کہ اب کیا ہوگا۔ کیونکہ ابھی تک اس نے نہ فوجی دستہ مرتب کیا اور نہ ہی مہمان کے شایان شان تحفے تحائف تیار کیے تھے۔ اگلی صبح میر چاکر کو اطلاع ملی کہ ہیبت خان پہنچنے ہی والا ہے، میر چاکر اس کے خیر مقدم کو آگے بڑھا، بہر حال وہ بڑا پریشان تھا۔ بہ وقت ملاقات ہیبت خان نے میر چاکر سے کہا کہ اپنی فوج سمیت مجھ سے دیپالپور میں آ کر ملو۔ یہ نہ ہو کہ فتح خان بچ کر نکل جائے۔ ان دنوں میں شیر شاہ نے قلعہ راسین میں پورن مل کو محصور کر رکھا تھا''۔ (۲۸)

بلوچوں کا قافلہ مکران سے روانہ ہوا تو ملتان جا کر ٹھہرا اور مکران میں وہ چند قبیلے جو رندوں کے لشکر کے ساتھ تھے، انہوں نے چراگاہوں کی تلاش میں بلوچستان کے بالائی علاقوں میں ہجرت سے انکار کیا۔ یہ لوگ مقامی آبادی میں رچ بس گئے انہیں یہ معلوم ہی نہ تھا کہ ساحلی علاقوں میں ایک نئی قوت سر ابھار رہی ہے جو کہ ذہنی لحاظ سے ان خانہ بدوش قبائل سے بہت آگے ہے اور ان کی نظریں نہ صرف بلوچستان اور اس کے ملحقہ علاقوں کی دولت پر ہے بلکہ ہوس ملک گیری جنون کی حد تک ان کی سروں میں سمایا ہوا تھا۔ اسی ہوس ملک گیری کے بدولت وہ شہروں و بستیوں کو تباہ و برباد کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

مکران میں ایک اور یورپی قوم کی آمد آمد ہے۔

حوالہ جات:

1- Baluch, M.S.K. (1977), A Literary history of the Baluchis. Baluchi Academy, Quetta. p-70

گشکوری، سردار خان (۱۹۸۸)، چاکر اعظم، مترجم عبدالغفار ندیم، بلوچی اکیڈمی، مکران ہاؤس، کوئٹہ صفحہ ۴۴

ایضاً صفحہ نمبر ۴۵-۴۶

ایضاً صفحہ نمبر ۴۷، گشکوری کا حوالہ، سید سلیمان ندوی، عرب و ہند کے تعلقات صفحہ نمبر ۳۶۰-۳۷۰

ایضاً صفحہ نمبر ۴۹

2- Baloch, Inayatullah (1987) The Problem of Greater Baluchistan. A study of Baluch nationalism. Franz Steiner Verlag Wiesbaden GMBH. pp- 95-96

۷- ایضاً صفحہ نمبر ۹۵

۸- ایضاً صفحہ نمبر ۹۶

۹- بلوچ، میر احمد یار خان (۱۹۷۳)، تاریخ قوم بلوچ و خوانین بلوچ، صفحہ نمبر ۳۳

۱۰- بلوچ، عنایت (۱۹۸۷)، ایضاً صفحہ نمبر ۹۶

۱۱- ایضاً صفحہ نمبر ۹۶

۱۱- مری، جسٹس خدا بخش خان بجارانی (۱۹۸۰) سرچ لائٹ آن بلوچیز اینڈ بلوچستان، بحوالہ عنایت اللہ بلوچ، ایضاً صفحہ نمبر ۹۶

13- Baluch M.S.K. (1965), The Great Baluch, The life and Times of Ameer Chakar Rind, 1454-1551AD. Quetta, pp-112-140

۱۴- بلوچ، عنایت اللہ، ایضاً صفحہ نمبر ۹۷

۱۵- ایضاً صفحہ نمبر ۱۹۸

۱۶- نصیر، میر گل خان (۱۹۷۶)، بلوچستان کی کہانی شاعروں کی زبانی، بلوچی اکیڈمی، کوئٹہ، صفحہ نمبر ۱۹

۱۷- ایضاً صفحہ نمبر ۲۰

۱۸- ایضاً صفحہ نمبر ۲۱-۲۳

۱۹- ایضاً صفحہ نمبر ۲۳-۲۴

۲۰- ایضاً صفحہ نمبر ۲۴-۲۵

۲۱- بلوچ، جسٹس میر خدا بخش بجارانی مری، (۱۹۶۳)، قدیم بلوچی شاعری بمعہ اردو ترجمہ، کوئٹہ، صفحہ نمبر ۲۳-۳۳

۲۲- بزدار، واحد، (۱۹۹۸)، قدیم بلوچی شاعری کا تنقیدی جائزہ، ادارہ برائے مطالعہ پاکستان، قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد، صفحہ نمبر ۱۲۳

۲۳- ایضاً صفحہ نمبر ۱۲۳

۲۴- بگٹی، عزیز محمد (۱۹۸۴)، تاریخ بلوچستان شخصیات کے آئینے میں، قلات پریس، کوئٹہ بحوالہ واحد بزدار- ایضاً صفحہ نمبر ۱۲۷

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

اور آخری حصہ دیبل سے لیکر گجرات تک پھیلا ہوا تھا۔ (۲)

مکران کے ساحلی علاقے آئے دن پرتگیزیوں کے حملوں کی آمجگاہ بنے رہے۔ وہ ان شہروں پر لنگر انداز ہوتے اور لوٹ مار کر کے واپس چلے جاتے۔ ان ساحلی شہروں کو وہ صرف چند مقاصد کے لئے استعمال کرتے تھے یعنی جب انہیں اپنی کشتیوں کی مرمت کرانی ہوتی تھی تب وہ ساحلی شہروں کا رخ کرتے۔ اس کے علاوہ جب ان کے پاس اشیاء خورد و نوش کی کمی ہوتی تھی تو وہ ساحلی شہروں میں آ کر مقامی لوگوں سے کھانے پینے کی اشیاء کا لوٹ مار کرتے اور واپس چلے جاتے یا صاف پانی کے حصول کے لئے وہ ساحل پر آتے۔ چونکہ صاف پانی ساحلی علاقوں میں کمیاب ہے تو اس مقصد کے لئے انہوں نے ساحلی شہروں میں کنویں بھی کھدوائے جہاں سے وہ پانی حاصل کرتے تھے۔ چونکہ انہیں اس ضمن میں مقامی لوگوں سے ہمیشہ حملے کا خوف رہتا تھا لہذا وہ جیسے ہی ساحل پر آتے گربہ کشتن روز اول کی طرح حملے شروع کر دیتے تھے۔ اس طرح کے اچانک حملوں سے مقامی آبادی کے دلوں میں ان پرتگیزی قزاقوں کا خوف بیٹھ گیا۔ اس خوف کی وجہ سے وہ جب کبھی پرتگیزی کشتیوں کو ساحل کے طرف آتے دیکھتے تو آناً فاناً اپنا گھر بار چھوڑ کر اندرونی علاقوں کے طرف چلے جاتے۔ اس طرح ان پرتگیزی لٹیروں کو لوٹ مار کرنے میں آسانی رہتی اور جو چیز وہ چاہتے وہ انہیں آسانی سے مل جاتی تھی۔

اسی زمانے میں مکران کے گرم پانیوں میں ایک اور طاقت کی علمداری بھی قائم تھی ان کا تعلق سلطنت عثمانیہ سے تھا جو کہ پرتگیزیوں کے سمندری حریف تھے۔ ان میں آپس میں آئے دن جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ دونوں قوتیں ساحل مکران پر اپنی بالادستی قائم رکھنا چاہتی تھیں۔ چونکہ سلطنت عثمانیہ کے جہاز ران مسلمان ہوا کرتے تھے لہذا مکران کے مقامی باشندوں کی ہمدردیاں ان کے ساتھ تھیں۔ اس کے علاوہ سندھ و ہند کے ساحلوں سے حج کے لئے جانے والے بحری جہازوں کی حفاظت کی ذمہ داری بھی ترکوں کے کاندھوں پر تھی۔ اس زمانے میں حج پر جانے والے جہاز سلطنت عثمانیہ کے زیر اثر تھے۔ لہذا عثمانی سلطنت سمندر میں حجاج پر مشتمل ان جہازوں کی آمد و رفت کے حوالے سے ہمیشہ فکر مند رہتے تھے۔ سلطنت عثمانیہ کے خلیفہ سلمان قانونی نے ان جہازوں کی حفاظت کے لئے اپنے امیر البحر سدی علی رئیس (Sidi Ali Reis) کو ساحل مکران بھیجا تا کہ وہ ان پرتگیزوں کو قرار واقعی سزا دے سکے جو کہ آئے دن ان حجاج کرام کے جہازوں کو لوٹتے رہتے تھے۔ انہوں نے امیر البحر کو حکم دیا کہ وہ مکران کے حاکم ملک جلال کے پاس جائے تا کہ وہ اس ضمن میں خلیفہ کے جہازوں کی حفاظت کے حوالے سے ان کی مدد کر سکے۔ اس کے علاوہ ان

جہازوں کی مرمت کے حوالے سے انہیں مکران کے مقامی حاکم کی مدد بھی درکار تھی۔ (۳)

ساحل مکران کی طرح بحر ہند بھی اس زمانے میں ان دو بڑی طاقتوں کا رزم گاہ بنا رہا، جو آئے دن ایک دوسرے سے مد مقابل ہوتے تھے۔ سلطان سلیمان کے لئے بحر ہند پر اپنی بالادستی کو برقرار رکھنا ضروری تھا کیونکہ وہ مسلمانان عالم کا خلیفہ تھا۔ جس کے قلمرو میں حجاز مقدس بھی شامل تھا۔ دنیا کے مختلف ممالک سے حجاج کرام ان مقدس زیارتوں سے باریابی کے لئے ہر سال جاتے تھے اور دوسری جانب پرتگیزی جن کی بحری قوت سلطنت عثمانیہ سے زیادہ مضبوط تھی اور وہ ہر قیمت پر ان علاقوں میں اپنی بالادستی قائم کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ ان دونوں طاقتوں کا ٹکراؤ مسقط کے ساحل کے قریب ہوا۔ اس زمانے میں خلافت عثمانیہ کی بحری بیڑے کی سربراہی امیر البحر سدی علی رئیس کر رہے تھے اور دوسری جانب پرتگیزی بیڑے کی رہنمائی وائسرے افانسو دے نورونا (Afonso deNoronha) کے بیٹے فرنانڈو (Fernando) کر رہے تھے۔ ترکی جنگی کار (بحری بیڑہ) میں پندرہ جنگی جہاز تھے۔ اگست ۱۵۵۴ء میں ان دونوں بڑی طاقتوں کے درمیان جنگ چھڑ گئی اور اس جنگ میں ترکی کے بحری بیڑے کو شدید نقصان پہنچا اور انہیں جنگ میں شکست ہوئی۔ سدی علی رئیس کے بیڑے میں شامل چھ جہاز سمندر بُرد ہو گئے اور وہ اپنے باقی ماندہ نو جہازوں کو لیکر مکران کے ساحل پر لنگر انداز ہوا۔ چونکہ وہ ساحلی علاقوں سے اچھی طرح واقف تھا لہذا انہوں نے مکران کے ساحلی باشندوں سے مدد چاہی۔ مکران کے ساحلی باشندوں نے سدی علی کی مدد کی اور وہ ساحلی باشندوں کی مدد سے گوادر پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ گوادر کے مقامی حکمران نے خلیفہ سے اپنے وفاداری کا اعادہ کیا اور ترکی کے امیر البحر کی ہر طرح سے مدد کی۔ (۴)

فرہنگی وقائع نویس مالز (Miles) نے اس واقعہ کی تفصیل کچھ یوں بیان کی "۲۶ رمضان ۹۶۱ ہجری (۲۵ اگست ۱۵۵۳ء) میں گوا کے رئیس البحر جو کہ اس علاقے کے پرتگیزی گورنر کا بیٹا تھا اپنے جنگی جہازوں جو کہ رنگ برنگے پرچموں سے مزئین تھے، کے ساتھ مسقا کے بندرگاہ میں مسلمانوں کی سرکوبی کے لئے نکلے۔ عثمانی خلافت کے مسلمان جہازی خدا کے بھروسہ پر مسقط کے ساحل کے قریب لنگر انداز ہو کر ان کا انتظار کر رہے تھے۔ دشمن کی کشتیوں نے عثمانی خلافت کے بحری بیڑے پر حملے کی شروعات کیں اس کے بعد دونوں اطراف سے آگ کے گولے برسائے جانے لگے۔ جب رات ہونے لگی تو ان حملوں میں تندھی آ گئی اگرچہ پرتگیزیوں کی کشتیاں لنگر انداز تھیں لیکن وہ اس جنگ سے کافی تھک چکے تھے لہذا عثمانی خلافت کا بحری عملہ اپنی کشتیوں کو دھکیلتے ہوئے ساحلِ مکران کی طرف روانہ ہوا۔ اس طرح وہ راس جاسک (جاشک) تک پہنچے اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

آگ کے شعلوں کی نذر کرنا شروع کیا تاکہ وہ ان کے دشمنوں کے ہاتھ نہ لگ سکیں اور دشمنوں کو سوائے آگ کے بلند ہوتے شعلوں کے کچھ نہ ملا۔ ہمیں ان کی اس حرکت سے ان کی بے بسی کا اندازہ ہو رہا تھا۔ سب سے پہلے انہوں نے اپنے کچے اینٹوں کی بنی ہوئی قلعے گرانے شروع کئے جو کہ اگرچہ اتنے مضبوط نہ تھے کہ انہیں قلعہ کہا جا سکے انہیں بیٹریوں سے باندھ کر گرایا گیا...... ان میں بہت سے اعلیٰ خانوادوں کے شہزادے بھی تھے لیکن سب کے سب مفتوح اور شکست خوردہ اور زنجیروں سے بندھے ہوئے تھے اور ان کی زنجیروں کو فاتح (پرتگیز) تھامے ہوئے تھے"۔(۸)

بلوچوں کی تاریخ میں ہمیں ان جنگوں کے احوال تحریری صورت میں دستیاب نہیں۔ البتہ اس وقت کے شعراء نے ان جنگوں کو اپنے شعروں میں جگہ دی ہے۔ لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ ان میں سے بھی بیشتر تاریخ کے دھول میں دفن ہو چکے ہیں۔ ایک ایسے ہی جنگ کا احوال مُلا اکیم داد نامی شاعر نے اپنے اشعار میں بیان کیا ہے جس کا تعلق پرتگیزوں کا بریس اور جیونی کے علاقے پر حملے سے متعلق ہے اگرچہ ان اشعار کا بیشتر حصہ دستیاب نہیں ہے لیکن اس کا ایک مختصر سا حصہ کسی نہ کسی صورت میں محفوظ رہا۔ یاد رہے کہ بلوچ ان پرتگیزوں کو پرنگی اور سور یگ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ مذکورہ نظم کے باقی ماندہ چند سطریں جو ان حملہ آوروں سے متعلق ہیں درج ذیل ہیں۔

قاصدے اتکہ چہ شے بلارءِ گورءَ	شے بلار کے پاس سے قاصد آ پہنچا
بیا اِت ماڑکیں بلوچاں سکیّاں گپتہ مرا	محترم بلوچو! انتہائی سخت وقت آن پڑا ہے
میر کریم داد مرد لپاشیں تیغی لانک انت یک کش ءَ	میر کریم داد ہمیشہ جنگ کے لئے کمر بستہ رہتا
زہر پٹیت چہ بروتاں برہنگنیں ریشاں زباد	یہ بات اس کے چہرے سے ہمہ وقت عیاں تھی

....

نیگ اِت چماں میگاں گپت ملک ءِ مرداں	میں وہاں موجود نہ تھا وہاں کے لوگوں نے بتایا
چاردہ میریں کلمتیگاں دہ چرا رہدی زئیاں	چودہ (۱۴) کلمتیوں میں سے اور دس مہدی زئی
دہ چرا شہری بلوچاں دہ چرا ریکانیاں	دس گوادر کے شہری اور دس ریکانی
آورتگ اش شاگے روَکیں توپ ءَ بمبار مان کتہ	انہوں نے کشتی لی اور اس میں توپ بارود رکھا
شاگ شیپ گران بیت دیم پہ نیلبوئیں زرءَ	کشتی سمندر میں روانہ ہوئی
بریس ئی گوازینتہ اودا ماں چانکوری دپ ءَ	بریس سے آگے چانکور کے دہانے پر
آ چار نیلیں جڑ کیت مثل چو نودی ثرپ ءَ	انہوں نے بادبانی کشتیاں دیکھیں
کارکتہ توپ ءَ تپنگاں گرندتش چو جمبرءَ	آتش بازی کا تبادلہ شروع ہوا

...وانی دنزءِ دوتاں بست چوتاروکیں شپ ءَ	ہر طرف دھویں کے بادل منڈلانے لگے

....

...بے وہد شمال ءَ اتک شاگ ماں گوادرءَ	اچانک ہوا کا رخ تبدیل ہوا
...وانی گشت ءَ کوش ءَ کپتہ آس ماں گوادرءَ	گوادر میں کہرام مچ گیا
...کاں پَل ءَ فصیل داشتہ شیہ ءِ برچیں چادرءَ	شے کے دعاؤں سے گھر بار کچھ بھی نہ بچا
...ا چار مرداں گہیناں یکے نہ یتکہ ماں پدا	چوالیس میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچ سکا (۹)

ان اشعار سے اس بات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مکران کے ساحلی شہروں کے باشندوں نے خاموشی سے مظالم سہنا گوارہ نہیں کیا اور نہ ہی انہوں نے بے دست و پا ہو کر ہر ظالم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا بلکہ انہوں نے بھی بھرپور مزاحمت کی جس کے نتیجے میں دونوں اطراف کافی جانی نقصانات ہوئے۔ مولائی شیدائی سندھ کی تاریخ پر اپنی لکھی ہوئی کتاب میں تحریر کرتے ہیں کہ میر حمل جیئند سے پہلے ان کے چچا میر سائیل نے پرتگیزوں سے جنگیں لڑیں اور انہیں شکستیں بھی دیں اسی طرح میر حمل جیئند نے بھی پرتگیزوں سے کئی محرکے کئے اور کافی دفعہ فتحیاب بھی ہوئے۔ انہی مزاحمتوں کے نتیجے میں انہوں نے پرتگیزوں سے توپیں چھینیں۔ جو کہ پسنی اور گوادر میں ان مظالم کی یاد تازہ کرنے کے لئے آج بھی موجود ہیں۔ (۱۰)

میر حمل جیئند

شمبے ءِ روچ ءَ سرمشود براتانی مُہار
شمبے پہ برات ءَ شُومّ انت ءَ شازدہ پہ پت ءَ
شمبے ءِ روچ ءَ حمل ءَ شاگے نول کتہ
حمل ماں شاگ ءَ شاگ بما سبزیں ساوڑ ءَ

اگرچہ قدیم دستاویزات اور تاریخ کی روشنی میں اس بات کی کوئی واضح ثبوت نہیں ہے کہ پرتگیزوں نے مکران پر حکمرانی کی ہو لیکن اس بات کے بہرحال ثبوت موجود ہیں کہ وہ ساحل مکران کے حکمرانوں سے نالاں تھے جو کہ آئے دن ان کے جہازوں پر حملہ کرتے رہے۔ بلوچی لوک داستانوں میں حمل جیئند کا ذکر پرتگیزیوں سے لڑائی کے حوالے سے کافی مشہور ہے۔ اس قدیم دپتر (شاعری) کے مولف کا نام عثمان کلمتی بتایا جاتا ہے۔ عثمان کلمتی کے متعلق معلومات ہمیں ان

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

زمین پر اپنے گول گول سموں سے ٹاپیں مارتا ہے
اور تیرے اونٹنیوں کے گلے کی غم میں بے چین رہتا ہے
جو کہ گزدان کے چراگاہوں میں چرتے ہیں
وہ (میرا گھوڑا) اس انتظار میں بے قرار رہتا ہے
کہ کب تیرے اونٹنیوں کے گلوں کو بھگا کر جاؤں
لس بیلہ کے نچلے پہاڑوں کے دامن میں
میں ان کا ساربان اور میرا شیرازی تلوار ان پر چابک کا کام دے
یقین جانو کہ میں اپنے تلوار کو تیرے ساربانوں کی پیٹھ اور
تیری اونٹنیوں کے پہلوؤں پر پڑنے سے نہیں روکوں گا
تیری اونٹنیوں کی پہلو سے تازہ اور گرم خون بہتا رہے گا
اگر تم میرے مقابلے کو آنے کی جرات کروگے تو
تیرے تیل سے چکنے چوٹو (لمبے بالوں) والا سر کاٹ کر
میں اپنے گھوڑے کے گلے میں باندھ دوں گا
اور پھر اسے اپنے دیوان خانے کے دروازے پر لٹکا دوں گا
تم عوض (بدلہ) ہوگے میرے اس غلام زادے کا
جسے تم نے تیز کی بندرگاہ پر مار کر
اس کا سر نمک کے ڈھیر میں پھینک دیا تھا

اس زمانے کے رواج کے مطابق ڈوم نظم پہنچاتا اور اس کا جواب لیکر جاتا تھا۔اسی طرح ڈوم نے چاکر کہدائی کا نظم میر حمل کے گوش گزار کیا اور اس کے جواب میں میر حمل نے جو کچھ کہا ڈوم اسے لیکر میر چاکر کی خدمت میں حاضر ہوا۔ایک اور بات یہ بھی بتا تا چلوں کہ مندرجہ بالا نظم میں قندہار کے ہواؤں اور گھٹاؤں کا ذکر کیا گیا ہے چونکہ کلمت کا علاقہ کولواہ سے جنوب کی سمت میں واقع ہے،اور شمالی ہوائیں کولواہ سے کلمت کی سمت چلتی ہیں اس لئے قندہار کے ہواؤں کو اس نے پیغام رسانی کے لئے چنا۔حمل نے چاکر کا جواب ان الفاظ میں دیا:

دشمنوں کے پیغام آئے ہیں
دشمنوں کے یہ پیغام قندہار سے اٹھنے والی گھٹاؤں کے ساتھ آئے ہیں
وہ (چاکر) شہروں میں گھومنے پھرنے والے ڈوم گویوں کے ہاتھوں

اپنے بلوچ بھائیوں کے نام طنزیہ اشعار بھیجتا ہے
چاکر! اے کم ذات سراوانی
اپنا فضول بکواس کرنے والا منہ سنبھال
میں نہ کجھور کا دانہ ہوں اور نہ ہی گائے کا مکھن
اور نہ ہی میں گندم کی اچھی پکی ہوئی روٹی ہوں
اور نہ ہی ریشمی گدوں پر بیٹھنے والی کوئی دوشیزہ
جسے تو آغوش میں کھینچ کر اس کا بوسہ لے سکے
خیال کر میں بلند حوصلے والا حمل ہوں جیئند کا بیٹا
میرا بگ (اونٹنیوں کا گلہ) اگر چہ گزدان کے سبزہ زار میں چرتے ہیں
اور للہ کے کنویں سے پانی پیتے ہیں
ماکول سے میری اونٹنیاں قطار باندھتی ہیں
اور پھر ہواؤں کی طرح میدانوں میں پھیل جاتی ہیں
مگر خیال رہے کہ میرے اونٹنیوں کے نگہبان
سرخ آنکھوں والے بلوچ ہیں
جنکے سبک خرام گھوڑوں کا اونٹنیوں پر سایہ رہتا ہے
(تم بیشک) بسول سے میری اونٹنیاں بھگا کر لے جاؤ
(لیکن ایک کام ضرور کرنا) ان کے کمزور ساربانوں کے ہاتھ کھلے چھوڑ دینا
تا کہ وہ لمحہ ضائع کئے بغیر مجھ تک اطلاع پہنچادیں
میں سیاہ پر زین ڈال دونگا اور تیرے تعاقب میں آؤں گا
پھر ہم دونوں ایک چٹیل میدان میں ٹکرائیں گے
جو لشکر ہمارے ساتھ ہوگا، ان کے لئے طلاق کی قسم ہوگی
میں سیاہ کو ایڑ لگاؤں گا اور تیرے سوگات کی طرف بڑھاؤں گا
میں اور تم دونوں جانے پہچانے شخص ہیں
اگر پیٹھ پھیروگے تو تیرے ٹکڑے اڑا دوں گا
اگر آگے بڑھوگے تو آہنی خود کو تیرے سر پہ توڑ دوں گا
اور اپنے تلوار کو اس طرح گھونپ دونگا کہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

جاتا تھا بلکہ اُسے وہ تجارتی مقاصد کے لئے بھی استعمال کرتا تھا اور کلمت چونکہ ایک اہم ساحلی بندرگاہ تھا میر حمل کے چچا میر سمائیل بن بنگو (جسے مولائی شیدائی نے اسمائیل بن بنگو لکھا ہے) ایک کامیاب تاجر تھا جس کے یمن، عمان اور افریقہ کے ساحلی شہروں کے علاوہ ہندوستان کے ساحلی شہروں تک ان کے تجارتی روابط تھے۔ میر سمائیل کی تجارتی کشتیاں کلمت بندرگاہ سے ہندوستان، افریقہ اور عربستان کے ساحلی شہروں میں تجارتی سامان لاتے اور لے جاتے رہے۔(۱۴)

اگر چہ میر حمل ایک مالدار اور اپنے قبیلے کا سردار تھا لیکن ساتھ ساتھ وہ ایک تاجر گھرانے سے تعلق رکھنے والا شخص تھا۔ چاکر کہدائی سے چراگاہوں کے لئے الجھنا اس کی کوتاہ اندیشی تھی۔ اگر وہ معاملہ فہم اور دور اندیش ہوتا تو چاکر سے فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا چونکہ چاکر کا علاقہ زرخیز زمینوں پر مشتمل تھا اور وہاں اناج کافی مقدار میں پیدا ہوتا تھا وہ اسی اناج کو تجارتی مقاصد اور خیر سگالی کے لئے استعمال کرسکتا تھا۔ اس سے مکران اور خاص کر کولواہ کے لوگ معاشی حوالے سے خوشحال ہوتے ۔ مگر میر حمل حالات کا صحیح ادراک نہ کرپائے۔ یہ کمی یا کوتاہ اندیشی مختلف ادوار میں بلوچ حاکموں میں عموماً پایا گیا ہے۔ یہی غلطی میر حمل نے پرتگیزوں سے لڑائی میں بھی دہرائی اگر وہ پرتگیزوں سے براہ راست تصادم اختیار کرنے کے بجائے دور اندیشی سے کام لیتے تو ممکن تھا کہ معاملہ مختلف ہوتا۔ پرتگیزیوں کا ان علاقوں میں آنا اور اپنے لوگوں کو جنگ کا ایندھن بنانا بظاہر تو قبضہ گیری تھا لیکن وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر وہ ساحلِ مکران پر قبضہ کرسکے تو وہ دنیا کے اہم تجارتی راستے کا مختار کل بن سکتے تھے جبکہ دوسری طرف میر حمل دنیا کے اہم تجارتی ساحل کے مالک ہوتے ہوئے بھی اندرونی طور پر غیر مستحکم نظر آئے۔

میر حمل اور پرتگیزوں کی لڑائی

کلمت ھما روچ کلمت اَت
سردار شاہی بنگو اَت
فوج ءِ سمائیل ماں سراَت
زہم ءِ امام وت حمل اَت

پرتگیزی جہاز رانوں کا مکران کے ساحل پر بسنے والے باشندوں کے متعلق رویہ کافی منفی تھا وہ انہیں قزاق اور لٹیرے سمجھتے تھے جو کہ آئے دن ان کے جہازوں کو لوٹتے رہتے تھے۔ اس ضمن وہ علی

نوتک (Ali Noutaque) نامی شخص کا ذکر اپنے حوالوں میں کرتے رہے، جو کہ ان بہادر ساحلی باشندوں کا سردار تھا۔ علی نوتک کے متعلق ڈاکٹر بدل خان کا خیال ہے کہ ہوسکتا ہے یہ الن ھوت ہو جو کہ حمل ھوت کا ساتھی تھا۔ اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے وہ لکھتے ہیں نوتکانی بلوچوں کا ایک قبیلہ ہے جو کہ موجودہ وقت میں ڈیرہ جات میں رہائش پذیر ہے ان کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ یہ قبیلہ پندرہویں صدی کے اواخر میں ساحل مکران سے ہجرت کر کے ڈیرہ جات میں مقیم ہوا۔ اس طرح یہ نوتکانی بلوچ ہی تھے جنہوں نے پرتگیزیوں سے ٹکر لی تھی۔(۱۵)

میر حمل کے متعلق گل خان نصیر لکھتے ہیں کہ حمل جیئند ساحل مکران کے بلوچوں کا سب سے بڑا سردار تھا۔ اس کا پیشہ سمندری راستوں کے ذریعے تجارت تھا اور اس کی تجارتی کشتیاں مال واسباب سے لدے ساحل مکران سے زنجبار، عدن اور بصرہ وغیرہ تک جاتی تھیں۔ اس زمانے میں سمندری راستوں پر پرتگیزیوں کی اجارہ داری تھی جنہیں بلوچ فرنگی کہتے تھے۔ چونکہ پرتگیز ان تجارتی راستوں پر کسی مقامی حکمران کی مداخلت کو پسند نہیں کرتے تھے اور خاص وہ حکمران جن کی دوستیاں ان کے دشمن یعنی خلافت عثمانیہ سے ہوں۔ پرتگیز سلطنت عثمانیہ کے کسی بھی حامی کو ان سمندروں (بحیرہ عرب، بحیرہ بلوچ اور بحر ہند) میں کسی بھی صورت میں برداشت کرنے کو تیار نہ تھے۔ لہذا حمل اور پرتگیزوں کے مابین جھڑپیں ہونا قرین قیاس ہے۔ ان جنگوں میں پرتگیزوں کو کئی بار میر حمل کے ہاتھوں ہزیمت اٹھانی پڑی مگر آخر میں ان کا پلڑہ بھاری رہا اور انہوں نے حمل کو دھوکے سے گرفتار کر کے اسے بحر ہند میں واقع اپنے ایک نو آبادی میں لے گئے۔ ان کی بہادری سے متاثر ہو کر انہوں نے حمل کو ہر طرح کی لالچ دینے کی کوشش کی لیکن حمل اگر چہ عشقیہ مزاج رکھنے والا شخص تھا لیکن وہ پرتگیزیوں کے بچھائے ہوئے کسی دام میں نہ پھنسا۔ یہاں پر حمل کی شخصیت کے نئے پرتو کھلتے ہیں۔ پرتگیزیوں کے ہاتھوں گرفتار ہونے کے بعد حمل اچھی طرح جانتا تھا کہ اب وہ ایک شخص نہ رہا بلکہ اب وہ بلوچی ننگ وناموس کی علامت بن چکا ہے اگر وہ ان مراعات کو قبول کرے تو ہوسکتا ہے اس کی زندگی بچ جائے لیکن وہ بلوچ قوم کے سامنے پھر سر اٹھانے کی ہمت نہ کرسکے گا اور خود فروشی کے عوض ان کا نام تاریخ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن ہوگا۔ اس نے دوسرا راستہ اختیار کیا یعنی پرتعیش زندگی اور مراعات کو ٹھکرا کر موت کو گلے لگالیا اور اپنی ذاتی غرض کو قومی غرض پر ترجیح دی۔ جن کے نتیجے میں آج بھی حمل کا نام بلوچی لوک داستانوں میں زندہ وتابندہ ہے۔(۱۶)

شاعر ان واقعات کو اپنے اشعار کے صورت میں لوگوں کے سامنے میر حمل کے بہن کے حوالے سے یوں پیش کرتا ہے۔

ہفتے کے دن اور مہینے کی سولہویں تاریخ کو ھار سنگھار سے پرہیز کریں

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

جب مرد شکار کو جاتے ہیں تو وہ چرواہوں سے عشق لڑاتی ہیں
یا گھروں میں پڑے ہوئے بزدلوں کے ساتھ داد عیش دیتی ہیں

پرتگیزیوں نے حمل کو ہر طرح کی ترغیب اور لالچ دی تا کہ وہ ان کے لئے کام کر سکے۔ اس کے علاوہ انہوں نے حمل کو پرتگیزی دوشیزاؤں سے شادی کرنے کے لئے رضامند کرنے کی کوشش کی لیکن میر حمل نے صاف انکار کرتے ہوئے جواب دیا جسے شاعر نے ان الفاظ میں بیان کیا

میں بلوچ ہوں یہ عیب اپنے دامن پر نہیں لے سکتا
مجھے میرے اپنے وطن کی خمار آنکھوں والی حسینائیں پسند ہیں
جو لمبی شلوار قمیض اور ریشمی دوپٹے پہنتی ہیں
ہاتھوں کو ڈھانپنے والے لمبی آستین پہنی ہوئی ہوتی ہیں
اتنی لمبی کہ انکی خوبصورت انگلیوں کے صرف ناخن نظر آتے ہیں

جب پرتگیزیوں کی تمام ترکیبیں اور ترغیبیں حمل کے دل کو موم نہ کر سکیں اور اس کے ضمیر کا سودا کرنے سے قاصر رہے تو انہوں نے اسے مارنے کا فیصلہ کیا۔ جب حمل کو اپنی موت کا یقین ہوا تو انہوں نے بحری ہواؤں کے دوش پر اہلیان وطن کو یہ پیغام بھیجا

اے سمندری ہواؤ! میرا پیغام لے جاؤ
اسے الکن، شاہو اور نوابو تک پہنچا دو
میری والدہ محترمہ اور میری چھوٹی بہن کو بھی خبر کر دو
کہ اب میری دعوت کے لئے مینڈھے نہ پالا کریں
میرے کھانے کے لئے مہلب جیسی خوشبوؤں والی گندم نہ پیسیں
میرے اوڑھنے کے لئے رنگین ریشمی چادر نہ بُنیں
میرے گھوڑے کے لئے پتلی رو بند نہ کاتیں
کیونکہ میں اب زندہ واپس نہیں آؤں گا
مجھ حمل کو غرور اور تکبر نے مارا ہے
اپنے والد کے زمانے میں نے تکبر کیا تھا
مجھے تکبر نے مارا اور دشمنوں نے گرفتار کیا

میر حمل کی موت پر بلوچستان میں صف ماتم بچھ گئی اور اس کے احباب اور دوست سب غمناک ہوئے اور میر حمل کی بہن نے اپنے بھائی کے غم میں جو نوحہ کہا وہ کچھ یوں ہے

تین چار چیزیں حمل کی موت سے خوش ہوئیں
پھاؤ کے پہاڑی بکرے اور جڑو کی سبزہ زار کے ہرن
جنگلوں کے قوی ہیکل شیر اور میدانی چراگاہوں کے گور
پہاڑی بکریوں نے جا کر پہاڑی بکروں سے کہا
چلو اب پہاڑی سلسلہ کو خیر باد کہہ دو
چلو ان ریتلے میدانوں میں جا کر چریں
حمل مر گیا ہے، اب ہمارا شکار وہاں کون کرے گا
وہ تو حمل ہی تھا جو میدانوں میں گوروں کا
اور جنگلوں میں شیروں کا شکار کیا کرتا تھا (۱۷)

میر حمل کے پرتگیزیوں کے ساتھ لڑائی کی تاریخی اہمیت مسلم ہے اس میں ہمیں ساحل مکران کے اس زمانے کے حالات سے بخوبی آگہی ملتی ہے۔ اگر چہ یہ بات بحث طلب ہے کہ میر حمل اور اس کے ساتھیوں کے متعلق پرتگیزی یا دیگر ماخذ کیا کہتے ہیں۔ عین ممکن ہے کہ مستقبل قریب میں کوئی جفاکش محقق لزبن (پرتگال) جا کر اس کی گنجینہ دپتر سے مکران کے اس گنجینہ گوہر سے متعلق [illegible]ری موتی و جواہرات چن کر اہلیان بلوچستان کو اپنے احسان تلے ہمیشہ زیر بار رکھے۔

بہر حال پرتگیزی مکران کے ساحلی شہروں اور دیہاتوں میں عرصہ دراز تک لوٹ مار کرتے رہے وہ کبھی شہروں کو آگ لگاتے تو کبھی لوگوں کا قتل عام کرتے اور کبھی ساحل مکران کے باشندوں سے شکست کھا کر راہ فرار اختیار کرتے۔ پرتگیزی ۱۵۱۵عیسوی سے لیکر ۱۵۸۱عیسوی تک مکران کے ساحلوں پر ظلم کے بادلوں کی طرح منڈلاتے رہے۔ آخر کار ہر کمال را زوال است کے قانون قدرت کے تحت پرتگیزی طاقت کو بھی زوال سے دوچار ہونا پڑا اور اس کی جگہ نئی طاقتوں نے لے لی۔

حوالہ جات:

1- Baluchistan District Gazetteer Series (1906) vol-7, Bombay p-46 cited by Sabir Badal Khan (2000), Portuguese encounters with Coastal Makran Baloch during the Sexteenth Century. Some references from a Balochi heroic epic JRAS, Series 3, 10, 2, pp-153-169

2- Badal Khan, Sabir (2000) p-153

3- Baloch, Inayatullah (1995). Islam the state, and identity: the Zikris of Balochistan. In "Marginality and Modernity" Titus p.(ed), Oxford University Press, Karachi, p-230

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

اچانک حملہ کیا۔وہ بڑی مشکل سے اپنی جان بچا کر کسی نہ کسی طرح اصفہان پہنچنے میں کامیاب ہو گئے۔اصفہان سے انہوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کو خط لکھا جس میں انہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ انگریز سرکار گوادر میں ایک فیکٹری قائم کرے تاکہ وہ اس علاقے کو اپنے دسترس میں لا سکے۔مذکورہ خط میں فیکٹری کھولنے کی جو وجوہات بیان کی گئی ہیں ان کے مطابق چونکہ یہ علاقہ (گوادر) اہم تجارتی گزرگاہوں کے سنگم پر واقع ہے۔لہذا اس اہم بندرگاہ کو دسترس میں لانے کے بعد ساحل مکران پر انگریز سرکار کی بالادستی قائم ہوگی۔(۱)

سن ۱۶۵۱عیسوی میں ہمیں بلوچ سپاہی پرتگیزی لشکر میں بھی نظر آئے جب وہ پرتگیزی مفادات کو مسقط میں بروئے کار لانے کی خاطر ان کے ملازم ہوئے اگرچہ بعدازاں مسقط کے امام نے اپنے ملک سے پرتگیزیوں کو نکال باہر کیا۔اس دور میں ہمیں بلوچ مختلف یورپی اقوام کی افواج میں بطور کرائے کے سپاہی نظر آئے اگرچہ وہ دل سے کبھی بھی ان طاقتوں کے ہمنوا نہ تھے۔تاریخ کے اس دور میں بلوچوں اور یورپی طاقتوں کے مابین کئی بغاوتیں ہوئیں لیکن وہ اتنے بڑے پیمانے پر نہ تھے۔

اس زمانے میں ساحل مکران پر کیچ کے مَلک (ھوت) حکومت کیا کرتے تھے جو کہ ان ساحلی علاقوں پر آنے والے تجارتی جہازوں پر ٹیکس لگاتے تھے۔پیٹرو دیلاول **della (Pietro Valle)** کے مطابق مکران کے مقامی مَلکوں (ھوت قبیلے کے حکمرانوں) کے ایران کے صفوی حکمرانوں کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔(۲)

۱۶۱۲عیسوی میں تخت مکران پر بلیدی قابض ہوئے۔بلیدیوں کی اکثریت ذکری فرقے کے پیروکار تھے(ذکری فرقے کی تاریخ اور اس کا مکران کے عوام الناس پر اثر بلیدی اور گچکی دور سے متعلق باب میں بیان کیا گیا ہے)۔۱۷۴۰ء تک اورماڑہ سے لیکر جاشک تک کے علاقے بلیدی حکمرانوں کے قلمرو میں شامل تھے۔

بلوچستان کے شمالی علاقہ جات پشین اور اس کے قرب و جوار کے علاقے قندھار کے حکمرانوں کے ساتھ ملکر اپنی وفاداریاں تبدیل کرتے رہے وہ کبھی ایران کے صفوی خاندان سے اپنے وفاداریوں کا اظہار کرتے تو کبھی ہندوستان کے مغل فرمانرواؤں کو اپنے وفاداری کا یقین دلاتے۔جب صفوی ایران اور اس کے گردونواح میں طاقت ور ہوئے تو قندھار،کوئٹہ،پشین اور قلات تک کے علاقے ان کے زیر اثر آئے۔مغل بادشاہوں کا بلوچستان میں دلچسپی کا آغاز اس وقت ہوا جب ہمایوں نے شیر شاہ سوری سے شکست کھانے کے بعد ایران کے صفوی بادشاہ سے مدد طلب کی۔اس دوران بلوچوں نے ہمایوں کا ساتھ دیا۔جب ہمایوں دوبارہ تخت دہلی پر قبضہ

...میں کامیاب ہوا تو انہوں نے کوئٹہ اور مستونگ کے علاقے لونگ خان بلوچ کو بخشے۔(۳)

اسی دوران میر قمبرانی نے مغلوں کی مدد سے جھلاوان کے علاقے میں جٹ (جت) قوم کو شکست ... اور اس علاقے پر قبضہ کرلیا۔۱۵۲۲ء میں مغل بادشاہ بابر نے قندھار کے حاکم شاہ بیگ ارغون کو شکست ... قندھار پر قبضہ کرلیا۔شاہ بیگ ارغون نے جواب میں سندھ اور قلات پر حملہ کر کے وہاں اپنی حکومت ... کرلیا۔قلات پر ارغونوں کی حکومت زیادہ دیرپا ثابت نہ ہو سکی جلد ہی وہ میر قمبرانی کے بیٹے میر عمر کے ... شکست کھا کر سندھ تک محدود ہو گئے۔اس طرح قلات کی حاکمیت میر عمر کے ہاتھ آئی۔یہ اس ... واقعہ ہے جب رند اور لاشار نے مکران سے شمال کی جانب ہجرت کیا۔ میر عمر زیادہ دیر تک قلات پر ... نہ کر سکے انہیں مکران کے رند اور لاشار نے حکومت سے دست بردار کر کے قلات پر اپنی حکومت ... کرلی۔رندوں کی سربراہی میر شیہک رند اور اس کا نامور ولی عہد میر چاکر کر رہے تھے۔جبکہ لاشاری ... وندگ اور ان کے فرزند گہرام لاشاری کے سربراہی میں رندوں کے ساتھ متحد تھے۔لیکن رند و لاشار ... ہجرت جاری رہی جس کے نتیجے میں وہ قلات کو چھوڑ کر آگے کچھی،درہ بولان اور سبی پر جا کر قابض ... اور جاتے جاتے انہوں نے قلات میر چاکر کے سسر میر مندو کو سونپ دی۔جلد ہی میر عمر کے ... بجار نے میر مندو کو شکست دیکر قلات پر قبضہ کرلیا اس طرح قلات دوبارہ براہوی قبیلے کے ہاتھ ... اسی دوران مغلوں نے مداخلت کر کے قلات پر قبضہ کرلیا۔اگرچہ قلات پر مغلوں کی حکومت برائے ... بہر حال قلات ان کے قبضے میں رہا اور انہوں نے قلات کو صوبہ قندھار کے ماتحت رکھا۔جب ... مغلوں کے ہاتھوں سے چلا گیا تو قلات میں پھر بغاوت ہوئی اور مغلوں کی گرفت قلات پر کمزور ... اسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر میر ابراہیم میروانی نے قلات پر قبضہ کر کے اس پر اپنی حکومت قائم ... میر ابراہیم اگرچہ فاتح قلات تھا لیکن انہوں نے اقتدار اپنے بہنوئی میر حسن کو سونپ دی۔اس ... میر حسن تاریخ میں وہ پہلا شخص ہیں جنہوں نے اپنا لقب ''خانِ بلوچ'' رکھا۔وہ صحیح معنوں میں ... کا پہلا متحدہ حکمران تھا۔میر حسن کے وفات (۱۶۶۶ء) کے بعد قلات میر احمد خان قمبرانی کے ... میر احمد خان قمبرانی ''احمد زئی'' خوانین قلات خاندان کا بانی تھا۔(۴)

احمد زئی حکمران (۱۶۶۶ء تا ۱۸۳۹ء)

احمد زئی خاندان کا بانی میر احمد قمبرانی تھے جو کہ قلات کے تخت پر ۱۶۶۶ء میں فائز ... انہوں نے تیس سال تک قلات پر حکمرانی کی۔وہ مغل بادشاہ اورنگزیب عالمگیر کا اتحادی ... اس نے اپنے دور اقتدار میں شمال میں باروزئی افغانوں اور جنوب میں سندھ کے کلہوڑوں

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

وفات ۱۶۹۷ء بتاتے ہیں۔ اس کے برخلاف ریکاڈو ریڈیلی (Reccardo)(Redaelli) اس بات کو سرے سے ماننے کو تیار ہی نہیں ہیں کہ محراب خان اول خان قلات کے عہدے پر براجماں ہوئے۔ اس کے برعکس وہ خان سمندر خان کو میر احمد قمبرانی کے بعد قلات کا حکمران ٹھہراتے ہیں جن کے دور حکومت کا آغاز ۱۶۹۵ء سے ہوا۔ (۱۲)

تحفۃ الکرام کے مولف میر علی شیر قانع، میر محراب خان اول کی شہادت کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ میاں یار محمد خان جب قلات پہنچا تو اولاً بروہی مقابلہ پر آمادہ ہو گئے۔ ایک سخت جنگ میں محراب خان حاکم قلات بے خبرانہ مارا گیا۔ پھر میاں یار محمد کلہوڑا نے صلح کر لی اور اپنے دو فرزند میاں نور محمد اور میاں محمد خان کو قلات کے حاکم کے پاس بطور یرغمال پیش کیا اس کے بعد اسے قیام کی اجازت مل گئی۔ (۱۳)

کلہوڑہ دور کے حوالے سے مولانا غلام رسول مہر لکھتے ہیں کہ یہ واقعات سن ۱۶۹۹ء تا ۱۷۰۰ء میں پیش آئے۔

محراب خان اول کی شہادت کے بعد اس کا بھتیجا سمندر خان المعروف سخی سمندر قلات میں تخت نشین ہوا اور انہوں نے کلہوڑوں کے ساتھ اپنی جنگ جاری رکھی۔ گل خان نصیر کے مطابق میر سمندر خان، میر محراب کے چھوٹے بھائی میر قمبر کا بڑا لڑکا تھا۔ وہ نہایت سخی بہادر اور شریف تھا۔ (۱۴)

دوسری جانب سندھ میں میاں یار محمد عباسی (کلہوڑا خاندان خود کو عباسی بھی کہلواتے تھے) قلات میں جلاوطنی کے بعد واپس سندھ آئے اور حکومت پر قابض ہو کر وہ منصب دار شاہی بن گئے۔ غلام رسول مہر کے بطابق اس سے کلہوڑا خاندان اور خان قلات کے درمیان عداوت کا ایک نیا شعلہ بھڑکا۔ اس بارے میں میاں یار محمد کلہوڑا لکھتے ہیں کہ ''سمندر خان کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی، عداوت کا بہانہ ڈھونڈتے ہوئے پیغام بھیجا کہ اگر تمام عطا شدہ جاگیروں میں گنجابہ کو چھوڑ دو تو صلح قائم رہی گی ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ''۔ (۱۵)

گنجابہ کچھی کی زرخیز زمینوں پر مشتمل علاقہ تھا جس سے یار محمد کلہوڑا کسی بھی صورت دست بردار ہونے کو تیار نہ تھے۔ لہذا انہوں نے اپنے چھوٹے بھائی میاں میر محمد خان کو قلات بھیج دیا تاکہ معاملہ کچھ لو کچھ دو سے ٹل جائے۔ یاد رہے کہ اس وقت بھی میاں یار محمد کا آدھا خاندان بطور یرغمال قلات میں رہائش پذیر تھا۔ میر سمندر خان نے اس کے جواب میں کہا ''گنجابہ میرے حوالے کر دو تاکہ میں تمہارے فرزندوں اور قبائل کو جانے کی اجازت دے دوں اور قول و سوگند کی بنا پر نئے سرے سے مصالحت کر لوں۔ بعد ازاں تمہیں کوئی ضرر نہ پہنچے گا اور اگر گنجابہ نہیں دیتے تو پھر صلح و آشتی کی کوئی صورت نہیں۔ اٹھو اور یہاں سے چلے جاؤ۔ تمہارے قبائل کے متعلق جو کچھ میرے

دل میں آئے گا، کروں گا''۔ (۱۶)

اگر چہ میاں یار محمد کے احباب نے انہیں مشورہ دیا کہ گنجابہ کے علاقے سے دست بردار ہو جاؤ تاکہ اس کے عزیز و قبائل کے لوگوں کو رہائی ملے۔ لیکن وہ لالچی انسان تھے اور وہ ان زرخیز زمینوں سے دست بردار ہونے کو تیار نہ تھے۔ لہذا وہ لکھتے ہیں کہ ''گنجابہ تو ایک قلعہ ہے اگر کوئی شخص اس کی ایک اینٹ آئینہ بنانے کے لئے بھی چاہے تو اس کی آنکھیں اندھی ہو جائیں۔ میں خاک کا ذرہ بھی نہ دوں گا۔ خدا نہ کرے کہ اس قسم کے خیالات دل میں جگہ پائیں۔ بروہی اپنے تمام تر لشکر اور کوہستانی افغانوں کو ساتھ لیکر سرحدی علاقے میں آیا ہوا ہے اور گنجابہ کا محاصرہ کر لیا ہے۔ رات دن چپقلش ہوتی رہتی ہیں۔ مجھے قدم مبارک کی قسم ہے اس سے خفیف سا بھی اندیشہ پیدا نہ ہوا۔ صرف اس فکر میں ہوں کہ خدا تعالیٰ کشائش عطا کرے تو سپاہ کو تنخواہ دے کر قلات پر یورش کر دوں اور مفسدوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکوں۔ فرزندان و قبائل فرمانبرداری کی راہ میں قربان ہیں''۔ (۱۷)

اس کے بعد سخی سمندر ان کے قبائل کو بمعہ اہل و اعیال رہا کر دینے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ ان کی معاملہ فہمی تھی لیکن کلہوڑا اسے اپنی فتح تسلیم کر رہے تھے اور یہاں تک میاں یار محمد، سخی سمندر پر بہتان تراشی پر اتر آئے۔ اگر سخی سمندر بختیار جیسا بد طینت پٹھان ہوتے تو اس طرح میاں یار محمد کے اہل و اعیال کی رہائی ناممکن ہوتی۔ گلدستہ نورس بہار جو کہ میاں یار محمد کا خود نوشتہ ہے اس کے اقتباسات جو کہ غلام رسول مہر نے دیئے، ان سے واضح ہوتا ہے کہ میاں یار محمد جب خان قلات کی پناہ میں تھے تو اس نے گنجابہ کا علاقہ بطور تحفہ خان سمندر کو دیا تھا وہ خود اس کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں ''جو کچھ باہم طے ہو چکا ہے، اس میں اب تک کوئی فرق نہیں آیا۔ اگر آیا بھی ہو تو آئندہ نہ آئے گا''۔ (۱۸)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ میاں یار محمد اپنے وعدے سے مکر گئے تھے۔ وہ ان کے خیال میں ایام جلاوطنی کے وعدے تھے اب چونکہ وہ اپنے وطن میں دوبارہ تخت حاصل کر چکا تھا لہذا پرانے عہد و پیمان کالعدم قرار پائے۔ خان قلات سخی سمندر، کلہوڑوں سے گنجابہ کے علاقے کے حصول کے علاوہ مغل لشکر کے ساتھ مختلف محاذوں پر ان کا ساتھ دیتے ہوئے نظر آئے اور ان کی جنگی خدمات کے عوض مغل فرمان رواؤں نے انہیں کراچی کی بندرگاہ بخش دیا۔ اس طرح کراچی کا علاقہ بلوچوں کی قلمرو میں شامل ہوا۔ (۱۹)

سخی سمندر کے زمانے میں قلات کے تعلقات والی قندھار اور دہلی کے مغلوں سے استوار تھے۔ سندھ اور کرمان کے حکمرانوں سے ان کے آئے دن جھڑپیں رہتی تھیں۔ صفوی خاندان کے آخری بادشاہ شاہ سلطان حسین (۱۶۹۴ء-۱۷۲۲ء) کے دور میں مغربی مکران اور سرحد کے بلوچ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

تھے۔ خوانین قلات کی حکمرانی کو پہلی دفعہ انگریزوں کے دور حکومت میں استحکام نصیب ہوئی۔ اس سے پہلے قلات آئے دن اندرونی اور بیرونی سازشوں کا آماجگاہ بنا رہا۔

عبداللہ قہار اگرچہ خان قلات کہلاتا تھا مگر وہ خود نادر شاہ کے گرفت میں تھا اور نادر شاہ نے عبداللہ قہار کو بلوچستان میں گورنر نامزد کیا تھا اور اسے حکم دیا تھا کہ وہ قندھار کے ابدالیوں کی جنوب کی سمت سے سرکوبی کرے۔ دوسری جانب نادر شاہ خود اپنی فوج لیکر مغرب کی جانب سے قندھار پر حملہ آور ہوا۔ عبداللہ قہار نادر شاہ کا حکم بجانہ لایا کیوں کہ اس زمانے میں وہ خود کلہوڑوں کے ساتھ کچھی کے میدانوں میں نبرد آزما تھا جس میں اس کی موت واقع ہوگئی۔ اس طرح عبداللہ قہار نادر شاہی قہر سے محفوظ رہے۔ عبداللہ قہار کے موت کے بعد اس کا بیٹا میر محبت خان ان کا جانشین مقرر ہوا لیکن اسے عوامی مقبولیت حاصل نہ تھی۔ لہٰذا قلات کے سرداروں نے اسے ہٹا کر اس کی جگہ اسکے بھائی التیاز خان کو تخت پر بٹھا دیا گیا۔ جلد ہی قلات کے سرداروں کو احساس ہوا کہ التیاز خان بھی تخت کے اہل نہیں ہیں لہٰذا دوبارہ محبت خان کو تخت نشین کرایا گیا۔ نادر شاہ ابھی تک عبداللہ قہار کے حکم عدولی کو فراموش نہ کر سکے تھے۔ لہٰذا انہوں نے پیر محمد بمگر بیگی کو ۱۷۳۶ء میں قلات بھیجا۔ میر محبت خان اور التیاز نے جنگ کے بجائے ہتھیار ڈالنے میں اپنی عافیت جانی اور دونوں خود قندھار جا کر نادر شاہ کے دربار میں پیش ہوئے۔ نادر شاہ نے التیاز خان کے بڑے بھائی محبت خان کو بلوچستان کا گورنر مقرر کیا جس میں مکران کا علاقہ بھی شامل تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ نادر شاہ نے خان قلات کو کچھی کا زرخیز علاقہ بھی بخش دیا۔ یہ علاقہ عبداللہ قہار کے خون بہا کے عوض کے طور پر دیا گیا تھا۔ ان مراعات کے نتیجے میں خوانین قلات کے پاس زرخیز زمینوں پر مشتمل ایک اہم علاقہ ہاتھ آیا جس سے قلات کے بعد میں آنے والے خوانین معاشی لحاظ سے کافی مستحکم ہوئے۔

نادر شاہ نے چونکہ قتل و غارت گری کا سلسلہ شروع کر رکھا تھا وہ خود بھی اسی سلسلے کا شکار ہو کر قتل ہوا۔ ۱۷۴۷ء میں نادر شاہ کے قتل کے بعد احمد شاہ ابدالی جس نے بعد میں درانی کا لقب اختیار کیا تھا نادر شاہ کے وسیع علاقے کا حاکم بن بیٹھا۔ احمد شاہ ابدالی نے میر محبت خان کو معزول کر کے اس کے چھوٹے بھائی میر نصیر خان اول جو کہ ۱۷۳۷ء سے نادر شاہ کے پاس تھے، ان کو قلات کا نیا خان مقرر کیا۔

نصیر خان احمد زئی خوانین قلات میں سب سے اہم حکمران تھے۔ جن کی حکومت کے دور رس نتائج نکلے۔ وہ بیک وقت ہیرو اور ولن کا کردار ادا کرتا رہا۔ اگرچہ ان کے دور حکومت میں بلوچستان متحد ہوا لیکن انہوں نے مکران میں خون کا بازار گرم رکھا تھا اور ہزاروں لوگ ان کے ظلم و ستم کے ہاتھوں اپنے جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ کوئٹہ کا علاقہ جو کہ نادر شاہ کے افغانستان پر حملے کے بعد اس

کے پاس تھا۔ انہوں نے نصیر خان کے ایام اسیری میں اس کی ماں بی بی مریم کو بخشا لیکن اس پر عمل درآمد احمد شاہ ابدالی کے دور میں ہوا۔ ۱۷۵۱ء میں جب نصیر خان ایران کے مشرقی سرحدوں میں احمد شاہ ابدالی کا ساتھ دے رہے تھے، تو کوئٹہ کا علاقہ احمد شاہ نے بطور شال اس کی ماں کو بخشا۔ (۲۳)

نصیر خان کا دور حکومت (۱۷۴۹ء تا ۱۷۹۴ء)

نصیر خان احمد زئی خوانین قلات میں سب سے مشہور حکمران تھے۔ وہ میر عبداللہ خان کے تیسرے بیٹے تھے۔ اس کی ماں بی بی مریم التیاز زئی خاندان سے تعلق رکھتی تھی۔ التیاز خان جسے حاجی محمد خان بھی کہا جاتا تھا، اس کا بھائی تھا۔ جبکہ میر محبت خان اس کا سوتیلا بھائی تھا جس کی ماں جدگال قبیلے سے تعلق رکھتی تھی۔ عبداللہ قہار کے موت کے بعد محبت خان قلات کے تخت کا وارث مقرر ہوا اور مستونگ کا علاقہ حاجی محمد خان کے ہاتھ آیا۔ لیکن حاجی محمد خان اپنے بھائی سے وفادار نہ تھا اور دوسال بعد اس نے قلات کے درباریوں کو رشوت دے کر عید سعید کی رات کو قلات کے تخت پر قبضہ کر کے اس نے محبت خان کو قید کر لیا۔ لیکن وہ کسی طرح بچ نکلنے میں کامیاب ہوا۔ محبت خان بلوچ قبیلوں کو التیاز خان کے خلاف اکساتا رہا لیکن چوں کہ لوگ اس سے نالاں تھے، لہٰذا کسی نے اس کی مدد نہ کی۔ لہٰذا ہر طرف سے مایوسی کی بعد وہ دوبارہ قلات آیا تو مستونگ کا علاقہ اسے دیدیا گیا۔ جب بیگلر بیگی پیر محمد کو نادر شاہ نے قلات کے خوانین کی سرکوبی کے لئے بھیجا تو محبت خان کا ٹکراؤ نادر شاہی لشکر سے ہوا جس میں اسے شکست ہوئی۔ دوسری جانب التیاز خان نااہل حکمران ثابت ہوا بلوچ سرداروں نے نادر شاہ سے درخواست کی کہ اس کی جگہ محبت خان کو قلات کے تخت کا وارث بنایا جائے۔ نادر شاہ نے محبت خان کو قید سے نکال کر خان قلات نامزد کر دیا۔ التیاز خان کا بیٹا مراد علی اور خان قلات کے بھائی نصیر خان اول کو نادر شاہ نے بطور یرغمال اپنے قید میں رکھا تا کہ محبت خان اس کی سرپرستی کو قبول کرتا رہے۔ (۲۴)

نادر شاہ کے قتل کے بعد احمد شاہ اس کی سلطنت کا وارث بنا۔ نصیر خان نے اس کی اقتدار کو سرخم تسلیم کر لیا۔ اس کے عوض اسے محبت خان کی جگہ قلات کا خان مقرر کیا گیا۔ نصیر خان، احمد شاہ ابدالی کا چہیتا جنرل تھا جس کا رتبہ سردار جہان خان کے بعد تھا۔ جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ احمد شاہ ابدالی کی نظروں میں نصیر خان کی کتنی قدر و منزلت تھی۔

نصیر خان نے کئی محاذوں پر احمد شاہ ابدالی کا بھرپور ساتھ دیا۔ وہ خراسان اور ہندوستان پر تین حملوں میں احمد شاہ ابدالی کے ساتھ تھے۔ انہوں نے ان محاذوں پر بہادری کے جوہر دکھائے۔ ملیسن (Malieson) کے مطابق نصیر خان سنہرے مواقعوں کے انتظار میں تھا، اس لئے وہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

میں آپ کے خلاف لڑائی مول لوں اس لئے یہ خادم آپ کی خدمت میں از خود قندھار آ کر آپ کو اپنا شاہ تسلیم کرے گا اور قلات میں آپ کے مقرر کردہ کسی بھی شخص کو میں تسلیم کرنے میں عار محسوس نہیں کروں گا۔ آپ بادشاہ ہیں"۔ (۲۷)

احمد شاہ ابدالی ایک دور اندیش حکمران تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ نصیر خان جیسا قابل حکمران قلات میں کوئی اور نہیں ہے۔ نصیر خان ایک قابل، بہادر اور ذہین حکمران ہے جو کہ حالات کی نزاکت کو سمجھنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ لہٰذا نصیر خان سے دوستی ہی میں افغانوں کی بھلائی ہے اور انہوں نے اسی میں اپنی بھلائی سمجھی کہ وہ اقتدار خان بلوچ کے پاس ہی رہنے دے۔ احمد شاہ ابدالی نے نصیر خان کو دعا دی "اللہ تعالیٰ آپ کو قلات پر حکمرانی کرنے کی توفیق دے"۔ اس کے بعد نصیر خان اور احمد شاہ ابدالی کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا۔ اس معاہدے کو اخوند محمد صدیق نے اس طرح بیان کیا ہے:

۱- نصیر خان، احمد شاہ ابدالی کو اپنا حاکم تسلیم کرتا ہے۔
۲- نصیر خان افغانوں کے جنگی مہمات میں ان کا ساتھ دیں گے اور اس کے بدلے میں اس کو زر اور آلات حرب فراہم کرنا افغانوں کی ذمہ داری ہوگی۔
۳- افغان شاہ یہ سمجھتا ہے کہ نصیر خان اور اس کے بعد کے آنے والے حکمران سدوزئی حکمران طبقے کے اندرونی معاملات اور جنگوں میں کسی بھی طبقے کا ساتھ نہیں دیں گے اور وہ ان کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہ کریں گے۔
۴- خان قلات مستقبل میں کسی قسم کا خراج ادا نہیں کریں گے۔ (۲۸)

اسی معاہدے کا ذکر خان قلات میر احمد یار خان نے اپنی کتاب میں تفصیل سے کیا ہے۔ اپنی کتاب میں خان بلوچ نے اس معاہدے کے نکات کو اس طرح بیان کیا ہے:

۱- خان بلوچ میر نصیر خان آئندہ شاہ افغانستان کو کوئی خراج نہیں دے گا۔
۲- خان بلوچ آئندہ احمد شاہ ابدالی کو "سان" غم لشکر وغیرہ نہیں دے گا البتہ جب کبھی شاہ افغانستان کو اپنی حکومت سے باہر کسی دشمن سے لڑنا پڑا تو خان بلوچ فوجی دستہ بطور امداد دے گا اور اس امداد کی عوض شاہ افغان خان بلوچ کو ایک لاکھ روپیہ نقد بارود اسلحہ جنگی اور فوج کے اخراجات وغیرہ بوقت ضرورت امداد دے گا۔
۳- خان بلوچ کسی ایسے سدوزئی شاہزادے یا کسی افغان سردار کو اپنی پناہ یا امداد وغیرہ نہیں دے گا جو حکومت افغانستان سے باغی ہو کر اس کے پاس آ گیا ہو۔ نیز افغان بادشاہ بھی قلات کے شاہی خاندان احمد زئی۔ کر کسی ایسے شہزادہ یا قبائلی سردار کو پناہ اور امداد وغیرہ نہیں

دیگا جو حکومت بلوچی کے مخالف یا باغی ہو کر اس کے پاس آ گیا ہو۔
۴- شاہ افغانستان آئندہ خان بلوچ کے اندرون معاملات، تنازعات اور بلوچستان سے متعلق دیگر معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کرے گا۔
۵- خان بلوچ کے جو جو علاقہ جات اس وقت شاہ افغانستان کے پاس ہیں، ان کو آج ہی خان بلوچ کے حوالہ کر دیا جائے گا۔ (۲۹)

اس معاہدے کو دوام بخشنے کے لئے احمد شاہ درانی، نصیر خان کے ایک کزن کو اپنے عقد میں لے لیتے ہیں۔ ان واقعات کے بعد نصیر خان اور سدوزئی خوانین کے درمیان تعلقات رشتوں کے مضبوط بندھن میں بندھ گئے۔

سدوزئی افغانوں سے اپنے اقتدار پر مہر ثبت کرنے کے بعد نصیر خان کے لئے افغان خطرہ ٹل گیا۔ لیکن اب بھی وہ بلا شرکت غیرے بلوچستان کا حاکم نہ تھا بلکہ کئی علاقائی سردار اس کے راہ میں حائل تھے۔ ان میں سب سے اہم کیچ کے گچکی حاکم ملک دینار گچکی تھے۔ سدوزئی افغانوں سے معاہدہ طے کرنے کے بعد نصیر خان نے مکران کے گچکی حاکم ملک دینار کے خلاف اپنی مہمات کا آغاز کیا۔ ملک دینار ذکری فرقے کے پیروکار تھے۔ ملک دینار اور نصیر خان کے درمیان آخری لڑائی ۱۷۷۸ء میں ہوئی، ملک دینار اس جنگ میں مارے گئے اور ان کے زیر دست علاقے جس میں پنجگور، کیچ اور گوادر شامل تھے نصیر خان کے ہاتھ آئے۔ جس سے ان کی طاقت میں اور اضافہ ہوا۔ گچکیوں کے علاوہ نصیر خان نے لسبیلہ اور خاران کے مقامی حکمرانوں پر بھی حملے کئے اور یہ تمام علاقے قلات کے زیر اثر آ گئے۔ اگرچہ ایک طرف انہوں نے ان علاقوں کے حاکموں کو زیر کر لیا لیکن دوسری طرف اس قتل و غارت گری سے کافی لوگ لقمہ اجل کا شکار ہوئے خاص کر اہلیان مکران کو نصیر خان کے حملوں کی وجہ سے شدید نقصان پہنچا۔ اگر نصیر خان حکمت عملی اور فہم و فراست سے کام لیتا تو ممکن تھا کہ یہ علاقے بغیر کسی خون ریزی کے ان کے ہاتھ آتے۔ یہ بات شک و شبہے سے بالاتر ہے کہ اس طرح نصیر خان کے دور میں متحدہ بلوچستان کا خواب شرمندہ تعبیر ہوا۔ فتح مکران کے بعد نصیر خان نے اقتدار پھر سے گچکی خانوادوں کے حوالے کی جنہوں نے ان کی سربراہی کو تسلیم کر لیا تھا۔ اس کے بعد گچکی خاندان آپس کے چپقلشوں کی وجہ سے انتشار کا شکار ہوئے اور مکران پر ان کی حکومت کی گرفت کمزور ہو گئی۔

مسقط کے بوسعیدی حکمران

مسقط کے حکمرانوں کے بلوچوں کے ساتھ تعلقات قدیم زمانے سے چلے آ رہے تھے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

کرتا۔ اس طرح قبیلے اندرونی طور پر سردار کی نامزدگی کے معاملے میں خودمختار تھے۔ اسی طرح امتداد زمانہ کے ہاتھوں مختلف قبائلی گروہ ایک قبیلے کو چھوڑ کر دوسرے قبیلے میں ضم ہوتے رہے اور اس طرح قبائل کی افرادی طاقت میں کمی بیشی ہوتی رہی۔ چونکہ بلوچستان کے افراد کی اکثریت کا تعلق مالداری (گلہ بانی) سے تھا جس کے لئے چراگاہوں کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ لہذا ان چراگاہوں کے حصول کے لئے مختلف قبائل آپس میں دست وگریبان ہوتے رہے۔ اس پیشے سے وابستہ افراد اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر وہ کسی خاص قبیلے سے وابستہ نہ ہوں تو ان کے لئے چراگاہوں کا حصول ممکن نہیں ہے لہٰذا کسی قبیلے کی شکل میں ایک مضبوط سردار کی سرکردگی ان کی بقا کے لئے ضروری تھی۔ وہ سردار اسے منتخب کرتے تھے جو باصلاحیت اور بہادر ہو جو قبیلے میں شامل تمام لوگوں کی مفادات کو سہل طریقے سے دوسرے قبائل سے بچا سکتا ہو۔ اس کے عوض سردار اپنے قبیلے میں شامل گروہوں سے خراج لینے کا مجاز تھا۔ اس طرح قبائلی سردار اور قبیلے میں شامل مختلف گروہ ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم حصہ بن گئے۔ (۳۰)

ریاست قلات، خوانین قلات کے دور حکومت ۱۶۶۶ء تا ۱۸۴۰ء کے دوران ایک بے آب وگیاہ علاقے، جس میں ہندوستان اور اس کے پڑوس کے ممالک میں آئے دن کے جنگوں سے تنگ آئے ہوئے لوگ آکر پناہ لیتے تھے، سے ایک مضبوط ریاست کی صورت میں ابھرا۔ اس طرح سے انسانوں کے یہ مختلف گروہ ایک مضبوط سردار کے زیر اثر ارتقائی منازل طے کر کے ایک مضبوط قبیلے کی شکل میں نظر آئے جن کے معاشی مفادات کا تعلق زراعت اور مالداری پر تھا۔ اس طرح مختلف قبائل نے آپس میں مل کر خان قلات کی سرپرستی میں قلات کو ایک مضبوط ریاست کی ابتدائی صورت دی۔ جغرافیائی اعتبار سے ریاست قلات کو تین اہم خطوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ سراوان اور جھلاوان کے پہاڑی علاقے اور کچھی کی زرخیز زمینیں جہاں دریائے سندھ کے سیلابی پانی سے زراعت کا ایک قدیم نظام قائم تھا۔ اس خطے کے حصول کے لئے خوانین قلات اور سندھ کے کلہوڑا حکمرانوں کے درمیان کئی جنگیں ہوئیں جس کے نتیجے میں آخرکار خوانین قلات اس خطے کو حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اس زرعی خطے کے پیداوار نے خوانین قلات کے معاشی حالات میں اہم کردار ادا کیا اور اس کے نتیجے میں وہ طاقتور حکمران کی شکل میں ابھر آئے۔ تیسرا حصہ مکران کے ساحلی علاقوں پر مشتمل تھا۔

چونکہ معاشی خوشحالی کو برقرار رکھنے کے لئے طاقت اہم عنصر ہے اور طاقت کے لئے فوج رکھنا ضروری امر ہے لہٰذا کچھی کے میدانی علاقوں سے حاصل ہونے والی زرعی آمدنی کے نتیجے میں خوانین قلات اس قابل ہوئے کہ ایک مضبوط فوج رکھ سکیں جو کہ ان کے مفادات کا تحفظ کر سکے۔ دوسری جانب

زراعت ایک مشکل اور صبر آزما عمل ہے لہٰذا زراعت سے وابستہ لوگ عموماً جنگ وجدل سے کنارہ کش رہنا پسند کرتے ہیں۔ اسی وجہ سے خوانین قلات نے زرعی شعبے سے حاصل ہونے والی آمدنی کی مدد سے ریاست قلات کی عسکری طاقت کو فروغ دینے کی خاطر ریاست سے باہر کے مختلف گروہوں کو جنگی مقاصد کی خاطر اپنی فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا۔ اس طرح قلات کا خطہ بیرون بلوچستان سے آئے ہوئے لوگوں کا اہم ٹھکانہ بن گیا اور انہوں نے گلہ بانی اور زراعت سے وابستہ افراد کی اکثریت کو اقلیت میں بدل دیا۔ زراعت سے وابستہ افراد کا تعلق دو اہم نسلی گروہوں سے تھا پہلے گروہ میں دہوار شامل تھے جن کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ تاجکستان یا اس کے گردونواح سے نقل مکانی کر کے آئے تھے اور انہوں نے زراعت کے مختلف طریقے بھی قلات میں متعارف کروائے، جن کی مدد سے زرعی شعبے میں انقلاب برپا ہوا۔ دوسرا گروہ جت کا ہے جن کے متعلق امریکی ماہر لسانیات نینا سویڈلر (Nina. Swidler) کا خیال ہے کہ یہ لوگ پنجاب سے آئے ہوئے تھے۔ (۳۱)

اس کے علاوہ قلات میں غیر قبائلی عنصر کی ایک اچھی خاصی آبادی بھی تھی جن میں ہندو تاجر تھے جو کہ روزمرہ کے سامان کی خرید وفروخت کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ وہ زرعی پیداوار کو باہر کی منڈیوں میں بیچنے کے ذمہ دار بھی تھے۔ ان کے ساتھ افغان تاجر بھی تھے جو کہ قلات اور افغانستان کے درمیان تجارت کیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ حکومتی کارندے جو کہ افغانستان کے سید تھے جن کا کام سرکاری خط وکتابت اور خوانین قلات کی تاریخ نویسی بھی تھا، یہ بھی قلات کے معاشرے کا اہم عنصر تھے۔ خوانین قلات اپنی حفاظت کے لئے کسی خاص قبیلہ کے افراد پر بھروسہ نہیں کرتے تھے اس ضمن میں وہ ایسے گروہوں کو اپنا ملازم رکھتے تھے جن کے حصول اقتدار کے لئے اپنے مذموم مقاصد نہ ہوں۔ انہیں یہ شئے افریقہ سے لائے گئے غلاموں میں ملیں۔ انہوں ان غلاموں کو گھریلو کام کاج کے لئے رکھا اس کے علاوہ ان غلاموں کو سپہ گری کے تمام لوازمات سے بہرہ مند کروا کر انہیں اپنے ذاتی حفاظتی دستے میں رکھا۔ افریقہ سے لائے گئے غلاموں کی وفاداری مسلم تھی۔ خوانین قلات کسی بھی شخص سے زیادہ ان پر اعتماد کرتے تھے اور تاریخ خوانین قلات ان کی وفاداریوں کی داستانوں سے لبریز ہے۔ ان طبقات کے علاوہ عسکری اسباب بنانے کے ماہر اُستاکار (لوڑی) طبقہ بھی اہم تھا۔ یہ اوستاکار (سرمستانی بلوچ) نہ صرف جنگی ساز وسامان بنانے کے ماہر تھے بلکہ زرعی آلات بھی بناتے تھے اس کے علاوہ وہ بلوچوں کی عہدی شاعری کے پاسدار بھی تھے جن کی مدد سے وہ بلوچوں کو ان کے اسلاف کے کارناموں سے روشناس کراتے تھے۔ یہ ایک تاریخی المیہ ہے کہ معاشرے نے ان اہم طبقوں کو جن کی وجود سے خوانین قلات اور اس کے رعایا کی زندگیوں کا دارومدار تھا، انہیں سماج کے سب سے نچلے طبقے میں جگہ دی گئی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

کچھی کا زرخیز خطہ ہاتھ میں آنے کے بعد خوانین قلات کی معاشی حالات میں انقلاب آیا۔ مقامی کاشتکاروں نے سیلابی پانی کو زیر کاشت لانے کے لئے مختلف قسم کے طریقے بروئے کار لائے۔ جن کی وجہ سے پیداوار میں کافی اضافہ ہوا۔ اس فاضل پیداوار نے سرداروں اور خان کی طاقت کو دوام بخشا اور وہ کروفر کے ساتھ حکومت کرنے لگے۔ اگرچہ کاشت کاروں کے سماجی حالات میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی لیکن ان کی محنت سے سردار اور خان ضرور بہرہ مند ہوئے۔

کچھی کے زرعی زمینوں کی مدد سے خان جو کہ ابتدا میں ایک قبائلی سردار تھا اب ایک مستحکم زمیندار کی صورت میں سامنے آیا۔ انہوں نے اس معاشی استحکام کو اپنے مفادات کے لئے استعمال کرنا شروع کیا۔ نصیر خان کی حکومت کی کامیابی کی بنیادی وجہ معاشی استحکام تھا جو کہ انہی زرخیز زمینوں کی مرہون منت تھی۔ اسی معاشی استحکام سے ان کی عسکری قوت میں بھی اضافہ ہوا اور انہوں نے مکران اور لسبیلہ پر حملہ کر کے انہیں ریاست قلات میں شامل کیا۔ بلوچ قوم پرست تاریخ دانوں کے نزدیک مستحکم بلوچستان کے لئے یہ عمل ضروری تھا۔ لیکن اگر باریک بینی سے اس کا جائزہ لیا جائے تو ہوس ملک گیری کا عنصر بھی اس میں شامل تھا۔ اگرچہ نصیر خان عسکری اعتبار سے نادر شاہ اور احمد شاہ سے کمزور تھے لیکن چند سال ان کے ساتھ رہ کر ان میں بھی یہ اوصاف پیدا ہو گئے تھے اور نصیر خان میں بھی ان جیسا بننے کی خواہش بدرجہ اتم موجود تھا۔ معاشی خوشحالی نے نصیر خان کو یہ موقع فراہم کیا جس کے لئے وہ عرصہ دراز سے پر تول رہے تھے۔ نصیر خان ذہین اور موقع شناس حکمران تھا۔ وہ جانتا تھا کہ انہیں کس موقع پر کیا کرنا ہے۔ وہ عموماً ان ہی ادوار میں دوسرے علاقوں پر حملہ کرتا جب ابدالی لشکر آپس میں دست و گریبان ہوتے اور مکران پر بھی حملہ ایسے ہی وقت میں کیا گیا۔ مکران پر اس کے حملے کو جائز قرار دینے کے لئے اسے مذہبی لبادہ پہنایا گیا تا کہ اس کی ظلم و ستم اور ہوس ملک گیری پر پردہ ڈال دیا جا سکے۔ اس بارے میں محمد سردار خان بلوچ لکھتے ہیں کہ نصیر خان کے دور میں مکران اور خاران بے پناہ مالی و جانی قربانی کے نتیجے میں اس کے تصرف میں لائے گئے۔ جیسا کہ کیسٹو (۲۳۴-۱۴۹ قبل مسیح) نے کارتھیج کی دولت، قوت اور خوشحالی دیکھ کر کہا تھا "کارتھیج ضرور فتح کیا جائے گا" اسی طرح نصیر خان نے مکران دیکھ کر کہا، مکران ضرور فتح کیا جائے گا۔ اور اس نے کر دکھایا۔ مکرانیوں نے جان توڑ کر اس کا مقابلہ کیا، ایک دوسرے کی دھجیاں بکھیر دی گئیں اور سخت مزاحمت کے بعد بہ مشکل نصیر خان کو فتح ہوئی۔ (۳۴)

نصیر خان کی دور حکومت کی ایک اور اہم بات اس کے دربار میں سرداروں کی درجہ بندی تھی۔ انہوں نے اپنے مصائب خاص میں سراوان اور جہلاوان کے سرداروں کو جگہ دی تھی اور وہ انہیں سونے کے خنجر، قیمتی گھوڑے، تانبے کے زرہ بکتر، اعلیٰ قسم کے لباس فاخرہ اور دیگر قیمتی تحائف سے

نوازتا رہتا تھا۔ کم مرتبے والے سرداروں کو صرف سوتی پارچہ جات سے نوازا جاتا تھا۔ (۳۵)

اسی طرح کچھی کی زرخیز زمینیں بھی اپنے وفادار سرداروں میں تقسیم کی گئیں تھیں جبکہ اہم زرعی علاقے انہوں نے احمد زئی شاہی خاندان کی ملکیت میں رہنے دیئے۔ اس طرح سردار خیل اور احمد زئی خوانین میں سے جاگیردار طبقے معرض وجود میں آئے۔ یہ جاگیریں ان خاندانوں میں موروثی طور پر منتقل ہوتی رہیں یہاں تک کہ عصر حاضر میں بھی وہی خاندان ان زمینوں کے مالک ہیں۔ جن کے آباؤ اجداد کو نصیر خان نے فوجی خدمات کے عوض یہ زمینیں فراہم کی تھیں۔

اگرچہ نصیر خان کا عہد حکومت خامیوں سے مبرا نہ تھا لیکن مجموعی طور پر نصیر خان کا دور حکومت بلوچستان کی تاریخ کا سنہرا دور تھا جو پچاس سالوں پر محیط تھا۔ اس دور میں قندھار کے حکمرانوں کے خوانین قلات سے اچھے تعلقات تھے۔ اگرچہ خاران، لسبیلہ، مکران اور سندھ کے بلوچوں کے خلاف فوج کشی نے اس کی شہرت پر بدنما داغ ثبت کیے اس کے علاوہ اقتدار کے خاطر اپنے سگے بھائی التیاز خان کو قتل کرنے کا داغ بھی کبھی تاریخ کے صفحات سے نہیں مٹ سکتا۔ لیکن ان کمزوریوں کے باوجود بلا شبہ اس بات سے کوئی اختلاف نہیں کر سکتا کہ میر نصیر خان کے دور حکومت میں بلوچستان میں معاشی خوشحالی آئی تھی، جس سے سردار زیادہ طاقتور ہو گئے اور انہوں نے قبائل پر اپنی گرفت مضبوط کی۔

نصیر خان کے دور حکومت میں قلات اور وسط ایشیا کے درمیان تجارتی روابط بحال ہوئے اور سونمیانی ایک مضبوط تجارتی بندرگاہ میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اس کے برعکس مکران اور اس کے ساحلی علاقے جو عہد قدیم سے تجارتی مرکز ہوا کرتے تھے نصیر خان کی نامناسب رویے کی وجہ سے معاشی مشکلات سے دوچار ہوئے۔ نصیر خان نے ان ساحلی علاقوں کی اہمیت کو درخور اعتناء نہیں سمجھا اور گوادر جیسے اہم بندرگاہ کو مسقط کے ایک جلاوطن شہزادے کو بلا ہچکچاہٹ کے دینا خود اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں ان علاقوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی یا عین ممکن ہے کہ وہ ان علاقوں کی بنیادی اہمیت کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ ایک طرف کچھی کی زرخیز زمینوں سے سراوان اور جہلاوان میں خوشحالی کا دور دورہ تھا، امن و امان کا قائم ہو چکا تھا اور تجارتی سرگرمیاں جاری تھیں لیکن دوسری طرف مکران جو کہ اس سے پہلے ایک خوشحال اور مستحکم خطہ تصور کیا جاتا تھا، نصیر خان کے دور میں معاشی بدحالی کا شکار ہوا اور لوگ خوانین قلات کے بے جا ٹیکسوں کے بوجھ تلے دب گئے۔

انتشار کا دور (۱۸۰۰ء تا ۱۸۴۰ء)

کچھی کے زرخیز زمینوں کی غیر منصفانہ تقسیم کے نتیجے میں سرداروں اور خوانین قلات کے مابین چپقلش کا آغاز نصیر خان اول کے موت کے بعد شروع ہوا۔ نصیر خان کے انتقال کے بعد اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

صفحہ نمبر۱۸۶   ۷-ایضاً صفحہ نمبر۱۹۰   ۸-ایضاً صفحہ نمبر۱۹۳-۲۰۴
۹-ہتورام،رائے بہادر(۱۹۸۵)،تاریخ بلوچستان،بلوچی اکیڈمی،کوئٹہ،صفحہ نمبر۲۰۱-۲۰۴
۱۰-مہر،غلام رسول(۱۹۹۶ء)ایضاً صفحہ نمبر۲۰۶
۱۱-گلدستہ نورس بہار،قلمی نسخہ،صفحہ نمبر۹۹-۱۰۰،بہ حوالہ مہر،غلام رسول،ایضاً صفحہ نمبر۲۰۸-۲۱۰
12 Redaelli, Riccardo (1997). The father's Bow: The Khanate of Kalat and British India (19th-20th Century). Ie Maestrale. appendix I p-210
نصیر،گل خان(۲۰۰۰)،تاریخ بلوچستان،(اول،دوئم)قلات پبلشرز،کوئٹہ،صفحہ نمبر۲۱
۱۳-تحفۃ الکرام،جلد سوئم،صفحہ نمبر۱۰۶،بہ حوالہ مہر،غلام رسول(۱۹۹۶ء)ایضاً صفحہ نمبر۲۱۰
۱۴-نصیر،گل خان(۲۰۰۰)،ایضاً صفحہ نمبر۲۲
۱۵-گلدستہ نورس بہار،قلمی نسخہ،صفحہ نمبر۹۴،بہ حوالہ مہر،غلام رسول،ایضاً صفحہ نمبر۲۲۰-۲۲۱
۱۶-گلدستہ نورس بہار،قلمی نسخہ،صفحہ نمبر۳۱۳۔بہ حوالہ مہر،غلام رسول،ایضاً صفحہ نمبر۲۲۲
۱۷--گلدستہ نورس بہار،قلمی نسخہ،صفحہ نمبر۵۲،۵۳۔بہ حوالہ مہر،غلام رسول،ایضاً صفحہ نمبر۲۲۳-۲۲۴
۱۸-ایضاً صفحہ نمبر۲۳۰
۱۹-اسپونر برائن(۱۹۸۱ء)،انسائیکلوپیڈیا ایرانیکا،صفحہ نمبر۶۱۱   ۲۰-ایضاً صفحہ نمبر۶۱۱
۲۱-نصیر،گل خان(۲۰۰۰)ایضاً صفحہ نمبر۲۴-۲۷
۲۲-انسائیکلوپیڈیا ایرانیکا،ایضا صفحہ نمبر۶۱۱   ۲۳-انسائیکلوپیڈیا ایرانیکا،صفحہ نمبر۶۱۱-۶۱۲
۲۴-اخوند محمد صدیق،بحوالہ رائے بہادر ہتورام(۱۹۰۷ء)تاریخ بلوچستان،لاہور،صفحہ۱۸۷-۱۹۳
25- Malleson G.B. (1879), History of Afghanistan from the earliest period to 1878. London pp 284-285. As quoted by Singh, Ganda (1959), Ahmed Shah Durrani father of modern Afghanistan reprint Tariq Publications. Lahore PP 208-209
۲۶-دولت رائے(۱۸۴۶)،مراتِ دولت عباسی،صفحہ نمبر۴۳-۴۵،بحوالہ گنڈا سنگھ صفحہ نمبر۲۱۰
۲۷-اخوند محمد صدیق بحوالہ گنڈا سنگھ،صفحہ نمبر۲۱۰-۲۱۳   ۲۸-گنڈا سنگھ،ایضاً صفحہ نمبر۲۱۴
۲۹-خان،احمد یار خان(۱۹۷۲ء)،تاریخ قوم بلوچ وخوانین بلوچ،ایوان قلات،کوئٹہ،صفحہ نمبر۱۲۶
30- Swidler, Nina (1992) Kalat: the political economy of a tribal chiefdom. American Ethnologist, vol-19(3), pp 553-576
۳۱-ایضاً صفحہ نمبر۵۵۶   ۳۲-ایضاً صفحہ نمبر۵۵۶-۵۵۷   ۳۳-ایضاً صفحہ نمبر۵۵۸
۳۴-بلوچ،محمد سوار خان(سن ندارد)،بلوچ قوم کی تاریخ،ترجمہ پروفیسر انور رومان،نادر ٹریڈرز،مستونگ،صفحہ۲۱۲
35- Swidler N. (1992) p. 559
۳۶-نصیر،گل خان(۲۰۰۰)،تاریخ بلوچستان،قلات پبلشرز،رستم جی لین جناح روڈ کوئٹہ،صفحہ نمبر۱۰۸
37- Swidler N. (1992) p. 561

باب سیز دھم

بلیدی اور گچکی دور

۱۵۵۰عیسوی تا ۱۷۵۷ عیسوی

ملک جلالان کے وفات کے بعد میر ھوت مکران کے حکمران بن گئے ۔ میر ھوت کا دور حکومت سولھویں صدی کا وسط تک رہا۔اس کے بعد مکران پر ملک خاندان نے حکومت کی۔ملکوں کے متعلق کوئی تاریخی شواہد دستیاب نہیں ہیں ۔ مارکو پولو کے مطابق مکران ایک آزاد ریاست تھا جس کے حکمران کا نام ملک تھا۔اس کے مطابق کیچ مکران (Kesmacoran) ایک علیحدہ سلطنت ہے جوکہ ایک خود مختیار بادشاہ کے زیر اثر ہے اور ان کی اپنی مخصوص زبان ہے"۔(۱)

اس ضمن میں ڈاکٹر عنایت اللہ بلوچ کا خیال ہے کہ عین ممکن ہے کہ جب مکران میں بلوچوں کی پہلی حکومت قائم ہوئی تو مکران کے ملکوں نے ان کی حق حاکمیت کو تسلیم کرلیا ہو اور جب رند اور لاشار میر شیھک کی سرکردگی میں اندرون بلوچستان کی طرف ہجرت کر گئے تو انہوں نے میر ھوت کو مکران کا والی مقرر کیا لیکن اس کی وفات کے بعد مکران دوبارہ ملکوں کی ہاتھ آیا۔مکران کے مشہور ملک حکمرانوں کے نام اس طرح سے ہیں: ملک سعید، ملک تاج دین، ملک بدر، ملک زاہد، ملک دینار، ملک جلال الدین، ملک مظفر اور ملک کیچکو۔(۲)

ملکوں کے دور حکومت میں مکران کے حدود مشرقی ایران کے علاقے میناب میں ملک چیدگ (چیدغ) تک پھیلے ہوئے تھے۔انگریز مورخ کپٹن ای سی راس (E.C.Ross) کے مطابق ملکوں کے دور حکومت میں مکران ترقی کے بلندیوں کو چھو گیا تھا۔ ہر طرف خوشحالی تھی اور دور دراز سے لوگ تلاش معاش کے لئے مکران کی طرف آتے رہے جس کی وجہ سے مکران کی آبادی میں اضافہ ہوا اور معاشی سرگرمیاں تیز ہوگئیں تھیں۔ملکوں کا دور مکران کا پرامن دور تھا۔ سترہویں صدی میں ملکوں کی حکومت کا خاتمہ بلیدی حکمرانوں کے ہاتھوں ہوا ۔ بلیدی حکمرانوں کے بارے میں تاریخی مواد انتہائی کم ہے لیکن یہ بات طے ہے کہ انہوں نے جمہوری انداز میں مکران پر حکومت کی۔ وہ سخت گیر حکمران ہرگز نہ تھے۔انہوں نے مکران کو دو مختلف حصوں میں منقسم کیا تھا اور ان منقسم حصوں میں انہوں نے وہاں کے مقامی قبائلی سرداروں کو اختیار سونپا تھا اور اس

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

لوگوں کے اور کیچ اقوام بلوچ ھوت و بلیدی لوگوں کے قبضہ میں تھا۔ اگرچہ یہ سردار لوگ ہندو مذہب سے تھے لیکن ان کے علاوہ اس ملک میں کوئی ہندو نہ تھا اقوام ملک و بلوچ وغیرہ مسلمان قابض تھے۔ ان سرداران نے مسلمان خاندان کے عورتوں میں شادیاں کیں اگرچہ یہ تینوں سردار تاعین حیات خود اپنے مذہب ہندو پر قائم رہے لیکن جو اولاد ان سے پیدا ہوئی اپنی ماؤں کے خاندان کی طرف رجوع کر کے مذہب اسلام قبول کیا۔ بباعث رہنے کوچہ گچک کے ان کی قوم گچکی مشہور ہوگئی ان کے نام کے ساتھ ملک جو ماؤں کے خاندان کا لقب تھا، بولا جاتا تھا۔ چنانچہ ملک دینار (کو) بعد ازاں شیخ کا لقب دیا گیا۔ جواب تک شیخ کو مخفف کر کے شیے عمر، شیے قاسم بلائے جاتے ہیں۔ ملک پنجگور تو زیادہ تر بطریق دوستانہ بموجب رشتہ داری کے ان کے ہاتھ آیا"۔ (۸)

جب مکران پر ملک دینار گچکی حکمرانی کر رہے تھے تو اس زمانے میں نادر شاہ کے لشکر نے مکران پر حملہ کر دیا۔ نادر شاہ نے اپنے جنرل تقی خان کی سرکردگی میں ایک لشکر مکران بھیجا، مکران کے باسیوں نے افشاریوں کا بہادری سے مقابلہ کیا لیکن دشمن کثیر تعداد میں ہونے کی وجہ سے اگرچہ مکران کے باسیوں پر حاوی ہوئے لیکن انہیں بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑا۔ افشاری لشکر زیادہ دیر تک مکران میں نہیں ٹھہر سکا۔ افشاری لشکر نے حاکمیت دوبارہ ملک دینار کے سپرد کر کے واپس اپنے وطن لوٹ گئے۔ اہلیان مکران اب تک ملک دینار کی اس بہادری کو یاد کرتے ہیں۔ اس وقت کے بلوچ شعراء نے ملک دینار کی بہادری کو خراج تحسین ان الفاظ میں پیش کیا۔

نبی اکرم ﷺ سچے پیغمبر اور
جو فرقان مجید کا عملی نمونہ ہیں
خدا سلامت رکھے عادل اور شیر مزار (ملک دینار) کو
وہ ملک دینار جس کی تلوار میں بے پناہ تیزی ہے
کم بختوں کا عہد گزر جانے کے بعد
ملک (دینار) تخت پر بیٹھا جو بلند اقبال تھا
وہ کجاوؤں سمیت سجے سجائے اونٹ
اور سیاہ فام کنیزیں بچوں سمیت بخش دیتا تھا
وہاں اس نے شیے بلار (بلیدی) کو قتل کر کے
عیسی (برادر شیے بلار) کو نکال باہر کیا
وہ بادشاہ (نادر شاہ) کے پاس فریاد لیکر شیراز جا پہنچا

جب خان گوادر میں آیا تو
ہر طرف خیمے نصب کر کے
جاہ بجاہ ڈیرے جمالئے
شاہ نے قاصد بھیج کر
ملک دینار کو یہ دھمکی دی
کہ نادر شاہ ابھی زندہ ہے
تم نے لوگوں کی املاک پر کیوں قبضہ کیا ہے
اگر اپنے ننگ و ناموس کی خیر چاہتے ہو تو
وہاں سے نکل کر کہیں اور جا مرو
دینار نے جواب میں کہا
"میں ماضی کے حاکموں کو خاطر میں نہیں لایا
اب کیوں کہ اس جگہ کو چھوڑ سکتا ہوں؟
جب موت انسان کا مقدر ہے
تو کیوں نہ میں حق کے خاطر کٹ مروں"
قاصدوں نے جا کر بادشاہ سے کہا
کہ ملک دینار مصلحت پر آمادہ نہیں
خان کچھ دیر پیچ و تاب کھاتا رہا
اس نے چلم پھینک کر
ملک دینار کو دیں دو گالیاں
اور بگلروں کو حکم صادر ہوا
"اے اعلان کرنے والو! ہر جگہ طبل جنگ بجادو
تا کہ تمام جنگجو جمع ہو جائیں
پیدل اور جنگی سواروں سمیت"
چوڑے دہانے والے کرنا پھونکے گئے
ڈھول، دمامے اور سُرنا بجنے لگے
اس طرح جوانوں نے جنگ کی تیاری کر لی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

مکران پر نصیر خان کے حملوں کا آغاز پنجگور پر ان کے حملے سے شروع ہوتا ہے۔ جب میر محبت خان، والی قلات نے شئے عمر کو پنجگور سے نکال باہر کر دیا تو انہوں نے میر للہ کو پنجگور کا حاکم مقرر کیا۔ میر للہ کی وفات کے بعد اس کا بڑا لڑکا میر عیسیٰ خان پنجگور کا حاکم بن گیا۔ میر گاجیان میر عیسیٰ کا چھوٹا بھائی تھا۔ میر گاجیان محلاتی سازشوں کے ذریعے اپنے بڑے بھائی میر عیسیٰ خان کو قتل کر کے خود پنجگور کا حاکم بن بیٹھا۔ میر عیسیٰ خان کا بڑا بیٹا میر کرم شاہ، میر گاجیان سے مقابلے کی تاب نہ لا کر پنجگور سے فرار ہو گیا اور میر نصیر خان کے پاس قلات جا کر مدد کا طلب گار ہوا۔ میر نصیر خان کے اقتدار کا ستارہ اس زمانے میں عروج پہ تھا اور وہ خود مکران پر حملہ کے لئے پر تول رہا تھا۔ اس واقعہ نے اس کو ایک موقع فراہم کیا۔ اس نے میر کرم شاہ کی فریاد پر لبیک کہا اور جہلاوان کے لشکر کو ساتھ لیکر پنجگور پر حملہ آور ہوا۔ میر گاجیان اتنے بڑے لشکر کا سامنا کرنے کے لئے تیار نہ تھا لہذا اس نے میر نصیر خان کے پہنچنے سے قبل ہی پنجگور کا علاقہ خالی کر دیا اور تمپ اور کلاتک کی طرف نکل گیا۔ اس طرح میر نصیر خان بغیر کوئی جنگ لڑے پنجگور پر قابض ہونے میں کامیاب ہوئے۔ انہوں نے میر عیسیٰ خان کے بیٹے میر کرم شاہ کو والی پنجگور مقرر کیا۔ میر نصیر خان جانتا تھا کہ وہ اتنے بڑے لشکر کے ساتھ مستقل پنجگور میں خیمہ زن نہیں ہو سکتے، لیکن چونکہ میر کرم شاہ میں مقابلہ کرنے کی اہلیت نہ تھی لہٰذا انہوں نے اس کی مدد کے لئے میر بوہیر موسیانی کو تین سو آدمیوں کے ساتھ اس کی حفاظت کے لئے قلعہ عیسیٰ پنجگور میں مامور رکھا تا کہ وہ میر کرم شاہ کو میر گاجیان کے حملوں سے بچا سکے۔ جب پنجگور کو میر نصیر خان نے میر بوہیر موسیانی کے حوالے کیا تو اس نے اہلیان پنجگور پر اپنے ظلم و ستم کو جاری رکھا اور بقول میر گل خان نصیر کے "اس کے آدمیوں نے پنجگور میں چوری اور سینہ زوری کا ایسا بازار گرم کر دیا (کہ) امیر اور غریب کوئی بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا۔ (۱۱)

میر کرم شاہ، میر بوہیر کے ظلم و ستم اور سیاہ کرتوتوں سے اچھی طرح آگاہ تھا لیکن وہ اس کے خلاف حملہ کرنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ کیوں کہ اسے جو سرداری ملی تھی وہ میر نصیر خان اور اس کے مقرر کردہ امیر میر بوہیر کے مرہون منت تھی لہٰذا اس کے خلاف جنگ کرنے کا مطلب میر گاجیان کو پنجگور پر حملہ کی دعوت دینا تھا جس میں نقصان اس کا اپنا ہی تھا۔ لہٰذا اس نے اندرون خانہ میر بوہیر کے خلاف بغاوت کو ہوا دینا شروع کر دیا۔ اس سے پہلے کہ میر کرم شاہ کسی قسم کی جرات کا از خود مظاہرہ کرتا اہلیان پنجگور نے میر یعقوب گچکی کی سرکردگی میں میر بوہیر کو پنجگور سے نکالنے کی کوششیں شروع کر دیں اور وہ بغاوت کے لئے کسی اچھے موقع کا انتظار کرنے لگے۔ میر یعقوب کو قدرت نے جلد ہی وہ موقع فراہم کر دیا کہ وہ اہلیان پنجگور کو میر بوہیر کے ظلم و ستم سے نجات دلا سکے۔ اس زمانے

میں پنجگور کے مضافات میں ایک شادی کے تقریب تھی، تقریب سے قبل میر یعقوب خان نے میر بوہیر اور اس کے آدمیوں کو نیزہ بازی اور گھڑ دوڑ میں شرکت کرنے کی دعوت دی تھی۔ اگرچہ بوقت تقریب میر بوہیر خود شریک نہ ہوئے لیکن اس کے لشکر میں شامل بیشتر سپاہی اس دعوت میں شرکت کرنے کے لئے گئے۔ دوسری طرف میر یعقوب اپنے ساتھیوں کے ہمراہ قلعہ کے پاس کھجوروں کے باغات میں چھپا ہوا تھا اور اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اس وقت میر بوہیر کے صرف چند ساتھی اس کے ہمراہ ٹھہرے ہوئے ہیں لہٰذا اس نے موقع غنیمت جان کر قلعہ پر حملہ کر دیا۔ میر بوہیر اس حملے کے لئے تیار نہ تھا لہٰذا وہ حملے کی تاب نہ لا کر بزدلوں کی طرح اپنے آدمیوں کا خیال کیے بغیر قلات کی طرف اکیلا نکل پڑا۔ اس طرح قلعہ میر یعقوب کے ہاتھ آیا۔ اس موقع پر میر کرم شاہ جو کہ اندرونی طور پر اس سازش میں شریک تھا، اس نے میر بوہیر کے آدمیوں کی کوئی مدد نہ کی لیکن وہ میر نصیر خان کے انتقام سے اسقدر خوفزدہ تھا کہ وہ بھی پنجگور چھوڑ کر خشان قلات کی طرف چل پڑا۔ جب میر نصیر خان نے بوہیر کی خستہ حالت میں بزدلوں کی طرح پنجگور چھوڑ کر قلات پہنچنے کی روداد سنی تو اس نے اخوند محمد حیات کی سرکردگی میں لشکر جہلاوان کو میر یعقوب کی سرکوبی کے لئے پنجگور روانہ کر دیا۔ اخوند حیات کو جنگ میں کامیابی ہوئی۔ میر یعقوب بیچ کی طرف بھاگ گیا۔ میر یعقوب کے فرار کے بعد اس کے لشکر نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ان میں بہت سوں کو اخوند نے بطور یرغمال اپنے پاس رکھا اور باقیوں کو شرط وفاداری کا حلف دے کر رہا کر دیا۔ میر کرم شاہ کی بزدلی سے میر نصیر خان واقف تھا لیکن اسے پنجگور میں ایک پٹھو حاکم کی ضرورت تھی جو کہ اس کی تابعداری کر سکے اس کام کے لئے میر کرم شاہ سے بہتر آدمی اور کوئی نہ تھا لہٰذا اس نے میر کرم شاہ کو دوبارہ پنجگور کے مسند پر فائز کر دیا۔ میر کرم شاہ کے پنجگور پہنچنے پر آخوند محمد حیات اپنے لشکر کے ساتھ واپس قلات آیا۔ (۱۲)

پنجگور پر قبضہ کرنے کے بعد میر نصیر خان کی نظریں بیچ کے خود مختیار حاکم ملک دینار گچکی کی تخت پر لگی ہوئی تھیں۔ وہ موقع کے تلاش میں تھا کہ ملک دینار گچکی سے بیچ کا تخت چھین کر اسے اپنے قلمرو میں داخل کر سکے۔ اسے یہ موقعہ شئے بلار کے فرزندوں نور محمد، ولی محمد اور محمد شفیع نے فراہم کیا جو کہ عرصے سے گوادر میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ وہ ملک دینار سے اپنے باپ کا بدلہ لینے کے لئے پر تول رہے تھے۔ انہوں نے میر نصیر خان کے دربار میں جا کر اس کو ذکری فرقے کے خلاف بدگمان کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ میر نصیر خان اپنے عقیدے کے اعتبار سے پکے سنی فرقے کے پیروکار تھے لیکن بیچ پر اس کا حملہ ہوس ملک گیری تھا اور وہ اسے مذہبی لبادہ پہنا کر اس کو اخلاقی جواز فراہم کرنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ اس سے پہلے انہوں نے پنجگور پر حملے کے دوران

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

سیاق وسباق سے ہٹ کرمفروضوں کی بنیاد پرمسخ شدہ تاریخ پیش کی گئی ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ ذکری فرقے کی تاریخ کو اصل ماخذوں کے حوالے سے بیان کیا جائے۔

ذکر عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں زبان سے یاد کرنا، بیان کرنا، چرچا کرنا، تذکرہ کرنا۔جبکہ ذکری کے لفظی معنی ہیں ذکر سے متعلق یا منسوب، ذکر کرنے والا۔ چونکہ ذکری فرقے سے تعلق رکھنے والے افراد ذکر جہر یعنی اللہ کا نام با آواز بلند لیتے ہیں لہذا ذکری فرقے کے طریقہ عبادت زیادہ تر ذکر جلی پر مشتمل ہے۔(۱۶)

بلوچستان کی عمومی تاریخ کی طرح مکران میں ذکری فرقے کے ابتدائی ماخذوں کے حوالے سے مواد انتہائی نایاب ہیں۔ ذکری فرقے سے متعلق تاریخی حوالوں کا آغاز خان قلات میر نصیر خان کے مکران پر حملے سے ہوتا ہے۔ڈاکٹر عنایت اللہ بلوچ کا خیال ہے کہ اس کے حملے کے دوران تمام تاریخی دستاویزات کو تباہ و برباد کر کے ضائع کر دیا گیا ہے اور جو کچھ باقی بچ سکا وہ زبانی روایتوں اور ذکر اذکار کے طریقہ کار اور چند پرانے صحیفوں پر مشتمل ہے۔(۱۷)

ذکری فرقے کے بانی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ سید محمد جونپوری ہیں جنہوں نے مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تھا۔ سید محمد ہندوستان کے جونپور کے علاقے میں بروز پیر چودہ جمادی الاول ۸۴۷ ہجری (۱۴۴۳ء) میں پیدا ہوئے۔ ابوالکلام آزاد سید محمد جونپوری کے بارے میں لکھتے ہیں ''ان کے اشد شدید مخالف بھی معترف ہیں کہ علوم رسمیہ کے ساتھ زہد و درویشی اور ورع و تقویٰ میں اپنا جواب نہیں رکھتے ہیں۔ شیخ علی متقی (کہ سید کے معاصر اور سخت مخالف ہیں اور ان کے رد میں رسالہ لکھا ہے) تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا ابتدائی عہد کمال زہد و تقشف اور استغراق و استہلاک باطنی میں گزرا۔ سات سال تک یہ حال رہا کہ پے در پے روزہ رکھتے اور تن تنہا ایک گوشہ میں پڑے رہتے''۔(۱۸)

سید محمد جونپوری کے والد کا نام سید عبداللہ تھا جو کہ شیخ دانیال چشتی کے مرید تھے۔انہوں نے سات سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا تھا اور جب آپ بارہ سال کے ہوئے تو آپ کی علمی کارناموں کی بدولت آپ کو اسدالعلماء کا لقب دیا گیا۔انہوں نے اس ابتدائی عمر میں اپنے آپ کو علماء کی صف میں پایا جب انہوں نے رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔اس دور میں جونپور کے شاہی خاندان کا فرد شاہ حسین شرقی آپ کے متوالوں میں شامل ہوا۔جب سید محمد چالیس سال کے ہوئے تو وہ حج کی سعادت حاصل کرنے کے لئے مکہ مکرمہ کی سفر کو نکلے، سترہ مرید بھی آپ کے ساتھ تھے۔آپ جہاں بھی جاتے لوگوں کو اپنے حلقہ اثر میں داخل کرتے رہے۔لوگ آپ کے علمی رعب و دبدبے سے متاثر ہو کر آپ کے دائرہ میں آتے رہے۔اس طرح جب آپ نے بیدر

کا علاقہ چھوڑا تو آپ کے ساتھ تین سو مرید تھے۔سن ۱۴۹۵ء میں آپ مکہ پہنچے، مکہ میں آپ نے چند ماہ قیام کی۔جب وہ باون برس کے ہوئے تو آپ نے مہدی ہونے کا دعوہ کیا۔(۱۹)

دعوی مہدی کے حوالے سے منتخب التواریخ میں درج ہے کہ سید محمد نور بخش جونپوری کو ایک روز حال آیا دیکھتے کیا ہیں کہ ایک شخص مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ ''انت مہدی'' یعنی تو مہدی ہے۔(۲۰)

جب سید محمد جونپوری مکہ معظمہ پہنچے تو طواف کے بعد آپ نے حجر اسود اور رکن کے درمیان مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔(۲۱)

جب مکہ سے واپس آئے تو آپ نے گجرات میں قیام کیا۔آپ کے دعویٰ مہدویت کو گجرات میں کافی پذیرائی ملی لیکن اس کے ساتھ بہت سارے لوگ آپ کے دشمن بھی ہوئے۔احمد آباد کے مقام پر آپ کا مقامی عالموں کے مابین مناظرہ ہوا، جس میں آپ کے خیالات کو کافی پذیرائی ملی اور لوگ، علماؤں کے منع کرنے کے باوجود جوق در جوق آپ کے حلقہ میں شمولیت اختیار کرتے چلے گئے۔جب ایک دفعہ آپ نے عوام کے سامنے یہ دعویٰ کیا کہ ''میں آنکھ کے نور سے خدا کے جلوے دکھا سکتا ہوں''، تو علماء آپ کی جان کے دشمن بن بیٹھے اور انہوں نے آپ کے قتل کا فتویٰ جاری کیا۔(۲۲)

جب گجرات میں حالات اس نہج پر پہنچے کہ سید محمد کی جان کو خطرہ لاحق ہو گیا تو انہوں نے احمد آباد سے ہجرت کر لی اور پٹن کے قریب برلی نامی گاؤں میں قیام کیا۔سن ۱۴۹۹ء میں جب آپ کی عمر چھپن برس تھی تو آپ نے برلی کے مقام پر دوبارہ مہدی ہونے کا دعویٰ کیا۔یہاں پر مختلف فرمان رواؤں کو اپنے مہدی ہونے کے بابت خطوط ارسال کیے۔لیکن یہ خطوط آپ کے دشمنوں کے تعداد میں اضافے کا باعث بنے جس کی وجہ سے آپ کو پے در پے مختلف علاقوں سے ہجرت کرنا پڑا۔پٹن سے آپ جالور، ناگور، جیسلمیر ہوتے ہوئے ٹھٹھہ پہنچے، جو کہ سندھ کا پایہ تخت تھا۔اس زمانے میں ٹھٹھہ میں جام نظام الدین سمہ کی حکومت تھی۔ جام نظام الدین سمہ والی ٹھٹھہ آپ کے مخالفین میں شامل ہو گئے لیکن اس کے باوجود ٹھٹھہ کے کئی اکابر اور قاضی قاضن، قاضی سندھ آپ کے معتقد ہو گئے۔ٹھٹھہ میں ایک سال قیام کے بعد آپ خراسان کی طرف روانہ ہوئے، پہلے قندھار آئے اور وہاں سے فرح پہنچے۔ فرح میں بروز پیر ۱۹ ذوالقعدہ ۹۱۰ ہجری میں (۱۵۰۴ء) کو آپ نے وفات پایا۔آپ کا مزار فرح کے قریب ہے۔ ملا عبدالقادر بدایونی کے مطابق سید محمد جونپوری کا انتقال ۹۰۰ ہجری میں ہوا۔آپ کی ذات کے متعلق ملا بدایونی لکھتے ہیں کہ آپ بڑے پایہ کے بزرگ اور ولی کامل تھے۔(۲۳)

سید محمد جونپوری کی کامیابی کا سب سے بڑا سبب آپ کے خلوص سچائی بلند کردار اور سیکھنے کا جذبہ تھا۔آپ کے کردار افکار کی وجہ سے لوگ جوق در جوق آپ کے حلقہ اثر میں آتے چلے گئے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

امام مہدی نور ہیں۔ لیکن وہ جسمانی روپ دھار کر اس دنیا میں تشریف لائے اور لوگوں کو قرآن کے ذریعے رشد و ہدایت دے کر پردہ کر گئے۔ نظریہ دوئم یہ ہے کہ سید محمد مہدی جو کہ امام مہدی کے جاہ نشین تھے انہوں نے مہدی کا پیغام براہ راست یا بالواسطہ مکران میں پھیلایا۔ تیسرا نظریہ اثنا عشری عقیدے کا آخری امام مہدی جو کہ امام غائب بھی کہلاتے ہیں، سے متعلق ہے۔ چوتھا نظریہ سید محمد انکی کا ہے۔ سید محمد انکی پنجاب کے ضلع اٹک میں پیدا ہوئے اور انہوں نے مکران میں رشد وہدایت کے ذریعے لوگوں کو ذکریت کے دائرے میں شامل کر لیا۔(۲۹)

مندرجہ بالا چاروں نظریات کے علاوہ ڈاکٹر بدل خان ایک اور نظریہ کے متعلق جو کہ ان کے بقول ذکری عوام الناس میں مقبول ہے، تحریر کرتے ہیں۔ اس نظریے کے مطابق مہدی سن ۹۷۷ ہجری (۱۵۶۹عیسوی) میں پیدا ہوئے اور سن ۱۰۲۹ ہجری (۱۶۵۰عیسوی) میں بیچ کے مقام پر وفات پا گئے۔ وہ میر جہانی اور انگابن (Angabin) جو کہ ۱۷۲۵ء میں تحریر کئے گئے، کو مندرجہ بالا تواریخ کا ماخذ قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق مختلف منظومات جو کہ در مدعا مہدی تحریر کئے گئے ان کے مطابق مہدی سن ۹۷۷ھ (۱۵۶۹ء) میں پیدا ہوئے۔ اس حوالے سے بدل خان، میر عبداللہ جنگی جنہوں نے مہدی کی سیر جہانی تحریر کی تھی اور ان کے نواسے شیخ محمد درفشاں کے منظومات درود جود (تحریر ۱۱۰۷ھ/۱۶۹۶ء) اور شیخ ابراہیم کاشانی کا در صدف (تحریر ۱۱۸۲ھ/۱۷۶۹ء) کا حوالہ دیتے ہیں۔(۳۰)

ذکری ماخذوں میں شاہ نعمت اللہ ولی کا تذکرہ بھی بدرجہ اتم موجود ہے۔ شاہ نعمت اللہ ولی پندرہویں صدی میں ایران کے مشہور صوفی بزرگ تھے۔ ان کا مقبرہ کرمان میں مہان (Mahan) میں واقع ہے۔ بدل خان کا خیال ہے کہ ذکری فرقے کے سید صاحبان کا تعلق اسی شاہ نعمت اللہ ولی سے ہے۔ سید صاحبان اپنا جد امجد سید عطا اللہ کو قرار دیتے ہیں جو کہ مکران کے مقامی باشندوں میں کافی مقبول تھے اور انہیں سید چراغیں خداداد کے لقب سے اب تک یاد کیا جاتا ہے، سید چراغیں خداداد کے متعلق باور کیا جاتا ہے کہ وہ شاہ نعمت اللہ ولی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے(۳۱)

چراغیں خداداد کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ وہ بیچ مکران میں پیدا ہوئے۔ انہیں مذہبی تعلیم کے لئے ایران بھیج دیا گیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ واپس بیچ تشریف لائے اور رشد وہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ چراغیں خداداد کے متعلق یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے صلوٰۃ (نماز) کی جگہ ذکر الٰہی کو ذکری فرقہ میں متعارف کروایا۔ اس سے پہلے ذکری فرقے کے لوگ نماز کے ساتھ ساتھ مخصوص اوقات میں ذکر الٰہی بھی پڑھتے تھے لیکن سید چراغیں خداداد اور اس کے بیٹے نے ذکری فرقے میں موجودہ طریقہ عبادت کو رائج کیا۔ سید چراغیں خداداد کی ذکری فرقے میں بلند مرتبہ

اور وہ مہدی کے بعد دوسرا اہم فرد ہے۔(۳۲)

ذکری فرقے میں پیری مریدی کا سلسلہ اہمیت کا حامل ہے اور ذکری فرقے سے تعلق رکھنے والے افراد کے لئے کسی مرشد سے بیعت لینا ضروری ہے۔ ذکری سیدوں کو چار مختلف دائروں میں منقسم کیا جاتا ہے۔ یہ دائرے اصل میں ان کے خاندانی وابستگی کی بنیاد پر رکھے گئے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- کلانچ، ملائی (موسیٰ زئی خاندان)
۲- اورماڑہ، کولواہ، گریشگ اور جاؤ (عیسیٰ زئی ملائی خاندان)
۳- کیازئی ملائی خاندان
۴- شیخ خاندان

ان خاندانوں کے شجروں کے بارے میں شیخ عبدالغنی بلوچ لکھتے ہیں کہ "عیسیٰ زئی اور موسیٰ زئی ملائی خاندان کا جد امجد نویں پشت میں سید ملا خداداد چراغ کا سلسلہ نسب حضرت نعمت اللہ ولی سے ہوتا ہوا سید امام باقر، امام زین العابدین، سید الشہداء امام حسینؓ ابن علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔

جبکہ کیازئی سیدوں کے متعلق شیخ غنی کا خیال ہے کہ یہ خاندان بارہویں پشت میں سید غوث علی شاہ بن سید احمد شاہ سید جہانیاں و سید احمد کبیر کے توسط سے امام موسیٰ کاظم اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے۔

ان سادات کے علاوہ شیخ جنہیں عرف عام میں شیخ کہا جاتا ہے، ان کی اہمیت بھی مسلم ہے۔ ان کا شجرہ نسب نویں پشت میں ملک الشعراء شیخ محمد درفشاں ابن شیخ جلال الدین ابن شیخ عمر سے ہوتا ہوا، شیخ جنید بغدادیؒ کے توسط سے امام موسیٰ کاظم، حضرت امام حسینؓ ابن علی کرم اللہ وجہہ سے جاملتا ہے۔(۳۳)

مکران کا سیاسی و سماجی نظام اور ذکری فرقہ

سید محمد جونپوری کے نظریہ سادات نے ہندوپاک کے لاکھوں لوگوں کو متاثر کیا۔ اور مہدوی حوالہ جات کے مطابق بہت سارے والیان ریاست نے مہدوی طریقہ تعلیم سے متاثر ہو کر سید محمد جونپوری کے ہاتھوں بیعت کی۔ سید محمد جونپوری کے تعلیمات کا زیادہ اثر جنوبی بلوچستان بلخصوص مکران کے باسیوں پر پڑا۔ مکران کے باسیوں اور اس کے والی نے سید محمد جونپوری کے تعلیمات سے متاثر ہو کر مہدویت (ذکریت) اختیار کر لی۔ کچھ مورخوں کا خیال ہے کہ مکران میں ذکری فرقے کی ابتداء سترہویں صدی میں بلیدی حاکموں کے دور میں ہوئی۔ ان مورخوں نے اہم ذکری ماخذ "در صدف"

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

انہیں کوئی غیر مسلم فرقہ سمجھتے ہوں۔

مکران کے ذکری حکمرانوں کے صفوی ایران کے ساتھ تعلقات بھی برابری کے بنیاد پر تھے۔ وہ ایران کے معاملات میں مداخلت نہیں کرتے تھے۔ اس سارے عرصے میں سوائے ایک واقعہ کے جب ہرمز کے صفوی گورنر نے مکران پر قبضہ کی ناکام کوشش کی تاریخ میں اس طرح کی کوئی شہادت موجود نہیں ہے کہ صفوی حکمرانوں نے مکران سے جنگ کی ہو۔ (۴۰)

مکران پر ذکریوں کی حکمرانی کے زمانے میں عمان پر خوارجی حکمرانی کر رہے تھے۔ ان کے مکران کے ذکری حاکموں سے اچھے تعلقات تھے اور وہ تجارتی رابطوں کے ذریعے ایک دوسرے سے بندھے ہوئے تھے۔ مکران اور عمان کے تجارتی جہاز مشرقی افریقہ، عمان اور مکران کے درمیان تجارتی سرگرمیوں سے منسلک تھے۔ جب نصیر خان کے دور میں مکران کے ذکری ریاست کا خاتمہ ہوا تو بہت سارے ذکری عمان ہجرت کر گئے اور وہ وہاں کی زندگی میں رچ بس گئے۔

مکران کے ذکری حکمرانوں کے تعلقات مغل ہندوستان کے ساتھ بھی تھے۔ جب ہندوستان پر شاہ جہان کی حکومت تھی تو اس کا بیٹا شہزادہ اورنگزیب عالمگیر جنوب مغربی ہندوستان کے دورے پر آیا۔ اگرچہ اورنگ زیب راسخ العقیدہ سنی تھا لیکن اس نے مکران کے ذکری حاکموں کے متعلق کسی قسم کا کوئی فتویٰ صادر نہیں کیا۔ اسی طرح نصیر خان کے حملے سے پیشتر مکران کے گچکی حاکموں اور احمدزئی خوانین قلات جو کہ سنی فرقے سے تعلق رکھتے ہیں، کے درمیان رشتہ داریاں قائم تھیں جن کا تفصیلی ذکر پہلے آ چکا ہے۔ مندرجہ بالا مثالوں سے یہ بات ظاہر ہوتا ہے کہ ذکری فرقہ کے مذہبی رجحانات کو نصیر خان کے مکران پر حملے سے پہلے کسی بھی مسلمان حکمران نے نہیں چھیڑا۔ اگر نصیر خان اپنے جگہ درست ہوتا تو سدوزئی حکمران احمد شاہ ابدالی اپنے تیز رفتار قاصد کو نصیر خان کو مکران پر حملہ کرنے سے باز رکھنے کے لئے نہ بھیجتے۔ نصیر خان نوری تاریخ بلوچستان میں پہلے شخص تھے جس نے مذہبی لبادہ کی آڑ لے کر مکران پر حملہ کیا۔ اس کی بنیادی وجوہات میں اس کے دربار کے مذہبی علماء کے ذکری فرقے کے خلاف اسے اکسانے کے ساتھ ساتھ اس کی اپنی منشا بھی شامل تھی۔ نصیر خان کے مکران پر حملے کے وجوہات کے حوالے سے ڈاکٹر عنایت اللہ اس نتیجے پر پہنچے:

۱- نصیر خان ایک حریص حکمران تھے۔ وہ بلوچستان کو ایک جھنڈے تلے متحد کرنا چاہتے تھے اس کے لئے انہوں نے پچیس جنگیں لڑیں۔

۲- مکران پر نصیر خان کا حملہ اس لئے اہم تھا کہ وہ اس کے ذریعے ساحل مکران کے اہم تجارتی بندرگاہوں کو اپنے تحویل میں لے سکے اور اس کے ساتھ ساتھ مکران کی بیش بہا دولت بھی

اسے مال غنیمت کی طور پر ملنے کی امید تھی۔ (۴۱)

نصیر خان کا مکران پر حملہ تاریخ بلوچستان کا سیاہ باب ہے انہوں نے نہ صرف اہلیان مکران کا قتل عام کیا بلکہ انہوں نے ان کے بزرگوں کی ہڈیاں قبروں سے نکال کر انہیں جلایا اور اس کی راکھ کو گھوڑے کی لید سے ملا کر زمین پر پھیلا دیا۔ (۴۲)

اٹھارہویں صدی کے وسط سے مکران خوانین قلات کے ماتحتی میں آیا اور اسی زمانے میں مکران کے مقامی خود مختیار میر اور کہدہ ایک انسانیت سوز تجارت میں سرگرم ہو گئے جس میں آزاد پیدا ہونے والے انسانوں کو غلام بنا کر انہیں حیوانوں کی طرح بازار میں فروخت کیا گیا۔ اس کے روداد آنے والے باب میں پڑھیے۔

حوالہ جات:

1- Baloch, I. (1987), The problem of "Greater Baluchistan": A study of Baluch nationalism. p-98

۲- ایضاً صفحہ نمبر ۹۸

3- Ross, E.C. (1868) Memorandum on Makran: Bombay pp 32-41. cited in Baloch, (1987) I. p-98

۴- صابر، قاضی عبدالرحیم (سن ندارد)، مکران تاریخ کے آئینے میں۔ کراچی، صفحہ نمبر ۳۴

۵- ایضاً، صفحہ نمبر ۱۵۷-۱۵۸

۶- ایضاً صفحہ نمبر ۱۵۸-۱۵۹

۷- نصیر، میر گل خان (۲۰۰۰) تاریخ بلوچستان، قلات پبلیشرز، کوئٹہ، صفحہ نمبر ۳۱

۸- ہنومرام (۱۹۸۷ء)، تاریخ بلوچستان، بلوچی اکیڈمی، مکران ہاؤس سریاب روڈ کوئٹہ، صفحہ ۶۵۶-۶۵۷

۹- ایضاً صفحہ نمبر ۶۶۰-۶۶۷

۱۰- نصیر، میر گل خان (۲۰۰۰)، تاریخ بلوچستان، جلد اول دوم، قلات پبلیشرز، رستم جی لین روڈ، کوئٹہ صفحہ نمبر ۴۲-۴۵

۱۱- ایضاً صفحہ نمبر ۵۶-۵۷ ۱۲- ایضاً صفحہ نمبر ۵۷-۵۸ ۱۳- ایضاً صفحہ نمبر ۵۸-۵۹

۱۴- ایضاً صفحہ نمبر ۵۹ ۱۵- ایضاً صفحہ نمبر ۵۹-۶۰

۱۶- اردو لغت (تاریخ اصول پر) جلد دہم، اردو لغت بورڈ کراچی (۱۹۹۰) صفحہ نمبر ۳۰۶-۳۰۷

17- Baloch, Inayatullah (1996), Islam, the state and identity: The Zikri of Balochistan. In "Marginality and modernity" Titus P. ed Oxford Karachi pp 223-249

۱۸- آزاد، مولانا ابوالکلام (۱۹۹۹) تذکرہ، مکتبہ جمال، تیسری منزل حسن مارکیٹ، اردو بازار لاہور، صفحہ نمبر ۴۷

19- Rizvi, S.A.A. (1985)Mahdavi Movement Buzarijamat , A-28. Alama Iqbal town, Karachi p-2

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

سے وابستگی میں انسان کو اس طرح کی صورت حال کا سامنا نہیں کرنا پڑتا تھا۔ زرعی نظام میں افرادی قوت کی اہمیت مسلم ہے لہذا زراعت سے وابستہ افراد نے لوگوں کی ایک بڑی تعداد کو مختلف ہتھکنڈوں سے اپنے پاس ملازم یا غلام رکھا۔ اس کے ساتھ ساتھ غذائی اجناس کی افراط نے اس پیشے سے وابستہ لوگوں کی معاشی حیثیت پر کافی مثبت اثرات مرتب کیے جس کے نتیجے میں وہ ایک بڑی آبادی کو خوراک مہیا کرنے کے قابل ہوئے اور اس کے علاوہ انہوں نے زراعت سے وابستہ افراد کی نگہبانی کے لئے تھوڑے بہت جنگجو افراد کو بھی اپنے ساتھ ملایا جس کے نتیجے میں انہیں معاشرے کے کمزور افراد پر دسترس حاصل ہوئی جنہیں وہ اپنے کھیتوں اور کلیانوں میں کام کے لئے رکھتے تھے۔ یہ غلام دار معاشرے کی ابتدا تھی۔ ان محنت کشوں کی محنت نے ان کے مالکوں کو مزید مضبوط اور طاقتور بنا دیا اور وہ اس قابل ہوئے کہ زیادہ افراد کو اپنے جنگی مقاصد کے لئے ملازم رکھ سکے۔ جس سے ان کا دائرہ اختیار مزید وسعت اختیار کرتا چلا گیا۔

غیر ملکی افراد کو غلام بنانے کے عمل کا آغاز بابل کے عہد جدید (۶۱۲ ق م-۵۳۹ ق م) سے شروع ہوا۔ ان غیر ملکی غلاموں کو کھیتی باڑی کے پیشے سے منسلک کیا گیا تھا۔ ہندوستان میں ویدوں (۱۵۰۰ ق م-۵۰۰ ق م) کے دور سے غلامی کا آغاز ہوا۔ جب ہندوستان پر آریاؤں نے حملہ کر کے اس ملک پر قبضہ کر لیا تو انہوں نے مقامی سیاہی مائل جلد والے دراوڑوں کو اپنا غلام بنایا۔ انہیں وہ داس (Dasa) کہہ کر پکارتے تھے۔ پانچ سو قبل مسیح تک کے ہندوستان میں غلامی اپنے عروج پر جا پہنچی۔ عہد قدیم کے ہندوستان میں یہ مقامی غلام، زراعت اور گھریلو کام کاج کے لئے رکھے جاتے تھے۔ ہندوستانی معاشرے میں غلامی نظام کو ختم کرنے میں بیرونی مسلمان حملہ آوروں کا ہاتھ تھا۔ جب انہوں نے مقامی غلاموں کو فوجی مقاصد کے لئے استعمال کرنا شروع کیا۔ اس طرح ہندوستان میں ترک حملہ آوروں کی فوج میں غلاموں نے اپنی محنت اور بہادری سے بڑے بڑے اہم عہدے حاصل کئے۔ ہندوستان میں مسلمان حکمرانوں کے پہلے سلسلے کا تعلق خاندان غلاماں سے تھا۔

غلاموں کی تجارت کا آغاز افریقہ سے ہوا جہاں عرب اور یورپی جہازراں اندرون ملک سے لوگوں کو پکڑ کر انہیں دوسرے ملکوں میں بطور غلام فروخت کرتے تھے اس ضمن میں سلطنت برطانیہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں کیونکہ انہوں نے دنیا کے بہت سارے خطوں کو اپنا کالونی بنایا اور ان ملکوں میں زراعت کی فروخ کے لئے انہیں افرادی قوت کی کمی کا سامنا تھا، لہذا انہوں نے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے عربوں کے ذریعے افریقہ سے لوگوں کو پکڑ کر غلاموں کی صورت میں ان

دے خطوں میں جا بسایا اور اس طرح دور جدید کے غلامی کا آغاز ہوا۔

مکران میں غلاموں کی تجارت

سن ۱۷۸۳ء میں جب عمانی شہزادہ سعید سلطان اپنے بھائی سے شکست کھا کر بلوچستان آیا تو میر نصیر خان اول نے گوادر کی بندرگاہ اور قرب و جوار کا علاقہ سید سلطان کو بطور عارضی گزارہ کے لئے عنایت کی۔ اس زمانے میں گوادر کی کل آمدنی سات سو ڈالر سالانہ کے قریب تھی۔ جس میں سے تین سو ڈالر لکچی حاکموں کو ملتا تھا اور چار سو ڈالر خوانین قلات کو ملتے تھے۔ چونکہ عمانی شہزادہ بلوچوں کا مہمان تھا اس لئے لکچیوں نے اپنا حصہ بھی اس کے اخراجات کیلئے رعایتاً اسے دے دیا۔ اس طرح اسے گوادر کے بندرگاہ سے سات سو ڈالر سالانہ آمدنی ہوتی تھی۔ چند سالوں بعد سعید بن سلطان البوسعیدی مسقط کا تخت واپس حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ سعید بن سلطان کی حکومت ۱۸۰۶ء تا ۱۸۵۶ء رہی۔ اگرچہ وہ اپنا تخت دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے لیکن اس نے گوادر کی بندرگاہ پر اپنا قبضہ برقرار رکھا۔ دوسری جانب نصیر خان اول کی وفات کے بعد اس کے جاہ نشینوں میں اتنی اہلیت نہ تھی کہ وہ گوادر کو دوبارہ والی مسقط سے حاصل کرتے۔ چونکہ بوسعیدی خاندان بنیادی طور پر تاجر تھے لہٰذا وہ تجارتی مقاصد کے لئے گوادر کو استعمال کرنا چاہتے تھے اور اس اہم جگہ سے وہ دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس زمانے میں مسقط کے تجارتی تعلقات افریقہ سے وابستہ تھے خاص طور پر زنجبار کے جزیرے سے جو کہ ان کے قبضے میں تھا۔ انہوں نے زنجبار کا جزیرہ ایک اہم تجارتی مقصد کے لئے استعمال کرنا شروع کیا یعنی افریقہ سے پکڑے گئے آزاد انسانوں کو غلام بنا کر انہیں بیرونی منڈیوں میں فروخت کرنے کے تجارت کے لئے۔ (۳)

اس زمانے میں مغربی ہند میں یورپی طاقتوں خاص طور پر فرانسیسی اور انگریزوں کا غلبہ تھا۔ دوسری جانب مسقط میں عرب قبیلے ایک دوسرے پر غلبہ پانے کے لئے آئے دن جنگوں میں برسر پیکار رہتے تھے۔ آخر کار بوسعیدی خاندان مسقط کے تخت کو دوبارہ حاصل کرنے میں کامیاب ہوا اور سرخ خونی رنگ کا مسقطی جھنڈا افریقہ سے لیکر مکران تک لہرانے لگا۔ ایک طرف یہ جھنڈا گوادر میں لہرا رہا تھا تو دوسری جانب زنجبار کا جزیرہ بھی اس کے سائے تلے تھا۔ پچھلے ابواب میں اس بات کا تذکرہ کیا جا چکا ہے کہ بحر ہند میں تجارتی سرگرمیاں مون سون (مون سون عربی زبان کے لفظ موسم سے موسوم ہے) کی ہواؤں کی مرہون منت تھی ان تجارتی ہواؤں نے بحر ہند میں تجارتی سرگرمیوں کی فروغ میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

افریقہ سے لاکر سندھ میں فروخت کئے جاتے تھے۔ ان کی قیمت چالیس سے لیکر سو روپے تک تھی۔ لڑکیوں کی قیمت مردوں سے زیادہ تھی، اس لئے وہ زیادہ تعداد میں لائے جاتے تھے۔ (۷)

غلاموں کی یہ مذموم تجارت ایسٹ انڈیا کمپنی کے ناک کے نیچے زور وشور سے جاری رہی لیکن انہوں نے اس معاملے کو چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا کیونکہ وہ نہیں چاہتے تھے کہ والیان مسقط کو ناراض کردیں، جس کے نتیجے میں وہ انہیں چھوڑ کر فرانس کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھائیں۔ اس طرح انیسویں صدی کے آغاز میں صدیوں پرانی غلاموں کی تجارت اپنے عروج پر جا پہنچی جو کہ مسقط کے حکمرانوں کی آمدنی کا اہم ذریعہ تھی۔ اس تجارت کے ذریعے وہ اپنی طاقت میں اضافہ کرتے رہے۔

غلاموں کی تجارت پر پابندی اور اس کے اثرات

غلاموں کی تجارت نے سلطنت برطانیہ کو ایک مشکل میں ڈال دیا۔ وہ ایک طرف مسقط کے سلطان کو ناراض نہیں کرنا چاہتے تھے۔ دوسری جانب وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ ان کے زیر انتظام علاقوں بالخصوص سندھ اور بلوچستان میں غلاموں کے حوالے سے تجارتی سرگرمیاں فروغ پاسکیں کیونکہ برطانوی پارلیمنٹ اور عوام میں اس ضمن میں سخت اشتعال پایا جاتا تھا کہ ان کی حکومت کے ماتحت ایسٹ انڈیا کمپنی اس قسم کی مذموم تجارتی سرگرمیوں میں ملوث ہو۔ برطانیہ پارلیمنٹ کے دو سرکردہ ممبران، ولیم ولبرفورس (William Wilberforce) اور تھامس کلارکسن (Thomas Clarkson) غلاموں کی تجارت کے مخالفت کے حوالے سے کافی سرگرم تھے۔ سن ۱۷۸۵ء سے ہی کلارکسن نے غلاموں کی تجارت کے خلاف اپنی تحریک کا آغاز کیا تھا۔ اس نے اپنی ساری زندگی اس تجارت کی حوصلہ شکنی میں صرف کی۔ انہوں نے اس زمانے کے انگریزی معاشرے کے تمام حساس ذہنوں اور دانشوروں کو اپنے ساتھ ملایا ان میں جین اسٹن (Jane Austen)، ولیم ورڈزورتھ (William Wordsworth) جیسے نام شامل تھے۔ ان کی مدد سے انہوں نے برطانوی قوم کو اس معاملے میں بیدار کیا اور برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اس تجارت پر پابندی لگادے۔ بالآخر برٹش انڈین گورنمنٹ کے بمبئی ریزیڈنٹ نے ۱۸۰۵ء میں اپنے تمام ساحلی بندرگاہوں سے غلاموں کی درآمد اور برآمد پر پابندی لگادی۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے ان تمام جہازوں کو جو کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملکیت نہ تھے اس بات کا پابند کرلیا کہ وہ کسی بھی قیمت پر غلاموں کی تجارتی سرگرمیوں میں ملوث نہ ہوں اور اگر وہ ان سرگرمیوں میں ملوث پائے گئے تو ان کو ہندوستان کے ساحلی علاقوں میں تجارتی سرگرمیوں کی اجازت نہیں دی

جائے گی۔ یکم مارچ ۱۸۰۸ء سے برٹش انڈیا کے زیر اثر تمام ساحلی شہروں میں غلاموں کی خرید و فروخت پر مکمل پابندی عائد کی گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ ۱۸۱۱ء میں سرکار بنگال نے اس پابندی کے تحت میں اس بات کا بھی اضافہ کیا کہ اگر کوئی شخص یا ادارہ اس تجارت میں ملوث پایا گیا تو اس کو چھ سو روپے قید بامشقت اور جرمانہ کی سزا دی جائے گی۔ (۸)

اگرچہ تاج برطانیہ نے از خود نوٹس لیتے ہوئے غلاموں کی تجارت پر پابندی لگادی تھی لیکن دیگر یورپی سامراجوں نے اس ضمن میں اپنی تجارتی سرگرمیاں جاری رکھیں تھیں۔ لہذا اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اس تجارت پر پابندی کو موثر اور قابل عمل اس وقت بنایا جاسکتا ہے جب دیگر یورپی اقوام کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ وہ بھی اس قسم کی تجارتی سرگرمیاں فی الفور ترک کردیں۔ اکیس جنوری ۱۸۱۵ء میں لارڈ کاسل رے (Lord Castlereagh) یورپی اقوام کو اس سلسلے میں قائل کرانے میں کامیاب ہوئے کہ وہ ایک یادداشت پر دستخط کریں جس کے ذریعے غلاموں کی تجارت پر مکمل پابندی لگادی جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہیں اس بات کا بھی پابند کردیا گیا کہ وہ از خود اس ضمن میں قدم بڑھائیں اور ان تمام اقوم کو جو کہ ان کے تابع ہیں اس بات کا پابند کروائیں کہ وہ اس مذموم تجارت سے کنارہ کشی اختیار کریں۔ اس سلسلے میں برطانوی حکومت یقیناً قابل تعریف ہے کہ اس نے اس سلسلے میں پہلا قدم اٹھایا اور انسانی گوشت کی اس تجارت پر پابندی لگادی۔ (۹)

اگرچہ برطانوی پارلیمنٹ کے اراکین اپنی حکومت اور یورپی طاقتوں کو یہ بات باور کرانے میں کامیاب ہوئے کہ وہ غلاموں کی تجارت پر پابندی لگادیں لیکن ان کے سامنے سب سے بڑی رکاوٹ مسقط کے بوسعیدی حکمران تھے۔ اس ضمن میں سلطنت برطانیہ نے کیپٹن مورس بے (Moresby) کو چار ستمبر ۱۸۲۲ء میں مسقط بھیجا تا کہ وہ مسقط کے والی کے ساتھ گفت وشنید کے ذریعے اس مسئلے کو حل کرسکے۔ کیپٹن مورس بے برطانوی جہاز H.M.S. Menai کے ذریعے سفر کرتے ہوئے مسقط پہنچے اور ماریشس کے انگریز گورنر سر فرقوھار (Sir R. Farquhar) کا ایک رقعہ والی مسقط کے خدمت میں پیش کیا اور دونوں نے ایک معاہدے پر دستخط کئے، جس کے رو سے والی مسقط کے جہازوں کے ذریعے غلاموں کی عیسائی اقوام میں تجارت ممنوع قرار دی گئی۔ اور ان تمام اس بات کا پابند کردیا گیا کہ مسقط کی جہازوں کو عیسائی ممالک میں غلاموں کی خرید وفروخت میں استعمال نہیں لایا جائے گا۔ اگر کوئی جہاز اس ضمن میں ملوث پایا گیا اس کو چار مہینے تک سرکار کی تحویل میں لیا جائے گا۔ اس معاہدے کی ایک شق کی رو سے اگر مسقط کے جہاز غلاموں کو لیکر

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

سے مکران اور دیگر علاقوں میں جہازوں میں بھر بھر کر لایا جاتا تھا تو انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اکتوبر ۱۸۷۲ء میں ٹائمز آف انڈیا میں والچر (Vulture) نامی جہاز جو کہ غلاموں کی تجارتی سرگرمیوں میں ملوث تھی اس میں غلاموں کی حالت زار کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے

''غلاموں کی تعداد کا اندازہ لگانا مشکل امر تھا۔ انہیں بڑی مشکل سے ان چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں سوار کرایا گیا تھا۔ انکی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ایسا لگتا کہ حشرات الارض کا ایک بڑا جنگھٹا ایک مختصر سی جگہ پر اکھٹا کیا گیا ہے۔ ان سے نیچے غلام بچوں کا جم غفیر تھا جو کہ ان کشتیوں کے زیریں حصے جس میں پانی بھرا ہوا تھا، میں رکھے گئے تھے۔ یہ بچے چیچک اور دوسری موذی بیماریوں میں مبتلا تھے۔ ان کشتیوں کی حالات اتنی مخدوش تھی کہ خلاصیوں کو بھی انہیں کھینچنے میں دشواریاں پیش آ رہی تھیں بڑی مشکل سے ان نحیف ونزار غلاموں کو والچر نامی جہاز میں سوار کرایا گیا۔ وہ اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ انہیں لاد کر جہاز میں سوار کرایا گیا۔ حیرت ہوتی ہے کہ وہ اتنی مشکلات جھیلنے کے باوجود کیسے زندہ رہ گئے تھے۔ جب بندرگاہ کے ڈاکٹر نے ان غلاموں کا طبی معائنہ کیا تو پتہ چلا کہ ان میں سے پینتیس (۳۵) افراد کو چیچک کا موذی مرض لگ چکا تھا۔ ان چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں سفر سے لے کر قصائی کے جزیرہ بمبئی تک پہنچنے تک ۱۶۹ میں سے ۱۱۵ افراد ہلاک ہو گئے تھے۔ اس سفر کا سب سے سفاک منظر یہ ہوتا تھا کہ جب عرب جہازی ان مظلوم انسانوں پر ظلم کرتے تھے۔ جب ان عربوں کو پتہ چلا کہ ان غلاموں میں سے کچھ بیمار ہیں تو انہوں نے انہیں اسی حالت میں یکے بعد دیگرے جہاز سے اٹھا کر سمندر میں پھینکنا شروع کیا۔ اس طرح وہ لوگ ایک ایک کر کے سمندر کی نذر ہو گئے۔ ان میں بچوں کی حالت سب سے زیادہ خستہ تھی۔ ان میں سے کچھ بچے تین سال کے عمر کے تھے۔ ان کے جسموں پر ڈنڈوں اور چابکوں کے زخم تھے جو ان ظالم عربوں نے انہیں مارے تھے'' (۱۴)

غلاموں کی تجارت پر پابندی کے مکران پر اثرات

بلوچستان میں بالعموم اور مکران میں بالخصوص غلاموں کی تجارت انیسویں صدی میں زور و شور سے جاری رہی۔ غلاموں کی تجارت مکران کے مخصوص مقامی حکمران گھرانوں کے لئے معاشی خوشحالی کا باعث بنا اور وہ جوق در جوق اس گھناؤنے تجارت میں حصہ لینے لگے۔ ۱۹۱۱ء میں ریاست قلات میں غلاموں کی کل تعداد ۷۸۰۰ تک پہنچ گئی ان میں ۹۳۰۰ کے قریب لونڈیاں بھی شامل تھیں۔ ریاست قلات میں جھلاوان، مکران اور خاران ان غلاموں کے اہم مراکز میں شمار

کئے جاتے تھے۔ ان غلاموں سے دو قسم کے کام لئے جاتے تھے۔ غلام مرد اپنے آقا کے کھیتوں میں کام کرتے تھے جبکہ لونڈیاں گھریلو کام کاج کیا کرتی تھیں۔ مذکورہ بالا علاقوں کی بہ نسبت سراوان میں غلاموں کی تعداد کم تھی اور وہ زیادہ تر اپنے آقا کے گھریلو کام کاج کے لئے رکھے جاتے تھے۔ اسی طرح ۱۹۲۶ء کے سروے کے مطابق جھلاوان اور مری بگٹی علاقے کی کل آبادی کا چار فیصد غلاموں پر مشتمل تھا اس کے برعکس مکران میں کل آبادی کا چھ فیصد اور خاران کی آبادی کا پندرہ فیصد غلاموں پر مشتمل تھا۔ (۱۵)

مکران میں غلاموں کی تجارت کے حوالے سے انگریزوں کی دلچسپی کا آغاز ۱۸۷۴ء کے ایک اہم واقعہ سے ہوا۔ ۱۸۷۴ء میں مکران کے رندوں نے افریقہ سے لائے گئے غلاموں کی ایک بڑی تعداد کو والی مسقط کے زیر تسلط گوادر بندرگاہ سے زری اور گھریلو مقاصد کے لئے خریدا۔ دو سال بعد ۱۸۷۶ء میں ان میں ایک سو چھتر کے قریب غلاموں نے اپنی اس زندگی سے تنگ آ کر اپنے مالکان کی قید سے فرار ہو کر گوادر میں آ کر پناہ لی۔ گوادر میں مسقط کے امام ۱۸۷۳ء کے معاہدے کے رو سے اس بات کے پابند تھے کہ وہ ان تمام غلاموں کو جو کہ اپنے مالکان کے ظلم و ستم سے فرار ہو کر ان کے عملداری میں آئیں تو انہیں دوبارہ ان کے اصل مالکان کے حوالے نہیں کریں گے۔ جب رندوں نے دیکھا کہ وہ اپنے زر خرید غلاموں کو واپس نہیں لے سکتے تو انہوں نے انتقاماً گوادر کے قریبی علاقوں کو لوٹنا شروع کیا اور حال ہی میں لگائے گئے ٹیلی گراف لائن کے کھمبوں کو اکھاڑنا شروع کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ انڈو یورپین ٹیلی گراف لائن کے مقامی ملازم کو بھی اغوا کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔ اگرچہ بعد ازاں انہوں نے مغوی عملدار کو لوٹے ہوئے اسباب کے ساتھ واپس کر دیا۔ اس زمانے میں مکران میں خان قلات کے نائب فقیر محمد بزنجو تھے۔ اس حملے کے نتیجے میں رند قبیلہ اور خان قلات کے درمیان تنازعہ کھڑا ہو گیا۔ کیونکہ خان قلات انگریزوں کے ساتھ انڈو یورپین ٹیلی گراف لائن کی حفاظت کے معاہدے کے پابند تھے جس کی وجہ سے اسے پندرہ سو روپے سالانہ امداد ملتی تھی۔ اس تنازعہ کے نتیجے میں رند قبیلے کے چار افراد مارے گئے اور یہ تنازعہ اس زمانے کے ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل رابرٹ سنڈیمن (۱۸۹۲ء-۱۸۳۵ء) کے سامنے پیش کیا گیا۔ (۱۶)

سر رابرٹ سنڈیمن خود اسکاٹ لینڈ کے قبائلی معاشرے سے تعلق رکھتے تھے وہ قبائلی طور طریقوں سے اچھی طرح آگاہ تھے لہذا انہوں نے ان قبائلی جھگڑوں میں پڑنے کے بجائے کہہ دیا کہ رندوں کی ہلاکت کا غلاموں کی فراہمی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ برٹش انڈین گورنمنٹ کو اس واقعے کی اطلاع دیتے ہوئے انہوں نے ۲۵ مارچ ۱۸۸۴ء میں لکھا کہ ''بلوچستان میں بھی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

اس بات کی تحقیق کی جائے کہ ان کے پاس غلام ہیں یا نہیں، کیونکہ قانون ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ ہم ایسا کریں''۔(۲۰)

بلوچستان کے انگریز اہلکاروں کے ان مراسلوں نے برٹش انڈیا کے پایہ تخت کلکتہ میں موجود انگریز سرکار کو بڑی مشکل صورتحال میں ڈال دیا۔ایک طرف برطانوی عوام کے غلامی کے حوالے سے جذبات تھے اور دوسری جانب ان کے زیر اثر مکران کے سرحدی علاقوں کی صورت حال تھی، جس کو وہ چاہتے تھے کہ ہر حال میں سرد رکھا جائے۔ان کی اس حالت کا اندازہ اس مراسلے سے لگایا جاسکتا ہے جو کہ انڈین فارن ڈپارٹمنٹ کی جانب سے بلوچستان کے ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل کو ۴ دسمبر ۱۸۹۳ء میں لکھا گیا ہے: ''ریاست قلات اور اس کے زیر اثر علاقوں میں غلامی کا سوال جیسا کہ آپ نے تحریر کیا ہے کافی پیچیدہ ہے۔انڈین سرکار کی کوئی ایسی خواہش نہیں ہے کہ اس کو وقت سے پہلے حل کرے۔پی اے (پولیٹیکل ایجنٹ) قلات رندوں کو اس طرح کا کوئی تاثر نہ دے کہ جس سے وہ سمجھ سکیں کہ انہیں غلام رکھنے کا حق ہے۔اس لئے یہ پی اے کے لئے ضروری ہے کہ وہ (رندوں کو) یہ بات سمجھانے کی قطعاً کوشش نہ کرے کہ غلاموں کی اچھی طرح خیال رکھا جائے۔کیونکہ پی اے نہیں چاہتا ہے کہ رندوں کو ناراض کیا جائے، لیکن اس طرح سے شاید رند یہ سمجھنے لگیں کہ ہماری طرف سے غلامداری کی توثیق کی گئی ہے''۔(۲۱)

سرکاری مراسلوں نے پولیٹیکل ایجنٹ اور دوسرے سرکاری عہدہ داروں کو مشکلات میں ڈال دیا اگرچہ انہیں غلاموں کے معاملے میں مداخلت کی اجازت نہ تھی لیکن غلاموں کی فراریت میں کوئی کمی نہیں آئی اور ان کی بڑی تعداد کراچی اور برٹش انڈیا کے عمل داری کے دوسرے علاقوں میں بڑی تعداد میں آ کر آباد ہوتی گئی اور ان کی واپسی کے مطالبے کے باوجود انگریز سرکار انہیں واپس انکے مالکان کے سپرد کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔اس کے ساتھ ساتھ پولیٹیکل ایجنٹ اور دیگر سرکاری اہل کاروں نے غلاموں کے آقاؤں کو اس بات پر مجبور کردیا کہ وہ غلاموں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں اور اس کے ساتھ ساتھ غلاموں کو ان کے خاندان کے افراد سے جدا نہ کریں۔

بلوچ سرداروں نے فرار ہونے والے غلاموں کی واپسی کے مطالبے پر ۱۸۷۶ء کے مستونگ معاہدہ کو بطور حوالہ استعمال کیا جس میں بلوچ روایات کی پاسداری کرنے کی یقین دہانی کرائی گئی تھی۔اس شق کے توسط سے سرداروں نے انگریز سرکار سے لونڈیوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔انگریز سرکار نے ان کے مطالبے کو پھر رد کردیا۔انگریز سرکار نے سرداروں کو باور کرایا کہ وہ نہیں جاننا چاہتے تھے کہ ان کے پاس غلام ہیں یا نہیں۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ انکے ساتھ اچھے سلوک

...نی بھی ہیں۔انگریزوں کی اس انسانی المیے سے نمٹنے کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ... سرداروں اور اے جی جی برنس کے مابین ایک ملاقات میں بات کھل کر سامنے آ گئی۔جس ... اے جی جی نے کھل کر اپنے موقف کو ان سرداروں کے گوش گزار کیا کہ وہ ذاتی طور پر غلام ...ھنے کے حامی ہیں لیکن قانون اس بات کی اجازت نہیں دیتا۔(۲۲)

غلاموں کی تجارت صرف افریقی نسل کے باشندوں تک محدود نہ تھی بلکہ غریب بلوچوں کو بھی ...لام سردار پکڑ کر غلاموں کی صورت میں فروخت کرنے کے مذموم کاروبار میں ملوث تھے۔اس ضمن ...ں ۲۰ مئی ۱۹۰۳ء میں پولیٹیکل ایجنٹ جاسک کا پرشین گلف کے ڈائریکٹر جو کہ کراچی میں مقیم تھے ...ے نام مراسلہ قابل غور ہے۔''انکی (غلاموں) کی ایک بڑی تعداد کیچ کے گردونواح سے لائی گئی ...ی جس میں نہ صرف افریقی نسل کے لوگ بلکہ غریب بلوچ بھی شامل تھے جنہیں سرداروں نے ...روخت کیا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ افریقہ سے غلاموں کی درآمد پر پابندی کی وجہ سے غلاموں کی اہمیت ...یں اضافہ ہوا ہے اور بلوچستان واحد خطہ ہے جہاں پر ابھی تک غلاموں کی خرید وفروخت پر کوئی ...ابندی نہیں ہے''۔(۲۳)

ان بلوچوں کو بطور غلام ایران کے مختلف علاقوں میں فروخت کیا گیا۔اس ضمن میں جو بلوچ ...ورتیں غلام بنائی جاتی تھیں ان کے سر گنجے کئے جاتے تھے اور اس پر Quicklime (ایک ایسا کیمیاوی مادہ جو کہ زمین کی زرخیزی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے یعنی چونا) ملی جاتی تھی تا کہ سر پر ...وبارہ بال اگ نہ سکیں اس طرح اگر ان کی اپنے قبیلے سے مڈبھیڑ ہو تو وہ انہیں پہچان نہ سکیں اور اس ...ے ساتھ ساتھ ان کے دوبارہ فرار ہونے کے راستے بھی مسدود ہو سکیں۔(۲۴)

...لام مسئلہ اور انگریز حکومت (۱۹۰۲ء-۱۹۰۵ء)

انیسو دو سے لیکر انیسو پانچ کے دورانیے میں انگریزوں نے بلوچستان کے مختلف اضلاع کے ...کوائف مرتب کرنے شروع کئے اور انہیں ضلعی گزیٹر کی شکل میں شائع کیا۔ان ضلعی گزیٹرز میں اس ...ات کی دانستہ کوشش کی گئی کہ غلاموں کے حوالے سے صحیح اعداد وشمار سامنے نہ آئیں اور انہیں مختلف ...طریقے سے پیش کیا جائے تا کہ برٹش گورنمنٹ کے عملداروں پر کوئی حرف نہ آ سکے۔اس لئے مختلف اضلاع میں غلاموں کو معاشرے کے دیگر نچلے طبقوں کے ساتھ ضم کر کے پیش کیا گیا۔ان گزیٹرز کے مطابق غلاموں کی اکثریت کا تعلق لسبیلہ، مکران اور خاران کے اضلاع سے ہے۔خاران میں غلاموں کو مختلف پیشوں سے منسلک بتایا گیا ہے۔مثلاً وہ خاران کے مقامی سرداروں کے مشیر اور ان کی ذاتی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

کرنے لگے۔ برٹش انڈین گورنمنٹ نہیں چاہتا تھا کہ بلوچ سردار غلاموں کے معاملے کو اٹھائے جانے پر ان کے خلاف ہوں لہذا انہوں نے ایک بار پھر اس مسئلے سے چشم پوشی اختیار کرلی اس بات کا اندازہ اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ مکران کے ۲۸ فروری ۱۹۱۸ء کے اس مراسلے سے کیا جاسکتا ہے کہ "میں (اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ) یہ سمجھتا ہوں کہ حالیہ سالوں میں (غلاموں کے حوالے سے) جو تحقیق کی گئی تھی اس کے خاطر خواہ اور حوصلہ افزا نتائج برآمد ہوئے۔ اس وقت غلاموں کے حوالے سے مکران میں ایسے اقدام نہیں اٹھانے چاہیے اور اس وقت کا انتظار کرنا چاہئے جب حالات سازگار ہوں۔ غلام مکران میں اچھے حالات میں رہ رہے ہیں، ماسوائے ان آقاؤں کے جو کہ غلاموں کے ساتھ برا سلوک روا رکھتے تھے۔ انہیں اس معاملے میں سخت تنبیہ کی گئی ہے۔ وہ (آقا) اچھی طرح سے جانتے تھے کہ اگر انکے خلاف کوئی ایسی شکایت جو کہ ناروا سلوک اور غلاموں کے خاندان کے افراد کی بالجبر علیحدگی کے حوالے سے ہو تو اس صورت میں غلام کو اس کے آقا سے لے کر آزاد کیا جاسکتا ہے۔ غلاموں کی اکثریت اس بات سے اچھی طرح آگاہ ہیں کہ وہ اپنے آقا کے زیر اثر رہے تو اچھی زندگی گزار سکتے ہیں اگر وہ اس سے علیحدگی اختیار کر کے ازخود کام کریں تو ان کے مشکلات میں اضافہ ہوسکتا ہے۔ آزادی کا تجریدی مفہوم (مکران کے غلاموں) کی اکثریت پر لاگو نہیں ہوسکتا۔ میں نہیں سمجھتا کہ جب جنگ ہماری سر پر منڈلا رہی ہے تو ایسے وقت میں اس اہم سوال کو چھیڑا جائے اگر چہ مجھے خوشی ہوگی اگر غلامی کو یکسر ختم کردیا جائے۔ میرے خیال میں اس وقت غلاموں سے اچھے سلوک کی یقین دہانی حاصل کرنا ہی بہتر ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ اگر آقا یا اس کے غلام کی طرف سے اس ضمن میں کوئی بھی ٹیلی گرام آئے تو اس کو نظر انداز کرنا چاہئے۔ (۳۰)

غلامی کا خاتمہ

سن ۱۹۲۶ء میں لیگ آف نیشن میں شامل تمام ممالک اس بات پر متفق ہوئے کہ وہ ان تمام ملکوں جو کہ ان کی نوآبادیات میں شامل ہیں، غلامی کا مکمل طور پر خاتمہ کیا جائے گا۔ اس فیصلے سے اے جی جی بلوچستان پر دباؤ بڑھ گیا کیونکہ برٹش انڈیا میں بلوچستان واحد خطہ تھا جہاں غلامی کا قبیح رسم زور و شور سے جاری و ساری تھا۔ اے جی جی کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ خان قلات پر دباؤ ڈال دے تا کہ وہ ریاست قلات اور اس سے ملحقہ علاقوں میں غلامی پر پابندی لگادے۔ تیس دسمبر ۱۹۲۶ء میں لندن ٹائمز میں اس حوالے سے ایک خبر جاری ہوا جس میں بیان کیا گیا ہے کہ "ریاست قلات میں غلامی پر پابندی لگادی گئی ہے"۔ اس ضمن میں خان قلات نے

اگست ۱۹۲۶ء کو ایک فرمان جاری کیا جس کی رو سے غلاموں اور لونڈیوں کو بطور ملکیت رکھنے پر مکمل پابندی عائد کردی گئی ہے۔ اگر کوئی غلام چاہتا ہے کہ وہ اپنے آقا کے ساتھ رہے تو وہ خوشی سے رہ سکتا ہے۔ مگر اس کی محنت کے عوض اس کا سابقہ آقا اس کو تنخواہ ادا کرے۔ اس طرح سے لونڈیوں پرانے اس ناسور کا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاتمہ کردیا گیا۔ (۳۱)

اگر چہ خان کے فرمان کو صحیح روح کے ساتھ نافذ العمل کردیا گیا تھا لیکن اس کے نفاذ میں کئی رکاوٹیں کھڑی کردی گئیں اور اس طرح کے کئی واقعات گورنمنٹ کے گوش گزار کئے گئے جس میں بتایا گیا کہ غلاموں کے آقاؤں نے خان کے فرمان کو درخور اعتنا نہیں سمجھا اور وہ پہلے سے زیادہ اپنے غلاموں پر ظلم و ستم کرنے لگے۔ اس ضمن میں پولیٹیکل ایجنٹ قلات کا ۱۹۲۷ء میں لکھا ہوا مراسلہ قابل ذکر ہے جس میں وہ لکھتے ہیں "جہالاوان کے سرداروں اور معتبروں اور غلاموں کے ساتھ بات چیت کے بعد یہ بات سامنے آئی ہے کہ غلاموں کو بغیر کسی ہچکچاہٹ کے آزاد کیا جاسکتا ہے لیکن مسئلہ لونڈیوں کا ہے۔ کیونکہ حال ہی میں بہت ساری لونڈیوں کو بھاری رقم کے عوض فروخت کیا گیا ہے۔ جن میں سے کچھ کو ہزار روپے دے کر خریدا گیا ہے، ان کو ان کے آقا رقم حاصل کئے بغیر رہا کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ (۳۲)

موجودہ دور میں اگر چہ غلامی باقی نہیں رہی لیکن مکران میں اس ناسور کے چھوڑے گئے بدنما داغ اب بھی بلوچ معاشرے کے ذہنوں میں نمایاں نظر آتے ہیں۔

حوالہ جات:

۱- اشرف، میاں محمد (۲۰۰۵)، غلامی ایک تاریخی جائزہ: فروغ علم اکیڈمی، ۱۷۹ ماڈل ٹاؤن ہمک، اسلام آباد صفحہ نمبر ۳

2- Patterson, Orlando (1990), Slavery. Collier's Encycliopedia, Macmillan N.Y. pp 71-76

3- Nocolini, Beatrice (2004). Makran, Oman and Zanjibar: Three Terminal Cultural Corridor in the Western Indian Ocean (1799-1856). Brill: Leiden. pp 1-177

۴- ایضاً صفحہ نمبر XXIV-XVII ۵- ایضاً صفحہ نمبر ۷-۶ ۶- ایضاً صفحہ نمبر ۲۵

7- Burton, R.F. (1851), Sindh and the Races that inhabit the valley of the Indus, London, p253

8- Beachy, R.W. (1976). A Collection of documents on the Slave trade of Eastern Africa. London. p 40 opt. quoted by Nicolini B. (2004) Makran Oman and Zanzibar. pp 115-116

9- Nicolini, B. (2004). opt. quoted p 116

10- Lorimer, J.G. (1915) Gazetter of the Persian Gulf, Oman and Central Arabia. vol.I. historical part II. Calcutta. p 2476

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

میں گوادر کی حالت کافی ناگفتہ بہ تھی لہذا اس کے ساتھی کپتان سیٹن نے اس کو مشورہ دیا کہ وہ گوادر سے آگے مُنوتر کی بندرگاہ چلے جائیں جو کہ اس کے سفر کے لئے سود مند ثابت ہو سکتا ہے۔(۱)

۱۸۰۹ء میں کپتان گرانٹ کی عمر صرف پچیس سال تھی وہ اس پر خطر سفر کے لئے اکیلا ہی نکل پڑا تھا۔ جب وہ بمبئی میں تعینات تھا تو اسے فارس میں برطانوی سفیر برگیڈیئر جنرل جان مالیکم کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ مکران کے مغربی علاقوں کی چھان بین کرے۔ اس سفر میں جس مقصد کو مدنظر رکھا گیا تھا وہ بظاہر گھوڑے خریدنے سے تعلق رکھتا تھا لیکن اصل مقصد یہ تھا کہ وہ ان حالات کا جائزہ لے سکے کہ آیا انگریزوں کے حریف یورپی طاقتیں (فرانس اور روس) مکران کے جنوب مغربی علاقوں سے ہندوستان میں داخل ہونے کے منصوبے تو نہیں بنا رہے۔(۲)

کپتان گرانٹ کو انتہائی کم مدت میں مکران کے مغربی علاقوں کی چھان بین کرنا تھا کیونکہ مقامی خفیہ اداروں کے اہل کاروں نے اپنے مراسلوں میں اس بات کے خدشے کا اظہار کیا تھا کہ سندھ کے علاقے میں فرانسیسی داخل ہونے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ ان رپورٹوں نے ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ منٹو کو بدحواس کر دیا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ گرانٹ اپنا مشن جلد از جلد پایہ تکمیل تک پہنچائے اور ان افواہوں کی تصحیح کرے آیا وہ درست ہیں کہ نہیں۔(۳)

کپتان سیٹن (Seton) کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے کپتان گرانٹ مُنوتر پہنچ گئے۔ مُنوتر سے گرانٹ نے مغربی مکران کے اندرونی علاقوں کا سفر کیا۔ یہاں سے وہ کرمان کے سرحدی علاقوں کی چھان بین کرنے گئے۔ یہ علاقے قاچار حکمرانوں کے دور میں خوانین قلات سے چھین کر ایران میں شامل کر دیئے گئے تھے۔ مکران، کرمان اور سیستان کے درمیان کوئی قدرتی رکاوٹ موجود نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے ان علاقوں کی جغرافیائی حدود کا تعین کیا جا سکے۔ کپتان گرانٹ وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ان علاقوں کا دورہ کر کے انگریزی سرکار کو ان علاقوں کی جغرافیائی خدوخال کے بارے میں آگاہ کیا۔ کپتان گرانٹ کے بھیجے گئے رپورٹ بعد میں ان علاقوں کی جغرافیائی حدود کی تشکیل میں کافی معاون ثابت ہوئے۔

کپتان گرانٹ کے ۱۸۰۹ء کے ڈائری کے مندرجات کے مطابق مُنوتر کا حاکم میر سوہان تھا جو ایک چھوٹے سے قلعے (کلات) میں رہتا تھا جس کے چاروں اطراف گارے مٹی کے بنے ہوئے ۱۵۰ گھروں میں ماہی گیر رہتے تھے۔ یہ لوگ مچھلیاں پکڑتے تھے ان کا تبادلہ اندرون ملک سے لائے گئے گندم سے کیا کرتے تھے۔ مُنوتر کے بندرگاہ کے قرب وجوار میں کپتان گرانٹ نے جس بات پر زیادہ زور دیا وہ میٹھے پانی کی کمیابی تھی۔ اگرچہ وہاں چند کنویں بھی پائے گئے لیکن ان کا پانی بھی کھارا تھا اور اس علاقے میں کسی بھی قسم کی کاشت کاری ممکن نہ تھی۔ پانی حاصل کرنے کے

لئے مُنوتر کے باشندے ریت میں گھڑے کھودتے تھے جو کہ دو سے تین فٹ گہرے ہوتے تھے، لیکن کچھ وقت گزرنے کے بعد وہ پانی بھی کڑوا ہوتا تھا۔ اس علاقے کے قرب وجوار میں دو برساتی نالے ہیں جو مُنوتر کے قریب سمندر میں جا گرتے ہیں۔ ایک نالہ چانپ (Champ) جو کہ دشتیاری سے آتا ہے (اس کا موجودہ نام کاجو کور ہے) جبکہ دوسرا نالہ سرباز اور باہو (باہو کور) سے ہوتا ہوا مُنوتر کے قریب سمندر میں جا گرتا ہے۔ کپتان گرانٹ کی ڈائری سے یہ بات واضح ہے کہ مُنوتر کے ماہی گیروں کی اندرون ملک کے باشندوں کے ساتھ تجارتی تعلقات استوار تھے۔ جیونی سے چابہار (چجہار) تک اور چالیس میل اندر تک کے علاقوں میں جدگال بستے ہیں جن کا سربراہ میر سوہان تھا۔ وہ خود نگور کے علاقے میں رہتا تھا جو کہ مُنوتر کے شمال میں واقع ہے۔ جدگالوں کے متعلق کپتان گرانٹ کا خیال ہے کہ یہ سندھ سے اس علاقے میں آ کر بسے تھے۔ اور ابھی تک جدگالی بولتے تھے۔

میر سوہان کی عسکری قوت ۳۰۰ سوار اور ۳۰۰۰ پیادہ لشکر پر مشتمل تھی۔ ان کے ہتھیار تلوار اور توڑے دار بندوقوں پر مشتمل تھے۔ یہ کوئی باقاعدہ لشکر نہیں تھا بلکہ جب کبھی باہو دشتیاری پر کوئی بیرونی حملہ آور حملہ کرتا تو حالت جنگ میں میر سوہان مطلوبہ تعداد میں لشکر جمع کر کے اپنی دفاع کیا کرتا تھا۔(۴)

میر سوہان کی سالانہ آمدنی چھ ہزار روپوں پر مشتمل تھی جس کی وجہ سے وہ ان علاقوں میں کافی طاقت رکھتا تھا۔ اس کی طاقت سے متاثر ہو کر قرب وجوار کے بلوچ قبائل ان سے ہمیشہ اتحاد کے لئے کوشاں رہتے تھے۔ کپتان گرانٹ نے محسوس کیا کہ اگرچہ باہو دشتیاری کا علاقہ نیم خودمختیار ہے لیکن وہ از خود اپنی دفاع کرنے کے قابل نہیں ہے اور اس کا قلعہ بھی نامساعد حالات میں دفاع کے لئے قابل موثر ثابت نہیں ہو سکتا۔ مغربی مکران کے سیاسی حالات جو کہ گرانٹ نے بیان کیے وہ اس قدر حوصلہ شکن تھے کہ اس زمانے میں اس علاقے میں کوئی مستقل آبادکاری مشکل تھی جس کی وجہ آئے دن کی جنگوں کے علاوہ میٹھے پانی کی کمیابی تھی جس نے اس علاقے میں مستقل آبادکاری کی راہ میں رکاوٹ ڈال دیئے۔ اسی معاشی بدحالی کے سبب میر سوہان کا اپنے علاقے پر گرفت کافی کمزور تھی۔ مکران میں قدرتی آفات کے نتیجے میں لوگوں کی متواتر ہجرت کے عمل کی وجہ سے ایک مرکزی حکومت کا قیام دشوار تھا۔ جس کے نتیجے میں چھوٹے چھوٹے علاقوں کے سربراہ ان علاقوں کے حاکم بن بیٹھے تھے۔(۵)

مُنوتر سے گرانٹ اور سیٹن سخت راستوں جو کہ دشوار گزار رنگ گھاٹیوں پر مشتمل تھا، سے ہوتے ہوئے ۹ فروری ۱۸۰۹ء کو چابہار پہنچ گئے۔ اس زمانے میں چابہار تین سو کچے مکانوں پر مشتمل ایک گاؤں تھا۔ ساحل سمندر کے مشرقی کنارے اونچائی پر مٹی سے بنا ہوا ایک قلعہ بنایا گیا تھا۔ چابہار کے قرب وجوار کا علاقہ انتہائی پسماندہ تھا۔ اس میں سوائے چند باغات کے جو کہ کنویں کے پانی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

کہ توپخانہ کو ساتھ لانا ناممکن ہے لیکن پیادہ فوج کسی وقت کے بغیر ان راستوں کو عبور کر سکتے ہیں۔

چونکہ ان علاقوں میں پانی کی کمی ہے لہذا یہ علاقے پانچ ہزار کے قریب پیادہ لشکر کو پانی مہیا کر سکتے ہیں۔ لیکن اس سے زیادہ لشکر لانا تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ گرانٹ کے مطابق مکران کی کل عسکری تعداد پچیس ہزار کے قریب ہے لیکن مکران کے سیاسی حالات ایسے نہیں ہیں کہ اتنی بڑی فوج کو عرصے تک متحد رکھا جا سکے۔ گرانٹ نے ۱۸۰۹ء کو اس بات کو محسوس کیا اور یہ صورتحال آج بھی جوں کی توں موجود ہے۔ جو کہ بلوچ تحریکوں کی ناکامی کا بنیادی سبب بھی ہے۔

بلوچوں کی عسکری مزاج کے متعلق گرانٹ لکھتے ہیں کہ بلوچ سامان حربی کے ماہر ہیں اور شاذونادر ہی بغیر اسلحہ کے گھر سے نکلتے ہیں۔ ان کی اکثریت مسقط کی فوج میں ملازم ہیں۔(۷)

مکران کے کامیاب مہم نے اس نوجوان مہم جو کے حوصلے بڑھائے جو اس کے حق میں بہتر ثابت نہیں ہوئے اور وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ جب گرانٹ نے اپنے مشاہدات کو سر جان میلکم کے پاس بھیجا تو انہوں نے گرانٹ کو فارس میں فرنچ مخالف مہم کا کمانڈر مقرر کیا۔ جب گرانٹ خلیج فارس پہنچا تو اس کو کارنٹ فودرینگم (Cornet Fotheringham) جس کا تعلق مدارس سوار سے تھا، اور دو ملازموں کے ساتھ دریا دجلہ اور فارس کے سرحدی علاقوں کی چھان بین کے لئے روانہ کیا گیا۔ جب گرانٹ اور اس کا ساتھی ترکی کے سرحد کے قریب خرم آباد پہنچے تو مقامی حاکم نے اس کو قید کر لیا۔ دو دن تک اس کی خاطر و مدارت کرنے کے بعد اس کو اپریل ۱۸۱۰ء میں اس وقت گولی مار کر ہلاک کر دیا جب وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر فرار ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ بعد ازاں اس کے ملازموں کو بھی قتل کر دیا گیا۔ اگرچہ خلیج فارس کے انگریز ریذیڈنٹ نے گرانٹ کو اس سفر سے منع کیا تھا کہ اس علاقے میں جگہ جگہ چور اور ڈاکو پائے جاتے تھے جو کہ انسانوں کے قتل عام میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے تھے۔ لیکن گرانٹ فارس کے لوگوں کو بھی بلوچوں کی طرح مہمان نواز اور رحم دل سمجھ بیٹھا، اس کا خیال تھا کہ وہ اس کے ساتھ اسی طرح پیش آئیں گے جس طرح بلوچ ان کے ساتھ پیش آئے تھے۔ اسی غلط فہمی کی وجہ سے وہ اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ جان میلکم نے اس واقع کی اطلاع شاہ فارس کو دی۔ انہوں نے ملزم کی دونوں آنکھیں نکال دیں اور اس کے دونوں ہاتھ بھی کاٹ دیئے۔(۸)

اسی زمانے میں ایک اور مُہم جو اپنے سفر کے لئے بیتاب نظر آنے لگا اور چاہتا تھا کہ وہ بھی گرانٹ کی طرح اس نامعلوم دنیا کے احوال دریافت کر کے شہرت حاصل کرے، جس کا نام بلوچستان ہے۔ اس مہم جو کا نام ہنری پوٹنجر تھا۔

ہنری پوٹنجر کا احوال مکران

لفٹیننٹ ہنری پوٹنجر (۱۷۸۹ء-۱۸۵۶ء) ایسٹ انڈیا کمپنی کے بمبی پریزیڈنسی میں بطور ایجنٹ کام کر رہے تھے۔ ۱۸۰۸ء میں برٹش انڈیا کے گورنر جنرل لارڈ منٹو نے انہیں سندھ کے حالات کے بارے میں ایک خفیہ مشن پر بھیجا۔ اسی سفر کے دوران سن ۱۸۰۹ء-۱۸۱۰ء میں اس نے بلوچستان کے مختلف علاقوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کیں۔ ۱۸۳۲ء میں برٹش انڈین گورنر جنرل لارڈ کلیئر (Lord Clare) نے انہیں دوبارہ سندھ بھیجا تا کہ وہ سندھ کے تالپور میروں کے ساتھ تجارتی معاہدے پر دستخط کریں۔ سندھ اور بلوچستان کے مہمات میں کامیابی کے بعد ہنری پوٹنجر کو کرنل کے عہدے پر ترقی دے کر اسے کچھ کے علاقے کا ریزیڈنٹ مقرر کیا گیا۔ ہنری پوٹنجر نے پہلی انگلو افغان جنگ میں بھی حصہ لیا اور ایک موقع پر وہ بڑی مشکل سے اپنی جان بچا سکا۔ ۱۸۴۶ء میں اسے جنوبی افریقہ میں ہائی کمشنر بنایا گیا۔ اس کے علاوہ وہ مدراس کے گورنر بھی رہے۔ برطانوی ہند میں اس کی خدمات کے اعتراف میں اب بھی لندن کے وائٹ ہال میں جہاں سے ہندوستان کے معاملات کو چلایا جاتا رہا ہے اس کی تصویر دیوار پر آویزاں ہے۔(۹)

۱۸۰۹ء کے موسم خزاں میں جان میلکم نے ہنری پوٹنجر کو بلوچستان بھیجا تا کہ وہ اندرون ملک کے بارے میں خفیہ معلومات اکٹھی کر لے۔ اس زمانے میں یورپ میں نئی قوتیں ابھر رہی تھیں۔ ۱۸۰۸ء میں ہسپانوی انقلاب اور ۱۸۰۹ء کے آسٹروی مہم نے فرانس کے نپولین بونا پارٹ کی توجہ یورپ کی جانب مبذول کرائی جس کے نتیجے میں فرانس کو ہندوستان پر غلبے کا ارادہ ترک کرنا پڑا۔ فرانس کے ہندوستان میں جنگی مہم جوئی میں ناکامی کا دوسرا بڑا سبب اسکی فارس کے ساتھ خارجی تعلقات میں ناکامی تھا جس کی وجہ سے وہ اس معاملے سے الگ تھلگ ہو گئے۔ فرانس کے فارس اور ہندوستان میں عدم دلچسپی کے باوجود برٹش انڈین سرکار کسی قسم کا کوئی خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہ تھی لہذا اب تک بیرون دنیا کو نامعلوم خطہ بلوچستان کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے بارے میں بے تابی سے چل رہا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ مستقبل قریب میں کوئی دوسرا یورپی طاقت بلوچستان کے راستے ہندوستان پر حملہ کر بیٹھے لہذا انہوں نے ہنری پوٹنجر کو بلوچستان بھیجا تا کہ انکی رپورٹوں کی مدد سے کسی ممکنہ جارحیت کی صورت میں ہندوستان کا دفاع کیا جا سکے۔ ہنری پوٹنجر کا بلوچستان کے متعلق فراہم کردہ جغرافیائی، سیاسی، بشریاتی اور دفاعی معلومات دور جدید میں بھی اس خطے کے متعلق معلومات کا سب سے اہم ذریعہ ہیں جن کی اہمیت آج بھی مسلم ہے۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

کے زیرِ اثر ہونے کی وجہ سے زیادہ محفوظ تھا۔ جبکہ پسنی اور قرب جوار کے علاقے قلات کے زیرِ اثر تھے لیکن نصیر خان اور اس کے بعد محمود خان کی ساحلی علاقوں میں عدم دلچسپی کے سبب یہ بندرگاہ آئے دن عرب وحشیوں کے تختۂ مشق بنے رہے۔ پوٹنجر پسنی کے بعد وادیِ دشت پہنچے جو کہ دریائے دشت (دشت کور) سے سیراب ہوتا ہے۔ اس دریا کی وسعت کے بارے میں پوٹنجر کا خیال تھا کہ اس دریا کی گہرائی ساحل کے ایک سو گز کے فاصلے کے اندر کوئی بیس انچ اور چوڑائی دس سے تیس گز تک ہوتی ہے اور جب سمندر میں مدوجزر کی کیفیت ہو تو سمندر ایک سے دو میل تک اوپر چڑھ آتا ہے اور اس وقت یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک بڑا دریا ٹھاٹیں مار رہا ہو۔

وادیِ دشت سے یہ نوجوان مہم جو کیچ پہنچ گیا جو کہ کیچ ندی سے سیراب ہوتا ہے۔ اس کے سرسبز و شاداب وادیاں اس کو بھا گئیں۔ ۱۸۱۰ء میں جب ہنری پوٹنجر کیچ پہنچا، اس زمانے میں کیچ میں قلات کا نمائندہ عبداللہ بیز نجو تھا۔ چونکہ میر محمود خان ایک کمزور حکمران تھا لہٰذا عبداللہ بیز نجو نے اس کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر خود مختاری کا اعلان کیا۔ کیچ جو کسی زمانے میں ایک طاقت ور ریاست کا پایہ تخت رہا نصیر خان کے حملے کے بعد روبہ زوال ہو گیا۔ ہنری پوٹنجر خود اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ وہ شہر جس کا حاکم کسی زمانے میں چار پانچ ہزار مسلح سپاہیوں کا کفیل تھا اب چار پانچ سو عرب سپاہی بھی نہیں رکھ سکتا۔ (۱۲)

کیچ سے سفر کرتا ہوا پوٹنجر پنجگور پہنچ گیے۔ پنجگور کے متعلق پوٹنجر لکھتے ہیں کہ یہ پہاڑوں کے درمیان ایک وادی ہے جس میں بارہ یا تیرہ کے قریب خیمہ دار گاؤں ہیں۔ پنجگور کی کھجوریں مکران میں بہترین سمجھی جاتی ہیں۔ یہاں کا حاکم خان قلات میر محمود خان کا بھتیجا رحمت اللہ خان ہے۔ لیکن وہ بھی کیچ کے حاکم کی طرح داخلی طور پر خود مختیار ہے۔ اس کی سالانہ آمدنی بیس ہزار روپیہ ہے۔ پنجگور سے سفر کرتا ہوا پوٹنجر مکران کے ان علاقوں میں گیا جو موجودہ وقت میں ایران کے زیرِ دست ہیں۔ ان علاقوں کے احوال بھی اس کے سفرنامے میں شامل ہیں۔ مکران کے باسیوں کے متعلق پوٹنجر نے انتہائی تعصب سے کام لیا ہے۔ ان کے خیال کے مطابق ساحلِ مکران کے باسی زیادہ تر سیاہ جلد رکھنے والے اشخاص پر مشتمل ہیں جس کی وجہ یہاں کے باسیوں کی عربوں اور مسقط کے باشندوں کے ساتھ باہمی شادیاں ہیں۔ مکران کی عورتوں کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ بہت بدنما ہوتی ہیں اور ان کی بے وفائی ضرب المثل ہے۔ (۱۳)

مکران یاترا کے بعد ۲۷ جون ۱۸۱۰ء میں پوٹنجر خراسان سے ہوتا ہوا اصفہان پہنچ گیا۔ یہیں کرسٹی، پوٹنجر سے آ کر ملتے ہیں۔ اس کے بعد دونوں اپنے سفر کی روئیداد جان میلکم کی گوش گزار

کرتے ہیں۔ اس ملاقات بعد ۳۱ اکتوبر ۱۸۱۲ء کو فارس میں کرسٹی کے کیمپ پر روسی سپاہیوں نے حملہ کیا اور وہ اس حملے میں مارا گیا۔ کرسٹی نے اپنے پیچھے ایک مختصر سی یادداشت چھوڑی جسے پوٹنجر نے اپنی کتاب کے آخری حصے میں شامل کیا۔

ہنری پوٹنجر کا سفرنامہ بلوچستان اس کے پیشرو گرانٹ کے سفرنامے سے یکسر مختلف ہے۔ گرانٹ نے مکران پر جس یورپی حملے کا خدشہ ظاہر کیا تھا وہ محض ایک افواہ ثابت ہوا۔ کیونکہ خطہ مکران میں سب سے اہم چیز پانی ہے، جس کی نایابی کو پوٹنجر نے اپنے سفرنامے میں ہر جگہ بیان کیا۔ اسی بنیاد پر وہ اس نتیجے پر پہنچے کہ مکران کے راستے سے کسی قسم کی بھی یورپی مہم جوئی ناکامی سے دوچار ہوگی۔

فرانسیسی طاقت کا مکران کے حوالے منظرِ عام سے ہٹنے کے بعد برٹش انڈین گورنمنٹ کی اس علاقے سے دلچسپی ختم ہو گئی، ماسوائے ان مہموں کے جن کا مقصد مکران کی سمندری حدود کی پیمائش تھی۔ اس ضمن میں سن ۲۹-۱۸۲۸ء میں کیپٹن برکس کو گوادر کے مغربی ساحل اور لیفٹیننٹ صمیز کو برطانوی جہاز بنارس (Benares) کے ذریعے مکران بھیجا گیا۔ (۱۴)

اگرچہ فرانس یورپ کے اندرونی معاملات میں الجھ چکا تھا جس کی وجہ سے اس نے ہندوستان پر قبضہ کرنے کا خیال ترک کر دیا، لیکن برٹش انڈیا کے پڑوس میں ایک اور طاقت نے سر ابھارنا شروع کیا جو کہ ساحلِ مکران کے گرم پانیوں کی طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ نئی طاقت زاروں کی تھی جس کی بڑھتے ہوئے اثر و رسوخ سے پہلی اینگلو افغان جنگ کا آغاز ہوا۔ جو کہ ۱۸۳۹ء سے ۱۸۴۲ء تک جاری رہی۔

حاجی عبدالنبی کابلی کا سفرنامہ مکران (۱۸۳۸ء تا ۱۸۳۹ء)

پہلی افغان جنگ سے زاروس اور تاج برطانیہ کے درمیان "گریٹ گیم" کا آغاز ہوا۔ اس گریٹ گیم کا مرکز افغانستان تھا جہاں دونوں طاقتیں غلبہ حاصل کرنے پر تلی ہوئی تھیں۔ چونکہ سرزمین بلوچستان افغانستان اور برطانوی ہند کے درمیان ایک بفر ریاست کے طور پر آتا تھا لہٰذا بلوچستان بھی ان بڑی طاقتوں کی رسہ کشی سے بچ نہ سکا۔ اسی زمانے میں جب لیفٹیننٹ رابرٹ لیچ (Robert Leech) (۱۸۱۳ء-۱۸۴۵ء) خان قلات میر محراب خان کے دربار میں تھا تو حاجی عبدالنبی کابلی نامی ایک تاجر اس کے پاس آیا۔ وہ اپنا اونٹ اس کے ہاتھ فروخت کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس نے سنا تھا کہ لیفٹیننٹ کو اونٹ درکار ہیں۔ حاجی کے اطوار اور مختلف زبانوں پر اس کی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

حاجی عبدالنبی نے اپنے پرانے تعلقات اور چرب زبانی سے مقامی حاکموں پر اپنے تاثر ہونے کا ڈھونگ کامیابی سے رچایا۔ وہ اپنے مقاصد میں کامیاب رہا اور اس سفر نامہ کی تفصیلی رپورٹ نے انگریزوں کو مکران میں مستقبل میں ہونے والی مہموں میں کافی مدد کی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان افغانوں جنہوں نے تاریخ کے ہر دور میں خواتین قلات اور بلوچوں کو نا قابل تلافی نقصان پہنچایا ان کو بلوچ معاشرے میں کیوں کر تسلیم کیا جاتا رہا۔ اس کا جواب بلوچوں کی تعلیم سے بیگانگی تھی اور چونکہ اس زمانے میں دفتری امور فارسی میں انجام دئے جاتے تھے۔ جن میں یہ اخوند زادے اور ملا ماہر تھے۔ لہٰذا وہ مذہبی دھونس کا سہارا لے کر سادہ لوح بلوچوں کو اپنے جال میں پھانس لیتے تھے۔ اور جب بھی ان کو موقع ملتا وہ اپنے مفادات کی خاطر ان سے دل کھول کر بدلہ لیتے اور یہ صرف حاجی عبدالنبی پر منحصر نہ تھا بلکہ تمام افغانوں نے بلوچوں کے ساتھ یہی روش اپنایا۔

حوالہ جات:

1- Grant, N.P. (1839) Journal of a route through the western parts of Makran. Journal of the Royal Asiatic Society. London. vol V. p 328

۲-ایضاً صفحہ نمبر ۳۲۰

3- Nicolini, B. (2004) Makran, Oman and Zanzibar: Three-Terminal Cultural. p 7

4-Grant, N.P. (1839) p. 329

5- Salzman, P.C. (1971) Adaptation and Political Organization in Iranian Baluchistan, Ethnology, vol-X(4) pp 433-444

6- Grant N.P. (1839) opt. quoted. p 333. Pottinger H. (1816) Travels in Beloochistan and Sinde. London . pp 168-177

7- Grant, N.P (1839) opt. quoted p 340

۸-ایضاً صفحہ نمبر ۳۴۱

9- Nicolini, B. (2004) footnote, p 13

۱۰-پوٹنجر، سفر نامہ بلوچستان وسندھ، صفحہ نمبر ۷-۱۳۰

10- Pottinger H. (1816) opt. quoted pp. 7-130

۱۱-ایضاً صفحہ نمبر ۳۰۰-۳۰۱

۱۲-ایضاً صفحہ نمبر ۳۰۴

۱۳-ایضاً صفحہ نمبر ۳۰۵-۳۰۷

14- Nicolini, B. (2004), opt. p18

15- Leech, R. (1844). Notes taken on a Tour through parts of Baluchistan in 1838 and 1839 by Hajee Abdun Nabee, of Kabal. Arranged and translated by Major Leech. Journal of the Asiatic Society of Bengal. CLIII- CLIV. London. pp 667-707

باب شانزدھم

انگریز دور (حصہ دوم)

گولڈ اسمڈ، سنڈیمن دور ۱۸۴۰ عیسوی تا ۱۸۹۲ عیسوی

انگریز جاسوسوں کے بھیجے گئے مراسلوں نے برٹش انڈیا سرکار کے حوصلے بلند کئے اور ۱۸۳۲ء میں انہوں نے آبی تجارت اور سفری مقاصد کے تجویز پر غور شروع کیا۔ اس ضمن میں انگریز سرکار نے سندھ کے تالپور بلوچ حکمرانوں اور پنجاب کے مہاراجہ رنجیت سنگھ سے مذاکرات کئے۔ اس طرح کپٹن برنس (Capt. Burnes) کو امیر دوست محمد خان کے پاس کابل بھیجا گیا تا کہ وہ اس کو مذاکرات کے لئے آمادہ کر سکے۔ افغانستان کے ساتھ انگریزوں کے معاہدے کھٹائی میں پڑ گئے کیونکہ انہوں نے پشاور کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ جب انگریزوں نے دیکھا کہ دوست محمد خان کسی بھی طریقہ سے معاہدہ کرنے راضی نہیں ہے تو انہوں نے جلاوطن افغان شہزادہ شاہ شجاع کو افغانستان میں اس کی حکومت کی واپسی کی یقین دہانی کے وعدہ پر اس کے ساتھ مذاکرات کئے اور معاہدہ کر لیا۔ اس زمانے میں افغان شہزادہ پنجاب کے شہر لدھیانہ میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔(۱)

ان مذاکرات میں شاہ شجاع کے علاوہ مہاراجہ رنجیت سنگھ بھی شامل تھے۔ اس طرح اس سے فریقی مذاکرات کے نتیجے میں جلاوطن شہزادہ شاہ شجاع پشاور کے حق ملکیت سے دست برداری کے ساتھ ساتھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو قندھار اور کابل پر اس کے قبضے کے بعد خراج دینے پر راضی ہوئے۔ مذاکرات کے بعد رنجیت سنگھ اور انگریز سرکار شاہ شجاع کی تخت کی واپسی کے لئے اس کی مدد کرنے کے لئے راضی ہوئے۔ انہوں نے اس ضمن میں آرمی آف انڈس کو امیر دوست محمد کی سرکوبی کے لئے کابل بھیجا۔ انگریز چاہتے تھے کہ کابل پر حملہ کرنے سے پہلے وہ راستے میں آنے والے ریاستوں کے حاکموں کو بھی مذاکرہ پر راضی کر سکیں تا کہ انگریزی لشکر بغیر کسی رکاوٹ کے افغانستان جا سکے۔ اس ضمن میں انہیں خان قلات میر محراب خان جو کہ میر محمود خان اول کے وفات کے بعد تخت پر فائز ہوا تھا، سے خطرہ تھا۔ لہذا انہوں نے برنس کو اس مقصد کے لئے قلات بھیجنا چاہا۔ برنس اپنی بیماری کی وجہ سے قلات نہ جا سکے لیکن انہوں نے اپنے نائب کے طور پر لیفٹیننٹ لیچ کو قلات بھیجا۔ اس کو ابتدائی طور پر کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ محراب خان نے درہ بولان سے انگریزی لشکر کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

طرح سے پنجاب کی سکھ حکومت، خوانین قلات، افغانستان اور ایران براہ راست برطانوی حکومت کے زیر اثر ہونگے۔ جنہیں بوقت ضرورت زار روس کے توسیع پسندانہ عزائم کے خلاف ہندوستان کے دفاع میں موثر طور پر استعمال میں لایا جاسکے گا۔(۵)

انگریزوں نے ریاست قلات میں کم وبیش دونوں پالیسیاں جاری رکھیں۔ ۱۸۵۴ء-۱۸۷۲ء کو ''کلوزڈ ڈور پالیسی'' کا دور کہا جاسکتا ہے۔ اس دور میں انگریزوں کی پالیسی یہ رہی تھی کہ بلوچستان میں اس طرح کا کوئی بھی عسکری طاقت سر اٹھا نہ سکے جو کہ ان کے مفادات کو نقصان پہنچا سکتی ہو۔ اس دور میں خان قلات اگر چہ بلوچستان کا قانونی حکمران تھا لیکن اس کی حیثیت انگریزوں کے باجگزار سے زیادہ نہ تھی۔ انگریز نہیں چاہتے تھے کہ خان طاقتور ہو جائے لہذا انہوں نے سرداروں کو شہہ دینا شروع کیا اور وہ آئے دن خان کے خلاف بغاوت کرتے رہے اور ان کی سرکوبی کے لئے خان کو انگریزی سرکار کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ اگر خان ان چھوٹے چھوٹے فروعی مسائل کے حل کے لئے انگریزوں کی طرف رجوع نہ بھی کرتے تو معاہدے کی رو سے انگریز ان کی ریاست میں امن وامان قائم کرنے کی خاطر فوج کشی کرنے کے لئے بااختیار تھے۔ اس طرح انگریزوں نے نصیر خان دوئم (۱۸۴۱ء-۱۸۵۷ء) اور خداداد خان (۱۸۵۷ء-۱۸۹۳ء) کی حکومت کو قائم رکھنے میں ہر طرح سے ان کی مدد کی۔(۶)

اس ضمن میں انگریزوں نے ۱۸۴۰ء میں مری بلوچوں کی سرکوبی میں خان کی مدد کی۔ اس کے علاوہ ۱۸۴۵ء میں بگٹیوں، ۱۸۷۳ء میں سردارانِ سراوان کی خلاف فوجی مہم میں انگریزوں نے خان کا ساتھ دیا۔ بالائی سندھ کے علاقے میں موجود انگریز اہلکاروں کی کوشش رہی تھی کہ وہ سندھ اور بلوچستان کے سرحد پر واقع بلوچ قبائل کی خان کے خلاف کسی قسم کی بغاوت کو کچل دیں۔ مثلاً سرکار کی طرف سے ان تمام افراد کے لئے نقد انعام رکھا گیا جو کہ سندھ کی سرزمین پر قدم رکھنے والے بگٹی قبیلے کے افراد کو ان کے حوالے کریں گے۔

۱۸۷۲ء کے بعد انگریزوں نے جب یہ محسوس کیا کہ خان قلات اور سرداروں کے مابین تنازعات سے ممکن ہے زار روس فائدے اٹھانے کی کوشش کرے جس کے نتیجے میں وہ بلوچستان میں اپنے قدم جمانے میں کامیاب ہوگا۔ اس خطرہ کو مد نظر رکھتے ہوئے انہوں نے سرداروں اور خان کے مابین ہونے والے تنازعات کو حل کرنے کے لئے براہ راست مداخلت کرنے کا فیصلہ کیا۔ اگر چہ بالائی سندھ میں تعینات انگریز عملداروں نے اس فیصلے کی سخت مخالفت کی لیکن ان کی ایک نہ چلی، اور برطانوی سرکار نے ''فارورڈ پالیسی'' پر عمل درآمد کرنے کا فیصلہ کرلیا تا کہ وہ اس

علاقے میں سرداروں اور خان کو راضی کر کے امن وامان قائم کرسکیں۔ اس ضمن میں سنڈیمن نے بلوچوں کے چیدہ چیدہ سرداروں سے ملاقات کی اور انہیں اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ خان کے ساتھ اتحاد کرلیں اور آئندہ اس ضمن میں پیدا ہونے والے کسی بھی تنازعہ کو حل کرنے کے لئے انگریز سرکار بطور ضامن شریک ہوگا۔ اس طرح خان اور انگریزوں کے مابین ۱۸۷۶ء میں مستونگ میں معاہدہ طے پایا، جس کی بلوچستان کی سیاسی تاریخ پر دور رس اثرات مرتب ہوئے۔

انڈو یورپین ٹیلی گراف لائن اور مکران

اگر چہ کلوزڈ بارڈر اور فارورڈ پالیسیوں کے نتیجے میں افغانستان اور بلوچستان پر انگریزوں نے اپنی بالادستی قائم کرلی لیکن فارس ابھی تک ان کی بالادستی کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ ایران افغانستان کے علاقے ہرات کی حق ملکیت کا بھی دعوے دار تھا۔ انگریزوں نے قلات اور مسقط کے اتحادیوں کی مدد سے ۱۸۵۶ء تا ۱۸۵۷ء کے انگلو پرشین جنگ میں فارس کو شکست دی اور انہیں اس بات پر مجبور کیا کہ وہ پیرس امن معاہدہ ۱۸۵۷ء پر دستخط کریں جس کی رو سے فارس کو ہرات کے حوالگی کے مطالبے سے دست بردار ہونا پڑے گا۔ اگر چہ ہرات کے معاملے کو ہمیشہ کے لئے ختم کیا گیا لیکن برطانوی ہند نے فارس کے بلوچستان کے علاقوں پر اس کے قبضے کو در خور اعتنا نہیں سمجھا اور انہیں فارس کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا گیا۔ انگریزوں کی یہ بے اعتنائی بلوچوں کو کافی مہنگی پڑی۔(۷)

قاچار حکمرانوں کی نظریں عرصہ دراز سے مکران پر لگی ہوئی تھیں۔ سب سے پہلے ۱۸۳۴ء میں انہوں نے بمپور کے آزاد بلوچ حاکم کو شکست دی اور بمپور کے علاقے کو فارس میں شامل کرلیا۔ ایرانی محقق مجتعد زادہ کے مطابق فارس نے بمپور کو ۱۸۴۵ء میں اپنے قلمرو میں شامل کیا۔(۸)

بمپور پر قبضے اور انگریزوں کی مکران میں عدم دلچسپی نے قاچاروں کے حوصلے بڑھائے اور انہوں نے دس سال بعد کرمان کے حاکم اقا خان مہالئی کو بھی شکست دے کر کرمان کو قاچار قلمرو میں شامل کرلیا۔ اس طرح قصر قند (کسر کند) اور گہہ بھی ۱۸۴۰ء کے دھائی میں فارس کے قبضے میں آئے۔ ان علاقوں پر قبضہ کرنے سے قاچاروں کے مکران پر ان کے توسیع پسندانہ نظریے کو تقویت ملتی ہے۔ جب کرمان قاچاروں کے قبضے میں چلا گیا تو انہوں نے مرزا ابراہیم خان کو اس کا گورنر مقرر کیا۔ کرمان پر قبضہ کے بعد ابراہیم خان نے گہہ اور قصر قند کے علاوہ دزک، باہو اور سرباز کو بھی اپنے قبضے میں لے لیا۔ جب انگریزوں نے دیکھا کہ مغربی مکران کے علاقے یکے بعد دیگرے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

سلطان سے چھین لیا تھا جو کہ اس زمانے میں فارس کے حلیف تھے۔ اس طرح میر عبداللہ گچکی انگریزوں کے مطابق اس پوزیشن میں نہ تھے کہ ان کے ساتھ براہ راست مذاکرات کئے جاتے۔ اگر انگریز اس معاملے پر قاچار حکمرانوں کے ساتھ مذاکرات کرتے تو اس بات کو میر عبداللہ کسی بھی صورت میں پسند کرنے کے لئے تیار نہ تھے۔ (۱۳)

اسی طرح اگرچہ گوادر اور چاہبار کے علاقے مسقط کے زیر اثر تھے لیکن گوادر سے پرے اور چاہبار تک کے علاقوں کا حقیقی حاکم باہودشتیاری کے جدگال تھے۔ اس طرح ایک طرف فارس کے قاچار اور مسقط کے حاکم تھے تو دوسری جانب ان علاقوں کے خودمختیار بلوچ حاکم تھے۔ نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن کے مصداق انگریزوں کے لئے یہ کھٹن اور پریشان کن معاملہ تھا۔ اگر وہ قاچاروں کو خوش کرتے تو بلوچ اور مسقط ناراض ہوتے اور اگر وہ بلوچوں کی حاکمیت تسلیم کرتے تو اس بات کو قاچار کسی بھی صورت میں تسلیم کرنے کو تیار نہ تھے۔ اس صورت حال کو قاچار ایران کی ۱۸۵۰ء کی دہائی سے مکران میں اس کے توسیع پسندانہ عزائم نے ایک اور مشکل صورت حال سے دوچار کیا ہوا تھا۔ قاچاروں نے یکے بعد دیگرے بمپور سے لے کر سرباز تک کے علاقے اپنی قلمرو میں بزور طاقت شامل کر لئے اور وہ نذر آباد کے قریب پہنچ گئے اور لگتا تھا کہ کیچ بھی خان قلات کے ہاتھ سے چلا جائے گا۔ اسی طرح قاچاروں نے دزک کا قصبہ بھی خاران کے نوشیروانی حاکم سے چھین لیا تھا۔ ان حالات میں ہیجر نے برطانوی ہند کے مقتدرہ کو مشورہ دیا کہ وہ مکران کے خطے کے لئے مشکل ترین فیصلوں کے لئے تیار رہے۔ (۱۴)

ہیجر کے مراسلوں کے بعد انگریزی سرکار ذہنی طور پر اس بات کے لئے تیار ہو گئے کہ وہ قاچار کے ان علاقوں پر دعوے جو کہ انہوں نے حال ہی میں قبضے میں لئے تھے تسلیم کیا جائے گا اور اس کے ساتھ ساتھ مکران کے خودمختار بلوچ حکمرانوں کی حق حاکمیت کو بھی تسلیم کر کے ان علاقوں میں ٹیلی گراف لائن بچھانے کا کام جلد از جلد شروع کر دیا جائے گا۔ انگریزوں کو یقین تھا کہ قاچار اس منصوبے کی مخالفت نہیں کریں گے کیونکہ اس کی وجہ سے مکران کے مختلف علاقوں پر ان کے قبضے کو جائز قرار دیئے جانے کی توقع ہے اور دوسری جانب بلوچوں سے وہ اس لئے مطمئن تھے کہ اگر وہ برطانوی سرکار کے زیر اثر آئیں گے تو انہیں قاچاروں (گجروں) سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں ہوگا۔ ان دونوں محاذوں سے اطمینان حاصل کرنے کے بعد بھی سرکار نے تہران میں انگریزی سفیر چارلس الیسن (Charles Alison) کو حکم دیا کہ وہ اس ضمن میں قاچاروں کے ساتھ مذاکرات کرے۔ (۱۵)

برٹش انڈین گورنمنٹ نے بھی سرکار کی بات مان لی۔ لیکن انہوں نے اسے ہوشیار کیا کہ الیسن کو خبردار کریں کہ وہ مکران کے بلوچ حاکموں کے حوالے سے قاچاروں کو کچھ نہ بتائیں کیونکہ اس سے ممکن ہے کہ وہ اس بات کی چھان بین کریں گے کہ جن سرداروں کے ساتھ انگریزوں کے مذاکرات ہو رہے ہیں، وہ کس نوعیت کے ہیں وغیرہ۔ اس کے برعکس برطانوی حکومت نے الیسن کو لکھا کہ وہ اس بات کی چھان بین کرے کہ فارس کا یہ دعویٰ کس حد تک درست ہے جو وہ مکران کی حق ملکیت پر عرصے سے کرتا چلا آ رہا ہے نیز یہ بھی معلوم کرے کہ بلوچ حاکموں کا قاچاروں کے متعلق کس قسم کے خیالات ہیں۔ اس ضمن میں وائسرائے ہند نے قاچار، مسقط اور قلات کے والیان کو خطوط ارسال کئے جس میں مقامی بلوچ حاکموں کے نام لئے بغیر ان کے قلمرو میں آنے والے علاقوں میں سے گزرنے والے ٹیلی گراف لائن کی تعمیر میں تعاون کی اپیل کی تھی۔ (۱۶)

ان سفارتی مراسلوں کی وجہ سے وقت کی ضیاع کو مدنظر رکھتے ہوئے وائسرائے ہند نے بھی گورنمنٹ کو مشورہ دیا کہ ان علاقوں کی نشاندہی کی جائے جو کہ خودمختار بلوچوں کے زیر اثر ہیں اور ان کے ساتھ براہ راست مذاکرات کئے جائیں۔ قاچار حکمرانوں کے ساتھ صرف ان علاقوں کے حوالے سے مذاکرات کیا جائے جو کہ ان کی دسترس میں ہیں اور ان علاقوں پر مذاکرات نہ کئے جائیں جن پر ان کا دعویٰ ہے کہ یہ ان کے علاقے تھے جو کہ اب خودمختار ہوئے۔ اس کام کے لئے گولڈاسمڈ سے بڑھ کر کوئی اور شخص اہل نہ تھا لہٰذا اس کے ذمہ یہ مشکل ترین کام سونپا گیا۔ بارہ دسمبر ۱۸۶۱ء کو گولڈاسمڈ اور رونالڈ کیمپبل کراچی سے روانہ ہوئے۔ حب کے مقام پر رئیس رحمت اللہ ان سے جا ملے، رئیس رحمت اللہ جو کہ خان قلات کے نمائندگی کر رہے تھے، انہوں نے گولڈاسمڈ کو خان قلات کا فرمان دکھایا جس کی رو سے ریاست قلات کے زیر اثر ساحل مکران کے تمام سرداروں کو انگریز سروے پارٹی سے تعاون کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ اس طرح سے خان نے انگریزوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا۔

سروے پارٹی نے اپنا کام دو ماہ میں مکمل کر لیا اور پانچ فروری ۱۸۶۲ء کو گولڈاسمڈ واپس کراچی آیا۔ اس نے ٹیلی گراف لائن بچھانے کے لئے کراچی سے گوادر تک جس راستے کی تجویز دی، وہ حب ندی، سونمیانی، بڈو، چار، پور، موکی، سنگال، اگور (ھنگول)، ھاریان، شیر کمب، گڈگرب، منھاجی، اور ماڑہ، بسول، کنگاری، مندری، کنڈی شور (کنڈا سول)، پسنی، گرانی، کلمی، لاکری، برامیاب اور دیگر علاقوں پر مشتمل تھا۔ کراچی سے گوادر تک ٹیلی گراف لائن کی کل لمبائی ۳۹۲ میل تھی۔ ٹیلی گراف لائن کے حدود تعین کرنے کے ساتھ ساتھ سروے پارٹی نے مکران کی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

اس طرح سے انڈو یورپین ٹیلی گراف لائن کی جو صورت بنی وہ کچھ یوں ہے۔ کراچی کو گوادر یا چاہبار تک زمینی راستے سے ٹیلی گراف لائن سے جوڑا جائے گا۔ اس کے بعد مسقط کے ساحلی علاقے باتینا کو زیر سمندر کیبل کے ذریعے گوادر یا چاہبار سے جوڑا جائیگا۔ باتینا سے راس الخیمہ، راس الخیمہ سے کویت یا بحرین کو سمندر کے راستے لائن کے ساتھ جوڑ کر ٹیلی گراف لائن کو عراق تک پہنچایا جائیگا۔ انگریزوں کو یقین تھا کہ جس طرح بلوچ قبائل کے ساتھ ان کو مذاکرات کرنے میں کسی قسم کے مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا اسی طرح عین ممکن ہے کہ عرب قبائل کو بھی بغیر کسی دقت کے ٹیلی گراف لائن کے حوالے سے مدد کے لئے آمادہ کیا جائیگا۔ خیال رہے کہ ۱۸۶۲ء تک ٹیکنالوجی اتنی ترقی نہیں کر چکی تھی کہ زیر سمندر ٹیلی گراف کیبل کو بغیر کسی دقت کے بچھایا جائے اور اس ضمن میں بہت ساری کوششیں پہلے ہی سے ناکامی کا شکار ہوگئی تھیں۔ لہذا انگریزی سرکار فارس کو راضی کرنے میں اپنی پیش رفتوں سے مکمل طور پر دست بردار نہیں ہوا بلکہ اس سلسلے میں مختلف وفود کو ایسن کی مدد کے لئے تہران بھیجتے رہے لیکن اپریل ۱۸۶۲ء کو یہ مذاکرات مکمل طور پر ناکام ہوئے۔

۱۵ اگست ۱۸۶۲ء میں بمبئی سرکار نے مکران میں ٹیلی گراف لائن پر جاری کام کو روک دیا کیونکہ قاچار اپنے مطالبات سے دست برداری کے لئے کسی بھی طور پر لچک کا مظاہرہ نہیں کر رہے تھے اور اس ضمن میں ہونے والے اخراجات بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ لیکن مکران ٹیلی گراف کے ذمہ داروں نے بمبئی گورنمنٹ کے احکامات کو مکمل نظر انداز کر دیا کیونکہ گوادر تک کام تقریباً مکمل ہونے کے قریب تھا اور وہ اس ضمن میں اٹھنے والے اخراجات کے بعد اب اس سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ تھے۔

قاچاروں کی نئی حکمت عملی

جب قاچار حاکم نصیر الدین شاہ نے دیکھا کہ انگریز اس کی چال میں نہیں آئے بلکہ انہوں نے فارس سے مذاکرات میں معذوری ظاہر کی، تو اس نے مکران پر قبضے کو جائز ثابت کرنے کے لئے دوسرا چال چلا۔ مارچ ۱۸۶۳ کے پہلے ہفتے میں تین سو سواروں، توپ اور دیگر سامان حرب کے ساتھ ابراہیم خان سرہنگ جو کہ کرمان کا گورنر تھا، کی سرکردگی میں قاچاری لشکر چاہبار پر حملہ آور ہوئے۔ اپنے مراسلے میں ابراہیم سرہنگ نے والی چاہبار میر عبداللہ کو اس بات پر مجبور کیا کہ وہ ٹیلی گراف لائن کے سلسلے میں انگریزوں سے کسی بھی قسم کا کوئی مذاکرہ نہ کریں اور انگریزوں کے خلاف جنگ میں قاچاروں کا ساتھ دیں۔ اگر وہ ان احکامات کی تعمیل کرنے سے قاصر ہیں، تو وہ چاہبار کو

بزور طاقت لے گا۔

میر عبداللہ ایک کمزور حاکم تھا، اس میں ابراہیم سرہنگ سے مقابلہ کرنے کی سکت نہیں تھی۔ لہذا انہوں نے تابعداری قبول کر لی اور وعدہ کیا کہ وہ چاہبار سے ٹیلی گراف لائن گزرنے نہیں دیں گے۔ (۲۱)

اسی دوران ابراہیم سرہنگ نے اپنی فوج کو گوادر کی جانب روانہ کر دیا تا کہ وہ یہ معلوم کر سکے کہ آیا ٹیلی گراف لائن گوادر تک پہنچی ہے کہ نہیں۔ اسی دوران ابراہیم سرہنگ ایک مراسلہ میں سید توینی بن سلطان سعید کو لکھتے ہیں کہ اگرچہ بندر عباس اور چاہبار مسقط کے تحویل میں ہیں لیکن چونکہ یہ علاقے ساحل مکران پر واقع ہیں لہذا یہ فارس کے قلمرو میں شامل ہیں۔ چنانچہ ٹیلی گراف لائن کے لئے اجازت دینے سے پیشتر انہیں فارس کو اعتماد میں لینا ضروری تھا۔ ابراہیم سرہنگ آگے چل کر مسقط کو باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ چونکہ انہوں نے اس ضمن میں فارس سے مشاورت کے بغیر ٹیلی گراف لائن کی اجازت دی تھی لہذا وہ اس کام کو روکنے میں اس کی مدد کرے اور اگر وہ اس حکم پر عمل درآمد سے معذور ہیں تو ابراہیم سرہنگ خود ایک بڑے لشکر کے ساتھ حملہ آور ہوگا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ وہ از خود اس سلسلے میں قدم اٹھا رہے ہیں اور قاچار حاکم کا ان احکامات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ابراہیم خان نے اپنے ان اقدامات کا جواز یہ بتایا کہ چونکہ یہ علاقے فارس کے زیر نگیں ہیں لہذا ان علاقوں سے مالیہ حاصل کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔ (۲۲)

جب سید توینی کو ابراہیم سرہنگ کا مراسلہ ملا تو انہوں نے مسقط میں انگریز پولیٹکل ایجنٹ کیپٹن ہربرٹ ڈسبرو (Herbert Disbrowe) سے رابطہ کیا کہ وہ اس ضمن میں کیا کہتے ہیں۔ آیا مسقط کی فوج کو چاہبار بھیج کر ابراہیم سرہنگ کو اس کے عمل سے باز رکھا جائے یا یہ کہ اس کی سرکوبی کے لئے انگریزی فوج بھیجی جائے؟ ڈسبرو نے مسقط کے والی کی حالت زار کے متعلق مینسفیلڈ کو لکھا کہ اس صورت حال کا اگر ابھی سے قلع قمع نہ کیا گیا تو آگے چل کر ٹیلی گراف لائن کے منصوبے کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات سے اچھی طرح واقف تھا کہ ابراہیم سرہنگ از خود اتنا قدم نصیر الدین قاچار کے آشیر باد کے بغیر نہیں اٹھا سکتا لہذا اس کے ان اقدامات کو قاچار کی تائید ضرور حاصل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ڈسبرو فارس کے لوگوں کے مزاج سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ ابراہیم سرہنگ کی باتیں گیدڑ بھبکی سے زیادہ کچھ نہیں ہے لہذا انہوں نے اسے دو خور اعتناء نہیں سمجھا۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے سید توینی کو خبردار کیا کہ مسقطی سپاہ کو گوادر یا چاہبار بھیجنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ابراہیم سرہنگ ان علاقوں پر قبضہ کر لیتا ہے تو کم از کم جنگ کی صورت حال سے بچا جا سکے گا۔ جنگ کے نتیجے میں فارس اور امام مسقط

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

قریب پہنچی تو شیر دل خان نے ان پر خنجر سے پے در پے وار کئے اور شیر دل کے ملازمین نے بھی اس حملے میں ان کا ساتھ دیا۔ خان خداداد خان کے ساتھ تیس چالیس نفر بھی تھے لیکن وہ سب حواس باختہ ہو کر بھاگ گئے۔ ان میں سے صرف چند نے اس قدر حوصلہ کیا کہ وہ زخمی خان کو شہر کے اندر پہنچانے میں کامیاب ہو گئے۔ اس طرح شیر دل خان نے سرداران سراوان اور جہلاوان کو اپنے ساتھ لے کر قلات کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ (۲۶)

جب خداداد خان پر قاتلانہ حملے کی خبر مکران پہنچی تو فقیر محمد بزنجو، دوست محمد گچکی اور آزاد خان نوشیروانی خوشی کے شادیانے بجاتے ہوئے قلات روانہ ہوئے۔ دوسری طرف کرمان میں قاچاروں کے نمائندے ابراہیم سرہنگ نے چاہا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ انہوں نے مکران اور خاران کے سرداروں کو مدد فراہم کرنے کی پیش کش کی تاکہ وہ انڈو یورپین ٹیلی گراف لائن کے حوالے سے ان کی مدد کر سکیں۔ ٹیلی گراف لائن کے انچارج والٹن مکران کے حالات کا سنجیدگی سے جائزہ لے رہے تھے۔ والٹن یہ سمجھ بیٹھا کہ مکران کے مقامی سردار برٹش گورنمنٹ کی پناہ میں آنا چاہتے تھے اور اگر اس صورت حال میں انہیں پناہ نہ دی گئی تو وہ فارس کی طرف رجوع کریں گے۔ والٹن کے خیال کے مطابق سرداروں کی انگریزوں کی طرف رجوع کرنے کی وجہ غالباً سالانہ پچاس ہزار روپے کی امداد ہو گی جو کہ خان قلات کو ملا کرتا تھا۔ والٹن اس بات کا مخالف تھا کہ برطانوی فوج کو اس وقت مکران بھیجا جائے۔ البتہ ان کا خیال تھا کہ انہیں رندوں اور فارس کے دراندازوں کی سرکوبی کے لئے اگر استعمال کیا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اگر انگریزی فوج گوادر کو اپنے قبضے میں لے تو اس عمل کے نتیجے میں انہیں مقامی بلوچ سرداروں کی ناراضگی مول لینی پڑے گی۔ (۲۷)

برٹش گورنمنٹ چاہتا تھا کہ وہ گوادر میں انگریزی فوج کے مستقل قیام کا بندوبست کرے تا کہ وہ مکران سے گزرنے والی ٹیلی گراف لائن کی حفاظت کی ذمہ داری لے۔ اس کے ساتھ ساتھ گوادر میں انگریزی فوج کی موجودگی سے مقامی لوگوں کے حوصلے بلند ہونگیں اور انہیں ابراہیم سرہنگ کے آئے دن کے حملوں سے بھی نجات ملے گی۔ اگرچہ ابراہیم سرہنگ کے حوالے سے انگریزوں کا خیال تھا کہ وہ مسقط کے زیر انتظام ساحل مکران کے علاقوں پر قبضہ کرنے کی جرات نہیں کریں گے کیونکہ جب مسقط برطانوی طاقت کے زیر اثر نہیں تھا تب بھی قاچاروں میں اتنی ہمت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ ان علاقوں پر قبضہ کر سکیں اب جبکہ مسقط، برطانیہ کے زیر اثر ہے اور ہرات کے معاملے میں فارس کے ہزیمت آمیز شکست کے زخم ابھی تک تازہ ہیں۔ ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے وہ اس قسم کی جرات نہیں کر سکیں گے۔ ۱۳ اپریل ۱۸۶۳ء میں انگریز گورنمنٹ نے سو کے

قریب پولیس اہلکاروں کو گوادر بھیجا، جن کے ذمے ٹیلی گراف لائن کی حفاظت کرنا تھا۔ (۲۸)

دوسری جانب مکران کے نائب فقیر محمد بزنجو ایک زیرک شخص تھے۔ جب اس نے دیکھا کہ انگریز ابھی تک خداداد خان کے برعکس شیر دل خان کی حمایت سے گریزاں ہیں تو اس نے موقعہ محل کو بھانپ کر شیر دل خان سے کنارہ کشی اختیار کر لی۔ دوسری جانب گنداوہ میں مقیم خداداد خان کے زخم بھی کسی قدر بھر گئے تو وہ براستہ مولہ خضدار آئے۔ خضدار میں جب اسے دوبارہ قلات پر قبضے کا کوئی موقع نہ ملا تو سردار فقیر محمد بزنجوان کی امداد کو آن پہنچا اور اسے لیکر مکران آیا۔ خداداد خان کیچ کے علاقے نذر آباد میں شیر دل کے مختصر دور حکومت میں آرام کرتا رہا۔ یہاں تک شیر دل خان کو اس کے ذاتی محافظ نے مئی ۱۸۶۴ء میں موت کے گھاٹ اتار دیا اور اسی طرح خان خداداد خان دوبارہ قلات کے مسند پر بیٹھ گیا۔

ٹیلی گراف لائن کی تکمیل

اگرچہ فارس کی طرف بدرجہ اتم کوشش کی گئی تھی کہ کسی بھی طریقے سے ٹیلی گراف لائن مکران سے گزرنے نہ پائے کیونکہ اس کی تکمیل کے نتیجے میں ان کا مکران پر مطالبہ کمزور پڑ جائے گا۔ انگریزی سرکار نے ان تمام رکاوٹوں کو عبور کر کے مئی ۱۸۶۳ء میں ایک مقامی ٹھیکیدار جیون کریم کو اور ماڑہ، پسنی اور گوادر میں ٹیلی گراف اسٹیشن بنانے کا ٹھیکہ سونپا گیا اور انہیں آٹھ مہینوں کے اندر اندر یہ عمارتیں تعمیر کرنی تھیں۔ اس طرح ساحل مکران پر انڈو یورپین ٹیلی گراف لائن مکمل طور پر تیار ہوا۔ اس لائن کی تعمیر کے دوران سولہ اموات ہوئیں جب کہ چھ سو افراد نے اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ ان میں سے بیالیس افراد سینے کے امراض میں مبتلا ہوئے، جنہیں علاج معالجے کے لئے کراچی بھیج دیا گیا۔ کراچی سے گوادر تک ٹیلی گراف لائن کی تعمیر میں مجموعی طور پر ۱۹۳،۲۴۶ روپے اخراجات آئے۔ یعنی چھ سو روپے فی میل کے حساب سے خرچہ آیا۔ اس کی تعمیر میں فارس، مسقط اور قلات کے مابین سیاسی چپقلشوں کے علاوہ مکران کے موسمی اثرات بھی حائل تھے۔ لیکن ان تمام رکاوٹوں کو بڑی دقتوں سے عبور کرنے کے بعد ٹیلی گراف لائن پایہ تکمیل کو پہنچا۔

ٹیلی گراف لائن نے جہاں ایک جدید ٹیکنالوجی کو مکران میں متعارف کروایا، اس کے ساتھ ساتھ اس جدید ٹیکنالوجی کی وجہ سے مکران کو دو حصوں میں تقسیم ہونا پڑا۔

ٹیلی گراف لائن اور تقسیم مکران

اگرچہ گوادر کو مسقط کے ساتھ سمندری راستے سے ٹیلی گراف لائن سے منسلک کر دیا گیا تھا

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

زاروں اور ہندوستان کے درمیان بفر اسٹیٹ کی اہمیت کو دوبارہ شدت سے محسوس کیا جانے لگا۔

گولڈ اسمڈ کے ۱۸۶۳ء کے دورے کے بعد فارس خاموش نہ بیٹھا بلکہ وہ مختلف بلوچ حاکموں کو ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار کر کے اپنی گرفت بلوچستان پر رفتہ رفتہ مضبوط کرتا چلا گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ فارس اور افغانستان کے درمیان سیستان کے حوالے سے مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ چونکہ قاچار کے تعلقات زاروں کے ساتھ استوار ہو گئے تھے لہٰذا ان کی نظریں افغانستان پر لگی ہوئی تھیں۔ انگریزوں نے اس سے پہلے ہرات پر فارس کے دعوے کو مسترد کر دیا تھا۔ اس لئے انگریزوں نے خاموشی سے دوست محمد خان (وفات ۱۸۶۳ء) اور اس کے بیٹے شیر علی خان کی مدد کی تاکہ وہ سیستان پر قبضہ کر لیں۔ فارس کے قاچار چپ رہنے والے نہیں تھے۔ لہٰذا انہوں نے انگریزوں کو پیرس کے امن معاہدے کا حوالہ دیا جس کے تحت ان کے علاقوں میں جارحیت کے حوالے سے انگریز ان کی مدد کرنے کے پابند تھے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ انگریز اس معاملے سے اپنے آپ کو الگ تھلگ رکھ چکے ہیں تو انہوں نے سیستان پر حملہ کر دیا۔ جب انگریزوں نے یہ صورتحال دیکھی تو انہیں افغانستان کے بفر ریاست کا وجود خطرہ میں نظر آیا جو کہ کسی بھی وقت روس کے ہاتھوں میں چلا جائے گا۔ لہٰذا انہوں نے فارس جیسے منہ زور گھوڑے کو لگام دینے کا فیصلہ کیا اور آخر کار وہ اس بات پر راضی ہو گئے کہ فارس کے مشرقی حدود کا تعین کیا جائے۔ (۳۳)

بالآخر ۱۸۷۰ء میں برٹش انڈیا نے دونوں پارٹیوں، فارس اور قلات کو اس بات پر راضی کیا کہ فارس بلوچ سرحد کا تعین کیا جائے۔ لہٰذا وہ چاہتے تھے کہ فارس اور بلوچ ریاست قلات اور افغانستان کے درمیان سرحدی تنازعے کو ہمیشہ کے لئے ختم کیا جائے۔ انگریزوں کی طرف سے گولڈ اسمڈ کو اس کام کے لئے مقرر کیا گیا۔ ان کا جھکاؤ ریاست قلات کی جانب نظر آیا۔ اس طرح ستمبر ۱۸۷۱ء میں مکران کی تقسیم عمل میں آئی۔ فارس نے بلوچستان کی نئی سرحدی حد بندی کو تسلیم کیا جسے ''گولڈ اسمڈ زلائن'' کا نام دیا گیا۔ جو کہ جنوب میں گوتر سے شروع ہو کر شمال میں جالک تک پھیلا ہوا تھا۔ اگرچہ فارس نے اس باؤنڈری کمیشن میں کوہک اور وادی ماشکیل کی ریاست قلات میں شمولیت پر اختلاف کیا لیکن برطانوی گورنمنٹ نے ان کے اعتراضات کو مسترد کر دیا جس کے نتیجے میں ابراہیم سرہنگ نے بزور طاقت ان دونوں علاقوں پر قبضہ کر کے انہیں فارس کے حدود میں شامل کر دیا۔ آخر کار ۲۴ مارچ ۱۸۹۶ء میں انگریزوں نے فارس کا ان علاقوں پر قبضے کو تسلیم کر لیا۔ اس کی وجہ شاید یہی ہو کہ خان قلات اس زمانے میں اندرونی شورشوں میں گھرا ہوا تھا اور وہ اس طرف کوئی توجہ نہ دے سکا۔ اس طرح خان قلات نے مکران کے ان علاقوں کو بآسانی فارس کے ہاتھوں میں جانے دیا۔ (۳۴)

رابرٹ سنڈیمن کا دور

رابرٹ سنڈیمن کو ۱۸۷۷ء میں برٹش بلوچستان میں ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل مقرر کر دیا گیا۔ اس کے ذمہ بلوچستان میں انگریزی مفادات کا تحفظ کرنا تھا۔ انہوں نے ۱۸۷۹ء میں دوسری اینگلو افغان جنگ میں اہم کردار ادا کیا اور انگریزی لشکر بغیر کسی رکاوٹ کے درہ بولان سے ہو کر افغانستان کے محاذ پر جاتا رہا اور اس سلسلے میں سنڈیمن کو خان قلات کا مکمل تعاون حاصل تھا۔ دوسری اینگلو افغان جنگ کے نتیجے میں افغانستان کے بہت سے علاقے بلوچستان میں شامل کئے گئے اور اس کے علاوہ کوئٹہ، بولان اور اس سے ملحقہ علاقے خان قلات سے پٹے پر حاصل کئے گئے۔ افغانستان سے حاصل کئے گئے علاقوں کو کوئٹہ کے ساتھ شامل کر کے برٹش بلوچستان کے نام سے ایک صوبہ تشکیل دیا گیا۔ سنڈیمن نے بلوچستان میں مختلف اقسام کے نئے نظام متعارف کرائے۔ جرگہ سسٹم اور لیویز سسٹم اس کی یادگاریں ہیں جو کہ ابھی تک بلوچستان میں اسی طرح قائم و دائم ہیں۔ اس کے علاوہ قبائلی علاقوں میں ''فرنٹئر کرائم ریگولیشن'' بھی اس کا متعارف کردہ نظام ہے جس کے تحت جرگہ کے اراکین کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ کسی سنگین جرم میں ملوث افراد کو سزائے موت بھی دے سکتے ہیں۔ (۳۵)

خان قلات، سنڈیمن اور مکران

خان قلات میر خداداد خان کا دور حکومت مختلف سرداروں کی بغاوت کی سرکوبی میں گزرا۔ انہیں یکے بعد دیگرے مختلف بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کی وجہ اس کی سخت گیر پالیسیوں کے علاوہ ان کے نامزد کردہ مختلف افراد کی غیر حقیقت پسندانہ اقدامات تھے جو کہ ان شورشوں میں اضافے کا باعث بنے۔

اس زمانے میں مکران میں قلات کا نمائندہ فقیر محمد بزنجو تھا جس کے مکران کے مقامی گچکی حکمران خانوادوں کے ساتھ اچھے تعلقات تھے۔ جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے کہ اس زمانے میں مکران کے سرحدی علاقے ابراہیم سرہنگ کے چیرہ دستیوں کے شکار تھے۔ اس سلسلے میں سردار فقیر محمد بزنجو نے سردار بائیان گچکی کو فارس کے حملہ آوروں کا مقابلہ کرنے کے لئے لشکر جمع کرنے کو کہا تو اس نے مدد کرنے سے انکار کر دیا اور اس کے ساتھ یہ شرط بھی رکھی کہ جب تک خان اسے کیچ کا نائب مقرر نہیں کریں گے، وہ اس سلسلے میں کسی قسم کی مدد دینے سے قاصر ہیں۔ جب فقیر محمد بزنجو نے دیکھا کہ گچکی سردار اس کی مدد کے لئے تیار نہیں ہیں تو انہوں نے خان کو اس ضمن میں خط لکھا۔ خان

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

۱- میر نوروز خان کا پنجگور پر حملہ

میر محراب خان شہید نے میر عیسیٰ خان گچکی کو پنجگور کا نائب مقرر کیا وہ اس عہدے پر عرصہ دراز سے تعینات تھا۔ جب خداداد خان تخت پر بیٹھا تو وہ کسی بات پر میر عیسیٰ سے ناراض ہوا اور انہوں نے اسے نائبی کے عہدے سے سبکدوش کر دیا اور اس کی جگہ سردار میر گاجیان کو پنجگور کا نائب مقرر کیا۔ میر عیسیٰ خان نے اسے اپنا توہین اور حق تلفی سمجھا اور وہ دل برداشتہ ہو کر خاران چلا گیا۔ خاران کے حاکم میر آزاد خان نوشیروانی کو پنجگور پر حملہ کرنے کے لئے اکساتا رہا۔ آخر کار آزاد خان میر عیسیٰ خان کی مدد کے لئے راضی ہوا اور اپنے بیٹے میر نوروز خان کو ایک لشکر دے کر پنجگور کی طرف روانہ کیا۔ پنجگور پہنچنے کے بعد اس نے قرب وجوار کی علاقوں میں لوٹ مار شروع کی جب میر گاجیان کو اس کی اطلاع ملی تو وہ فوراً مقابلے کے لئے روانہ ہوا۔ عیسیٰ خان اور نوروز خان لوٹ مار سے فارغ ہو کر واپس جا رہے تھے کہ میر گاجیان سے اسپد آپ اور دشت کوَر کے مقام پر ان کی مڈبھیڑ ہوئی۔ میر گاجیان اس لڑائی میں مارا گیا۔

یاد رہے کہ خان قلات معاہدہ مستونگ ۱۸۷۶ء کے تحت از خود بلوچستان کے کسی بھی خطے میں مداخلت کرنے کا مجاز نہ تھے اور انہیں ہر معاملے میں انگریزی سرکار کی صلہ و مشورہ درکار تھی۔ لیکن پنجگور کے واقعہ نے خان خداداد خان کو حواس باختہ کر دیا اور انہوں نے انگریزی حکومت کو اطلاع دیئے اور مشورہ کئے بغیر، سردار آزاد خان نوشیروانی کی خدابادان کی جاگیر پر قبضہ کر لیا۔ سردار گاجیان کی جگہ اس کے بیٹے کو پنجگور کی حکمرانی واپس لوٹا دیا۔ چونکہ وہ خوردسال تھا اس لئے خان قلات نے سردار گاجیان کے بھائی میر محمد علی خان کو اس کا سربراہ اور پنجگور کا نائب مقرر کیا۔ جب خان قلات نے خدابادان پر قبضہ کر لیا تو سردار آزاد خان نوشیروانی نے اپنے بیٹے میر نوروز خان کو پھر پنجگور پر حملہ کرنے کے لئے تیار کیا۔ جب اس کی اطلاع خان قلات کو ملی تو اس نے اس دفعہ انگریزی سرکار سے مشورہ کیا چونکہ انگریزی اہلکار اس کے گذشتہ از خود حملے سے جھلائے ہوئے تھے لہٰذا انہوں نے یہ بہانہ بنایا کہ پہلے معاملے کی تحقیق ہونی چاہیے۔ خان کو انگریزوں کا یہ مشورہ پسند نہ آیا اور انہوں نے شہزادہ میر محمود خان کو فوج دے کر میر محمد علی خان کی امداد اور نوروز خان کی سرکوبی کے لئے پنجگور بھیج دیا۔

جب نوروز خان کو میر محمود خان کی زیر قیادت قلاتی لشکر کی اطلاع ملی تو انہوں نے پنجگور پر حملے کا ارادہ ترک کر دیا۔ بہر حال، پنجگور کے حوالے سے خان قلات کے یہ دونوں اقدامات کو انگریزوں نے ناپسندیدگی سے دیکھا کیونکہ انہوں نے دوسری دفعہ از خود حملوں میں انگریزوں کو

اعتماد میں لائے بغیر پہل کی جو کہ معاہدہ مستونگ سے روگردانی ٹھہرائی گئی۔ (۴۰)

جب سنڈیمن نے یہ صورت حال دیکھا تو اس نے خان کو مشورہ دیا کہ شہزادہ محمود خان کو فوراً مکران سے واپس بلایا جائے اور اس کے ساتھ وہ از خود چل کر مکران کا دورہ کریں تاکہ معاملے کو ٹھنڈا کیا جا سکے۔ شروع میں خان نے سنڈیمن کے دونوں باتوں کو تسلیم کرنے سے انکار کیا لیکن بعد میں وہ راضی ہوئے۔ اس نے شہزادہ محمود خان کو واپس قلات بلایا۔ برٹش سرکار کو اپنے ایک خفیہ مراسلے میں مکران کی صورتحال کے بارے میں سنڈیمن لکھتے ہیں "خان قلات کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ مکران کے معاملات میں براہ راست مداخلت کرے اور وہاں سے مالیہ اکھٹا کرے یا گچکیوں کے معاملات میں دخل اندازی کرے ماسوائے اس معاہدے کے تحت جو کہ برٹش سرکار، خان اور گچکی سرداروں کے مابین عرصے دراز پہلے طے پایا گیا تھا۔ مکران میں دخل اندازی خان کی جانب سے شروع ہوئی۔ جب اس نے دیکھا کہ سرداران سراوان اور جھلاوان اور گچکی اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تو اس نے ان کی براہ راست سرکوبی کے لئے اقدام اٹھائے۔ جب برٹش سرکار نے دیکھا کہ معاملات انتہائی الجھ گئے تو انہوں نے مداخلت کا فیصلہ کر لیا"۔ (۴۱)

سنڈیمن نے مکران کی معاملات کی نگرانی کے لئے کرافورڈ (Crawford) کو ۱۸۸۹ء میں اور کرنل رینالڈ کو ۱۸۹۰ء میں مکران بھیجا۔ انہوں نے اپنے مراسلوں میں گچکی سرداروں کی فراہم کردہ خطوط بھی بھیجے۔ ان خطوط میں انہوں نے خان کے خلاف انگریزی سرکار سے مکران میں مداخلت کی اپلیں کی تھیں۔ اسی طرح کے خطوط خان قلات نے بھی انگریزوں کو بھیجے۔ انگریز پولیٹکل ایجنٹوں کے مراسلوں کے بعد سر رابرٹ سنڈیمن نے فیصلہ کیا کہ وہ از خود مکران جا کر معاملے کی جانچ پڑتال کریں گے لہٰذا انہوں نے دسمبر ۱۸۹۰ء میں مکران کا دورہ کیا۔ ان کے ساتھ خان کے کئی افسران، جام لسبیلہ اور سراوان کے بیشتر سردار اس دورہ میں اس کے ساتھ تھے۔ جب آزاد خان نوشیروانی کو سنڈیمن کے دورہ مکران کے بارے میں پتہ چلا تو وہ بھی پنجگور آ کر اس سے ملا۔ سنڈیمن نے اس دورے میں خان قلات اور نوشیروانی سردار کے تنازعات اور سردار گاجیان گچکی کے قتل کے قضیہ کا فیصلہ کر دیا۔

سنڈیمن نے مکران کے امور کی نگرانی کے لئے میور کو کیچ بھیجا تاکہ وہ مالیاتی امور کی نگرانی کرے۔ چونکہ وہ بلوچستان کے قبائلی رسم و رواج سے ناواقف تھے لہٰذا جلد ہی اس کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑا۔ واقعہ یوں پیش آیا کہ ایک دن وہ میر شاہداد خان گچکی نائب کیچ کے خلاف تحقیقات کر رہے تھے تو اس نے شاہداد خان کی تذلیل کی۔ شاہداد خان کے بلوچی غیرت کو جوش آیا اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

ملنے والی رقم کو اس کے سوتیلے بیٹے اور میر ساکا کے درمیان برابر تقسیم کیا جائے۔ میر ساکا نے اپنے والد کے طرف سے ملنے والی مال مویشیوں کو برابر تقسیم کر دیا لیکن پسنی کے تخت سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوا۔ اس کے نتیجے میں میر شہداد نے پسنی پر حملہ کر دیا اور میر ساکا کو تخت سے بیدخل کر دیا۔ مسٹر کرافورڈ نے میر شاہداد کو لکھا کہ وہ فوراً کیچ واپس چلا جائے اور میر بہرام کے ذاتی ترکہ کو شریعت کے مطابق تقسیم کیا جائے گا لیکن حاکمیت میر ساکا کے پاس رہے گی۔ مسٹر کرافورڈ کے علاوہ جام لسبیلہ اور میر بائیان گچکی کو بھی اس مسئلے کے حوالے سے ضامن ٹھہرایا گیا اور انہوں نے مسٹر کرافورڈ کے فیصلے سے اتفاق کیا۔ جب کرافورڈ نے کیچ چھوڑا تو میر ساکا نے انہیں لکھا کہ میر شہداد نے اس کے فیصلے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور سپاہیوں کو دوبارہ پسنی بھیجا۔ مسٹر کرافورڈ نے میر ساکا کو پسنی بھیج کر اس معاملے کی تحقیق کا حکم دیا۔ میر ساکا کو میر شہداد نے پسنی میں داخل ہونے نہیں دیا اور اسے نکال باہر کر دیا۔ میر ساکا نے اس صورت حال سے کرافورڈ کو آگاہ کیا اور اس سے درخواست کی کہ اسے اجازت دیں کہ وہ بزور طاقت میر شہداد کو پسنی سے نکال باہر کردے۔ جس کی کرافورڈ نے اسے اجازت نہیں دی اور اسے گوادر میں رہنے کو کہا۔ کرافورڈ نے میر شہداد کو جو کہ پسنی میں موجود تھے، فوراً اس علاقے سے نکلنے کا حکم دیا اور عدولی کے صورت میں ٹیلی گراف لائن کے مد میں ملنے والی رقم سے محرومی کی دھمکی دی۔ میر شہداد نے کہا کہ وہ یہ کام خان قلات میر خداداد خان کے حکم سے کر رہے ہیں اور ٹیلی گراف لائن کے مد میں ملنے والی رقم اگر بند کی گئی تو اسے اس کی پرواہ نہیں۔ بعد میں ہونے والی تحقیق سے یہ بات ثابت ہوئی کہ میر شہداد واقعی خان قلات سے ملنے والے احکامات کے تحت یہ سب کچھ کر رہے تھے۔ (۴۴)

بہر حال انگریزوں کی دباؤ کے نتیجے میں خان قلات خداداد خان نے میر شہداد کو واپس کیچ بھیج دیا۔ اس طرح یہ مسئلہ حل ہوگیا۔

سنڈیمن کی وفات

سنڈیمن نے اپنے دور حکومت میں بلوچستان کی بڑی خدمت کی۔ بلوچستان میں برطانوی مفادات کی تحفظ اس کے اولین ترجیح تھی اس کے علاوہ اس کہ یہ دلی تمنا تھی کہ ایشیا میں افغانستان اور ایران کی طرح بلوچستان میں بلوچوں کی ایک نیم آزاد ریاست سلطنت برطانیہ کے زیر اثر قائم ہو جس پر خان قلات کو کسی حد تک حاکم اعلیٰ تسلیم کر لیا جائے۔ مکران کے ساحلی علاقوں کو کراچی کے ساتھ ریل کی پٹڑی کے ذریعے ملانا بھی اس کی دلی خواہش تھی جو پورا نہ ہو سکا اور اپنی زندگی کے

آخری لمحات میں وہ پھر مکران کے طرف مائل بہ سفر ہوئے لیکن جب وہ لسبیلہ پہنچے تو بیمار پڑ گئے اور ۲۹ جنوری ۱۸۹۲ء کو ضلع لسبیلہ (وندر کے علاقے) میں وفات پا گئے۔ انہیں بیلہ میں دفن کر دیا گیا۔

حوالہ جات:

1- Baloch, I. (1987). Problum of greater Baluchistan. p 128

۲- ایضاً صفحہ نمبر ۱۲۹

۳- بلوچ، احمد یار خان۔ (۱۹۷۳ء)۔ تاریخ قوم بلوچ وخوانین بلوچ۔ کوئٹہ صفحہ نمبر ۵۳-۵۵

4- Baloch, I. (1987). pp 130-131

5- Axmann, Martin (2008) Back to the future. Oxford University press. Karachi. p 28

6- Scholz, Fred (2002). Nomadism and Colonialism: A hundred years of Baluchistan 1872-1972. Oxford University press. Karachi. pp 90-91

7- Shahvar, Soli (2006) Communications, Qajar Irredentism, and the Strategies of British India: The Makran Coast Telegraph and British policy of containing Persia in the East.(Balochistan) part I. Iranin Studies vol. 39(3) pp 329-351

8- Mojtahed-Zadeh (2004) Small players of the Great Game: The Settlement of Iran's Eastern Borderlands and the Creation of Afghanistan. London p164 & 236, note 59. as quoted in Shahvar, S. (2006) p 333

9- Thornton, A.P. (1956) The Re-opening of the Central Asian Question, 1864-1869. History vol XLI. pp 122-136

10- Shahvar, S. (2006) p.333

11- IOR, Home Miscellaneous (H.M) /551, no. 214

12-Badger to Forbes Aden, 3 June 1861, HM/551. no.9

۱۳- ایضاً

14- Shahvar, Soli. (2006) pp 338-339

15- Bombay Government to Indian Government. Bombay Castle, 12 July 1861. No.93, In Precis of Makran Affair, 12.

16-Aitchison to Forbas, September 9, 1861, HM/551 and FO 248/190, no. 5198 (FD)

17-Goldsmid to Inverarity Sonmiani, 21 Dec. 1861 and Karachi, 22 February 1862, HM/551, no. 2 &19 respectively.

18-Alison to Russell, Tehran, November 5 1861, no. 214, Foreign Office 60/279 and 248/196.

۱۹- ایضاً

20- Bombay Government, Political Department to Sir Charles Wood (SSI), Bombay Castle, April 24, 1862, HM/551, no. 32,

21- Disbrow to Mansfield (Immediate), Muscat, March 30, 1863,

حالت زندگی بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ ایسے وقت میں انہیں میر محراب خان گچکی اور بلوچ خان نوشیروانی کی شکل میں امید کی کرن نظر آئی۔ یہ دونوں اشخاص اگرچہ مخلص اور بہادر تھے لیکن وہ دور جدید کی جنگی چالوں سے ناواقف تھے اور یہی ان کے شکست کا سبب بنا۔ بلوچ خان نوشیروانی انگریزوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہادت کے بلند مرتبے پر سرفراز ہوئے جبکہ محراب خان گچکی کو انگریز سے وفاداری اور اپنوں سے غداری کے نتیجے میں معافی مل گئی اور اس طرح مکران میں بغاوت کی یہ آخری امید بھی دم توڑ گئی۔ ان واقعات کو آگے چل کر تفصیل سے بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی لیکن ان واقعات کو بیان کرنے سے پہلے بلوچ خان اور محراب خان کی شخصیات کے بارے میں مختصر جائزہ لینا بھی ضروری ہے اور ساتھ ساتھ ہم مکران کے حالات کا جائزہ لیں کہ وہ کون سے عوامل تھے جنہوں نے حالات اس نہج تک پہنچائے کہ اہلیان مکران کو انگریزی سرکار کے خلاف ہتھیار اٹھانے پڑے۔

بلوچ خان نوشیروانی

میر بلوچ خان بن میر شہداد بن میر للہ نوشیروانی کولواہ کے حاکم تھے۔ وہ ایک بہادر، نڈر اور جنگجو شخص تھے۔ مکران گزیٹیئر کے انگریز مولف نے اسے ڈاکو اور امن شکن قرار دیا تھا اور اس کے متعلق لکھا تھا "سہد ائیوں اور بزنجوؤں نے اسے کولواہ سے نکالا تو اس نے خاران کے آزاد خان کے پاس پناہ لی اور ۱۸۷۱ء میں سوراب پر حملہ کر دیا۔ جس کی سزا کے طور پر خان قلات نے چنکان (پنجگور) میں اس کی جائیداد ضبط کر لی جو اسے ۱۸۸۴ء میں سر رابرٹ سنڈیمن کے دورہ پنجگور کے دوران ایک مرتبہ پھر لوٹا دیا گیا۔ ۱۸۸۹ء میں سامی کے حاکم خان بہادر محمد حسن نے جب پنجگور پر دوبارہ حملہ کیا تو بلوچ خان اس کے ہمراہ تھے۔ اس کے بعد بلوچ خان فرار ہو کر ایران کے سرحدی علاقے میں چلے گئے لیکن سرداروں کی مداخلت اور حلف وفاداری کی یقین دہانی پر وہ کوئٹہ جا کر اے جی جی کے روبرو پیش ہوئے اور اسے معاف کیا گیا۔ ۱۸۹۸ء میں وہ گوک پروش کے مقام پر دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہادت کے عظیم مرتبے پر فائز ہوئے۔(۱)

میر محراب خان گچکی

میر محراب خان گچکی، کیچ کے حاکم میر بائیان گچکی کے صاحبزادے تھے۔ وہ ۱۸۶۸ء میں پیدا ہوئے۔ وہ کیچ کے تخت کے لئے میر بائیان کے نامزد کردہ تھے۔ جب سردار بائیان گچکی آخری عمر میں ضعیف اور کمزور ہوئے تو اسی زمانے میں جب رابرٹ سنڈیمن نے مکران کے معاملات

میں مداخلت شروع کی تو انہوں نے میر محراب خان گچکی کی جگہ اس کے بڑے بھائی شیخ عمر کو جو کہ نرم خو طبع شخص تھا کیچ کا سردار مقرر کیا۔ شیخ عمر میں سرداری چلانے کی اہلیت نہ تھی جس کی وجہ سے میر محراب خان گچکی جو کہ عوام الناس میں اپنی بہادری اور سخاوت کی وجہ سے کافی مشہور تھے۔ انہوں نے ناراض ہو کر عوام کو شیخ عمر کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ میر محراب خان گچکی ۱۸۹۸ء میں مکران میں ہونے والے بغاوت کے روح رواں تھے۔ گوک پروش کی جنگ کے بعد وہ فارس چلے گئے۔ میر مہراللہ رئیسانی ناظم مکران کے کہنے پر وہ دوبارہ مکران آئے اور انہیں ۱۸۹۹ء میں معافی مل گئی۔ بعد میں وہ مکران میں نودز کے قلعے پر حملے میں انگریزوں کے ہمراہ رہے۔ انہوں نے میر مہراللہ کی مکران کی نظامت میں اس کی ہر طرح سے مدد کی۔ انگریزوں نے اس کی وفاداری سے خوش ہو کر اسے انڈو یورپین ٹیلی گراف لائن کی حفاظت کی ذمہ داری کے لئے سالانہ دو ہزار دو سو ساٹھ روپے وظیفہ کا حق دار ٹھہرایا۔ اس کے علاوہ انہیں حکومت قلات سے چار ہزار دو سو روپے کے علاوہ دشت، کیچ اور کلانچ کی زمینوں سے حاصل ہونے والی دہک (دسواں حصہ) کا بھی حق دیا گیا۔ کوش کلات سے حاصل ہونے والا مالیہ بھی اسے دیا گیا۔ اس کے دو بیٹے میر محمد خان اور میر عنایت اللہ تھے۔ انہوں نے اکتوبر ۱۹۳۰ء میں دوسری شادی کی جس کی وجہ سے کچھ گھریلو مسائل پیدا ہوئے۔ انہیں ۱۹۱۶ء میں مکران بارڈر مشن میں نمایاں خدمات کے عوض سردار بہادر کے خطاب سے نوازا گیا۔ جب سردار شیخ عمر گچکی نے ۱۹۱۶ء میں مکران کی سرداری اپنے بیٹے سردار بہادر میر بائیان کو سونپی تو میر محراب خان نے دوبارہ سرداری حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن بعد میں وہ مزید مراعات ملنے کے بعد سرداری کے حق سے دست بردار ہوئے۔ میر محراب خان گچکی نے اپنی بقیہ زندگی کیچ میں بسر کی۔ اگرچہ انگریز سرکار نے اسے مراعات سے نوازا تھا لیکن اس کے باغیانہ خیالات کی وجہ سے انگریز سرکار اسے آخر دم تک حکومت کا مخالف اور ناقابل اعتبار شخص خیال کرتے رہے۔ اس میں کوئی شک بھی نہ تھا کہ میر محراب خان گچکی جو کہ انگریزوں مخالفت میں پیش پیش تھا انہوں نے ان کے خلاف اپنی خفیہ سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ۱۸ اگست ۱۹۴۸ء کو میر محراب خان گچکی ایک بھرپور زندگی گزار کر اس جہان سے فانی سے رخصت ہوئے۔ مکران کی جدید تاریخ میں محراب خان گچکی ایک متنازعہ شخصیت اور اپنے سخاوت کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔(۲)

واقعہ گوک پروش سے پہلے مکران کے حالات

خان قلات میر خداداد خان کے دور حکومت میں مکران نسبتاً پر امن رہا۔ جب خان قلات میر

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

سامنا کرنا پڑا اور اس نے اس عمل کو اپنی توہین اور بے عزتی خیال کیا اور انگریزی حکومت سے بدلہ لینے کی ٹھان لی۔(۴)

مندرجہ بالا واقعات نے میر محراب خان گچکی اور بلوچ خان نوشیروانی کو یہ سوچنے پر مجبور کیا کہ انگریز سرکار ناقابل اعتبار ہے، اس پر کسی بھی طرح اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اس لئے انہیں اپنے فیصلے از خود کرنے ہونگے اور انہوں نے انگریز سرکار کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا جس نے مکران کی تاریخ کی مشہور ''گوک پروش'' کے واقعے کو جنم دیا۔

گوک پروش کی ڈائری

جنوری ۸، ۱۸۹۸ء: ایجنٹ ٹو دی گورنر جنرل بلوچستان کی طرف سے فارن سکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا کو ۸ جنوری ۱۸۹۸ء میں ایک ٹیلی گرام موصول ہوا۔ یہ ٹیلی گرام نائب عبدالکریم خان کی طرف سے بھیجا گیا تھا جس میں نائب نے لکھا کہ!سے اور شئے قاسم کو ناظم مکران اڈھوداس نے ناصر آباد بھیجا تا کہ رند اور آسکانیوں کے مابین ہونے والے مسائل کو حل کیا جا سکے لیکن اُسے پتہ چلا کہ محراب خان نے ناظم مکران (اوڈھوداس) کو قید کر لیا اور ناظم نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ تربت کے قلعے کو پانچ تاریخ تک محراب خان کے حوالے کیا جائے۔ نائب کریم خان نے آگے چل کے اے. جی. جی کو بتایا کہ وہ اور شئے عمر، میر شیر محمد کے ہمراہ تربت جا رہے ہیں۔(۵)

جنوری ۹، ۱۹۹۸ء: میر محراب خان گچکی نے اپنے ایک مراسلے میں جو کہ اس نے سیف بن سعید والی گوادر کو لکھا، اس میں وہ تحریر کرتے ہیں کہ ''اللہ اور اس کے ولی غوث الاعظم دستگیر کی برکت سے میں نے امیر اور کیچ کے سرداران کے ساتھ مل کر پنج شنبہ، چار شعبان (جمعرات، جنوری ۸، ۱۸۹۸ء) کی رات کو دیوان پر حملہ کر دیا تا کہ مکران کے عوام کو انگریز اور اس کے دیوان کے ظلم و ستم سے نجات مل سکے۔ میں نے اللہ کے فضل و کرم سے دیوان کو اپنا قیدی بنا لیا۔ اس نے تربت کے قلات کو خالی کر دیا اور گشتانگ کے قلعے کو ہم نے بزور طاقت اپنے قبضے میں لیا، یہ دونوں قلعے اب میرے قبضے میں ہیں۔ میں چاہتا تھا کہ اس ملعون (دیوان) کو جہنم رسید کر دوں لیکن مکران کے امیر اور سردار آڑے آئے اور اس کی جان بخشی کی اپیل کی۔ اس کی حالت انتہائی بری ہے۔ میر عبدالکریم نے پیشکش کی کہ وہ دیوان کو اپنے ساتھ لے کر کلات تک چلا جائے گا۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اگر میر عبدالکریم دیوان کو فرار ہونے میں مدد دے گا تو ٹھیک ہے لیکن اگر وہ اس کو بچانے کی کوشش کرے گا تو میرے اور میر عبدالکریم کے درمیان اس بات پر جنگ ہو گی۔ میں چاہتا ہوں

کہ اپنے بھائی (امام مسقط) کو ان تمام حالات سے آگاہ کر دوں''۔(۶)

ایک اور مراسلے میں جو کہ گوادر کے مقامی اہلکار کے نام ہے، اس میں میر محراب خان گچکی لکھتے ہیں ''لوگ دیوان (اڈھوداس) کے ظلم و ستم سے تنگ آئے ہوئے ہیں۔ میں نے بارہا اس کو منع کرنے کی کوشش کی کہ سرکار کی طرف سے اس طرح کا کوئی حکم نہیں کہ غریبوں پر ظلم و ستم روا رکھا جائے لیکن اس نے ایک نہ سنی۔ لوگ ''دہک'' ادا کر رہے تھے اور قانون کا احترام کر رہے تھے۔ اس نے میرے ساتھ بھی اچھا سلوک نہیں کیا اور صاف کہا کہ اس کو سرکار کی طرف سے یہ احکامات ملے ہیں اور اگر ضرورت پڑے تو وہ طاقت کے استعمال سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ جب لوگوں نے یہ دیکھا کہ دیوان ان کی بات سننے کے لئے تیار نہیں تو وہ یکجا ہوئے اور انہوں نے آپس میں عہد و پیمان کیے اور مجھے اپنے جذبات سے آگاہ کیا۔ کیچ، دشت اور کلانچ کے عوام کے لئے کوئی اور راہ باقی نہیں رہا، ماسوائے اللہ اور اس کے ولی غوث پاک کی برکت کے......''۔(۷)

اسی دن اے. جی. جی نے حکومت ہند کے فارن سکریٹری کو بھیجے گئے اپنے ٹیلی گرام میں مکران کی صورت حال کا دیوان اڈھوداس کے حوالے سے ذکر کرتے ہوئے لکھا ''پتہ چلا ہے کہ آفریدی ٹیم، اور ایک برطانوی آفیسر چاہبار اور جاسک (جاشک) کے درمیان قتل ہوا ہے۔ میر محراب خان گچکی سکنہ کوش قلات نے کوش قلاتی عوام کے ہمراہ تربت پر حملہ کر دیا ہے۔ جس سے منشی بولارام جو کہ لیوی دستے کا سوار تھا، ہلاک ہوا، ایک اور منشی اس حملے میں زخمی ہوا ہے۔ باغیوں نے تربت اور گشتاک کے قلعوں پر قبضہ کر لیا۔ انہوں نے چھ ہزار روپے کے قریب رقم، پانچ سنائیڈر بندوقیں اور گولیوں کی پانچ پیٹیوں کے علاوہ سروے پارٹی کی راشن بھی لوٹ لی۔ نائب شئے قاسم اور میر شیر محمد جو کہ ناصر آباد میں تھے انہوں نے تربت قلعے سے لوگوں کو نکال کر اپنے ساتھ کلات تک میرے پاس لائے۔ ہم یہاں محفوظ ہیں۔ ناصر آباد کے قلعے پر ہمارا قبضہ ہے۔ اس کے علاوہ سردار شئے عمر، نائب شئے قاسم، شیر محمد، خان محمد، مند کے رند سردار، نودز کے بہرام خان بھی میرے ساتھ ہیں۔ برائے مہربانی دو پہاڑی توپوں اور کچھ پیادہ فوج جلدی سے بھیج دیں جس کے متعلق ان سرداروں کا خیال ہے کہ محراب خان کی بغاوت کو فرو کرنے میں کافی ثابت ہوگا۔ میں نے سامی کے محمد حسن کو لکھا کہ وہ سروے پارٹی کا خیال رکھے۔ سروے پارٹی کے پانچ افراد جو کہ تربت میں تھے ان کا ابھی تک پتہ نہیں چل سکا لیکن ہم پر امید ہیں کہ وہ محفوظ ہیں۔ میرا خیال ہے کہ مقامی فوج کی تین کمپنیاں دو توپخانوں کے ساتھ پسنی یا گوادر بھجوا دیا جائے۔ توپ ضروری ہیں کیونکہ اس کے بغیر قلعوں کو مسمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس طرح کی صورت حال خطرہ کا پیش خیمہ ہے کیونکہ اس کی لپیٹ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

ریوالور اور دو بندوقیں ساتھ لیں۔ جب میں نے دیکھا کہ کوئی سامنے نہیں آ رہا تو میں بیس خلاصیوں کو ساتھ لیکر بلور کے قلعے کی طرف چلا گیا۔ لیفٹیننٹ ٹرنر کو جو کہ چالیس میل دور سروے کر رہے تھے انہیں ہوشیار کرنا چاہا۔ میں نو جنوری کو دن کے دو بجے بلور پہنچا اور غلام جان والی بلور کو تلاش کیا کہ وہ جائے اور ٹرنر کو حملے کی اطلاع دے لیکن اس نے کہا اب کوئی فائدہ نہیں، ہوسکتا ہے کہ وہ ہلاک ہو گیا ہو۔ جب میں نے دیکھا کہ ٹرنر کا کوئی پتہ نہیں اور اس خوف سے کہ بلوچ خان بلور پر حملہ کر دیں گے میں رات کو اونٹ پر سوار ہو کر اور ماڑہ پہنچا جو کہ اس علاقے سے ایک سو تیس میل کے فاصلے پر ہے۔ اس سفر میں مجھے چھتیس گھنٹے لگے۔ بعد میں مجھے پتہ چلا کہ محراب خان نے کیچ پر قبضہ کر لیا ہے۔ اس نے والی اور دیوان کو قتل کر دیا ہے۔ ایک سو ستر کے قریب خلاصیوں کی جان کو خطرہ ہے۔ لیفٹیننٹ ٹرنر غلام جان کے نرغے میں ہیں۔ غلام جان کے علاوہ مجھے سامی کے محمد حسن بھی ناقابل اعتبار لگے ہیں، جن کے پاس مسٹر ہکی (Hickie) اور پرونٹے (Prunty) موجود ہیں۔ اس بغاوت کو ختم کرنے کے لئے فوراً چار سو پٹھانوں کو اور ماڑہ اسٹیمر کے ذریعے بھیج دیا جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ جام آف لسبیلہ کو بتایا جائے کہ ہوسکتا ہے اور ماڑہ پر آج کل میں حملہ ہونے والا ہو۔" (۱۰)

جنوری ۱۲، ۱۸۹۸ء: اے جی جی بلوچستان نے فارن آفس انڈیا کو اپنے ایک ٹیلی گرام میں مکران کے بغاوت کے سلسلے میں تازہ ترین صورتحال سے آگاہ کرتے ہوئے مطلع کیا کہ "کراچی کے جنرل آفیسر کمانڈنگ نے برن کے ٹیلی گرام کے جواب میں تیسویں بلوچ کے ذریعے دو سو پچاس بندوقیں اور ماڑہ بھیج دیئے، وہ کل تک پہنچ جائیں گے۔ جام (آف لسبیلہ) اور اس کے وزیر جو کہ کراچی میں ہیں، بیلہ جا رہے ہیں تاکہ وہ معاملے کو سمجھ سکیں اور انگریزی لشکر کے لئے ضروری ساز و سامان مہیا کرنے کا بندوبست کریں۔ میرا خیال ہے کہ ایک سو پچاس بندوقیں اضافی اور ماڑہ بھیج دی جائیں اور باقی تین سو بندوقیں براہ راست ناظم کے پاس ناصر آباد بھیج دی جائیں۔ لشکر کے راستے میں پڑنے والا روڈ آسان اور ساٹھ میل لمبا ہے۔ اور ماڑہ، تربت سے بہت دور ہے لیکن تقی (Tighe) سو بندوقوں کے ساتھ اور ماڑہ سے برن کے ساتھ بلور چلا جائے تاکہ سروے پارٹی کے افراد کو تلاش کر سکے۔ میرے خیال میں اس مسئلے پر سرعت سے عمل درآمد کر کے اس کو مکمل طور پر ختم کیا جائے۔ انگریزی لشکر کو کسی قسم کی چیلنج کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور رستم اور محراب عین ممکن ہے کہ فارس میں بھاگ گئے ہونگے۔ برن کے ٹیلی گرام کے باوجود میرا نہیں خیال کہ بلوچ خان اس معاملے میں ملوث ہیں۔ میں نے اس کو حکم جاری کیا ہے کہ وہ رستم اور محراب کی سرکوبی کے لئے لشکر کا ساتھ دیں۔ اس کے علاوہ میں نے نوروز خان کو حکم دیا کہ وہ پچاس

پچاس سوار دستوں کو کولواہ اور تربت بھیج دیں۔ جلد ہی محراب کا کھیل اپنے انجام کو پہنچنے والا ہے"۔

ایک اور مراسلے میں اے جی جی تحریر کرتے ہیں کہ "لیفٹیننٹ ٹرنر غلام جان آف بلور کے ساتھ اور ماڑہ پہنچ گئے ہیں۔ گوادر سے ناظم کی جانب سے ٹیلی گرام موصول ہوا کہ محراب خان نے اپنے آدمیوں کو دشت بھیجا تا کہ وہ ٹیلی گراف لائن کے تاروں کو کاٹ دیں"۔ (۱۱)

جنوری ۱۳، ۱۸۹۸ء: مکران سے ہزاروں میل دور لندن کے پال مال گزٹ میں مکران کے بغاوت کی خبر شہ سرخیوں میں شائع ہوئی جس میں اس حملے کے متعلق انتہائی مبالغہ آرائی سے کام لیا گیا اور اس واقعے سے متعلق ابتدائی رپورٹوں کی بنیاد پر یہ خبر بنائی گئی تھی۔ (۱۲)

اے جی جی بلوچستان نے اپنے ٹیلی گرام میں فارن آفس کلکتہ کو تازہ ترین صورتحال سے آگاہ کرتے ہوئے لکھا "کراچی سے اسٹیمر سپاہیوں کو لے کر کل اور ماڑہ پہنچ رہا ہے۔ پولیٹکل ایجنٹ قلات کراچی گئے ہوئے ہیں اور وہ بھی لشکر کے معیت میں اور ماڑہ پہنچ رہے ہیں۔ میں نے خیال ظاہر کیا کہ نوکس (Knox) کو تین سو بندوقوں کے ساتھ پسنی بھیج دیا جائے۔ جبکہ تقی سو بندوقوں کے ساتھ اور ماڑہ میں رہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس پر عمل درآمد کیا جائے گا۔ کرنل مین (Mayne) اور ماڑہ میں لشکر کی نگرانی کر رہے ہیں۔ سروے پارٹی کی قتل عام سے متعلق کوئی خبر نہیں ملی"۔ (۱۳)

جنوری ۱۴، ۱۸۹۸ء: اے جی جی کی طرف سے ۱۴ جنوری کے ٹیلی گرام میں جو کہ اس نے فارن سکریٹری گورنمنٹ آف انڈیا کو تحریر کیا، اس کے مطابق "ابھی تک مکران کے حالات میں کوئی بہتری نہیں آئی ہے بلکہ وہ خراب سے خراب تر ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ انگریزی لشکر کو راستے کی مشکلات کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ "چونکہ مکران کا سارا علاقہ اس وقت بغاوت کی لپیٹ میں ہے لہذا کسی قسم کی کوئی سواری میسر نہیں ہے۔ گوادر میں مال برداری کے جانوروں کے لئے چارے کا انتظام موجود ہے۔ اسی طرح کیچ کی وادی میں چارے کا انتظام ہوسکتا ہے۔ اس کے علاوہ پسنی اور کیچ کے درمیان پہاڑوں میں قدرتی گھاس بھی اگ آئی ہے (اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس زمانے میں بارشیں زیادہ ہوئیں تھیں) اونٹیں نہ بھجوائے جائیں کیونکہ انہیں اسٹیمر سے دیسی لانچوں کے ذریعے ساحل پر نہیں لایا جاسکتا۔ میں محراب خان کے بغاوت کو اتنی بڑی نوعیت کا نہیں سمجھتا بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اس کو جلد حل کیا جاسکے گا۔ اس وقت سب سے اہم کام ناظم کا دوبارہ کیچ پر تعینانی اور سروے پارٹی کے افراد کو تلاش کرنا ہے۔ میرا خیال ہے کہ پسنی جانے والے لشکر کے ہمراہ فیچر اور گولہ بارود بھیج دی جائے اور انہیں چار دن کا راشن بھی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

باوجود ہم نے اپنا ملک نہیں چھوڑا نہ ہی سرکار کے حکم کی عدولی کی بلکہ ہم نے طے کیا کہ ہم اس ٹیکس کو ادا کریں گے۔ لیکن دہک لینے کے بجائے ناظم نے پیداوار کے دو حصے اپنے لئے اور ایک حصہ ہمارے لئے چھوڑا اور وہ بھی پیداوار کے بجائے نقدی کی شکل میں۔ اس نے اس ضمن میں کبھی بھی برطانوی قانون اور روایتوں پر عمل نہیں کیا۔ ہم سب ناظم کے کرتوتوں سے تنگ آ گئے ہیں اس کے علاوہ ہمیں کوئی اور راہ نہ سوجھی اور ہم نے حلف اٹھایا ہے کہ ہم ایک ہو کر دیوان اڈھوداس کو تربت سے نکال باہر کریں گے اور ہم نے کرد کھایا اور تربت اور گشتاگ کے قلعے پر قبضہ کر لیا۔

اب ہم سرکار سے گزارش کرتے ہیں کہ جس طرح سرکار نے خداداد خان، سابقہ خان قلات کو اسکے ظلم و ستم کی وجہ سے معزول کر دیا۔ اس دوران ایک مراسلہ عوام میں گردش کرتا رہا ہے کہ میر محمود خان کو خان قلات نامزد کیا گیا اور یہ کہ جو معاملات میر نصیر خان، خان اعظم کے دور سے چلے آ رہے ہیں وہی دوبارہ متعارف کروائے جائیں گے۔ اگر سرکار ان خطوط پر عمل درآمد کرنے کے لئے راضی ہے تو ہمیں اس بات پر کوئی اعتراض نہیں کہ آپ کے احکامات کی تعمیل کریں اور اپنے آپ کو آپ کا رعایا سمجھیں گے۔ لیکن اگر سرکار کے ذہن میں اور مقاصد ہیں تو پھر ہم اپنے جانوں کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ آئے اور ہمیں مارے اور ہمیں ہمارے ملک سے نکل باہر کر دے۔ اب ہم مزید دیوان اڈھوداس کے ظلم و ستم کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہم نے اپنے خدشات آپ کے گوش گزار کر دیے ہیں"۔ (۱۷)

اسی تاریخ کو اے جی جی نے فارن سکریٹری کو مکران کے حالات سے آگاہ کرتے ہوئے ٹیلی گرام بھیجا کہ "پولیٹکل ایجنٹ قلات کے ۱۹ جنوری کے بھیجے ہوئے ٹیلی گرام کے مطابق انہوں نے تمام بھاری سامانوں کو لانچوں کے ذریعے پسنی بھیج دیا ہے اور ہم پسنی کی جانب سفر میں ہیں اور اس مہینے کی تیس تاریخ کو فوج کے باقی نفروں کے ساتھ تربت میں جا ملیں گے۔ میں تین سرداروں کو اپنے ساتھ لوں گا جو کہ میر دڑا خان، غلام جان اور سامی کے محمد حسین ہونگیں اور خاموشی سے تربت پہنچ جائیں گے۔ جھنڈا خان ابھی تک واپس نہیں آیا ہے لیکن اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ بلوچ خان اس شورش میں ملوث ہیں۔ میں نے کرمان کے برطانوی ایجنٹ سائیکس (Sykes) کو کل دیکھا اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کی سلسلے میں بات چیت کی۔ اگر گرویز کے قاتلوں نے مند کے رندوں کے ہاں پناہ لی یا بلوچ خان اور محراب خان نے فارس میں پناہ لی تو اس ضمن میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اس لئے یہ ضروری ہے کہ مند کے رندوں کی سرکوبی کی جائے۔ یہ ہمیشہ مسئلہ پیدا کرتے چلے آ رہے ہیں اور اس بغاوت میں ان کا بھی ہاتھ ہے۔ یہ ایک

اچھا موقع ہے کہ اس ملک کا دوبارہ دورہ کیا جائے اور انہیں باور کرایا جائے کہ سر البرٹ سنڈیمن کے وعدہ کے مطابق اچھے چال چلن کی وجہ سے جو مالیہ کی معافی منظور کی گئی تھی اس کو یکسر ختم کر دیا گیا ہے۔ یہ یقیناً ناممکن ہے کہ تمام مالیے کو ایک ساتھ وصول کیا جائے لیکن انہیں باور کرایا جائے کہ ہمیں یہ اختیارات حاصل ہیں کہ ہم اس کو کسی بھی وقت نافذ العمل کر سکتے ہیں۔ اس ضمن میں براہِ مہربانی ہدایات بھیج دیں"۔ پولیٹکل ایجنٹ کے مندرجہ بالا ٹیلی گرام کے حوالے سے اے جی جی نے فارن آفس کو لکھا کہ "میں پولیٹکل ایجنٹ کے اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ فوج کو کیچ کے بغاوت کو فرو کرنے کے بعد مند بھی بھیجا جائے اور میں مالیے کے سوال پر تحقیق کر رہا ہوں"۔ (۱۸)

جنوری ۲۱، ۱۸۹۸ء: سردار یعقوب خان نوشیروانی اپنے ایک خط میں اے جی جی کو لکھتے ہیں کہ "مجھے آپ کا خط ملا اور اس کی تعمیل میں پچاس سواروں کے ساتھ ناظم کی مدد کے لئے پنجگور جا رہا ہوں۔ تمام گھوڑوں اور مال برداری کے جانوروں بشمول سپاہی دستے کے اپنے والد سردار نوروز خان نوشیروانی کی سرکردگی میں ہم آگے بڑھ رہے ہیں یہاں خاران میں ہم نے اپنا کوئی بھی سپاہی پیچھے نہیں چھوڑا۔ میں نے اگرچہ اپنے کاردار سکنہ پنجگور کو لکھا کہ تیس سے چالیس افراد ناظم کی مدد کے لئے بھیجے۔ جب کیچ میں برطانوی یا خان قلات کے سپاہی آئیں گے تو میں خود سات یا آٹھ سپاہیوں کو ساتھ لے کر ان کے ساتھ شریک ہونگا۔ آپ کو علم ہے کہ آج کل ہمارے ملک میں انتہائی شدید قحط سالی آئی ہوئی ہے (لیکن اس کے باوجود) میں نے اپنے سپاہیوں سے کہا کہ وہ پنجگور کے کاردار کے پاس جائیں اور اس کی مدد کریں....."۔ اس مراسلے میں میر یعقوب خان نوشیروانی نے اپنی وفاداری کو انگریزوں کے سامنے پیش کرنے کی انتہا کر دی اور انعام و اکرام کے لالچ میں اپنی حالت زار کو بیان کرنے کے لئے موقع مناسب جانا۔ (۱۹)

جنوری ۲۲، ۱۸۹۸ء: میر محراب لچکی اپنے خط میں مسٹر سیلی (Mr. Sealey) جو کہ ساحل مکران کے انچارج تھے، کو لکھتے ہیں کہ "ہم باشندگان مکران خان قلات کے ظلم و ستم سے تنگ آئے ہوئے تھے اور دن رات یہ دعا کرتے تھے کہ اللہ ہمارے ملک کو انگریزوں کے زیر سایہ میں لائے، جس کی مدد سے ہمیں اس کے ظلم سے نجات ملے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری دعائیں سن لیں اور مکران (انگریز) سرکار کے زیر اثر آیا' ور دیوان اڈھوداس کو مکران کا ناظم مقرر کیا گیا۔ دیوان اڈھوداس، سردار شیخ عمر خان اور میر عبدالکریم خان نے آپس میں ظلم و ستم کو روا رکھنے کے لئے ایکا کر لیا تھا۔ انہیں عوام پر ظلم و ستم کے علاوہ اور کوئی کام نہ تھا۔ سرکار نے مکران کے مالیہ کو دہک کے شکل میں نافذ کیا تھا لیکن شیخ عمر اور عبدالکریم سے شہہ پا کر دیوان نے حکومت کے لئے دو تہائی اور زمینداروں

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

ان سے آ کر مل گئے۔ بلیدہ سے میر محراب خان نوشیروانی اور مہیم خان نوشیروانی اور نوکبز کلانچ سے ملا مبارک اور حاجی مراد واڈیلہ بھی اپنے آدمیوں کے ساتھ میر محراب خان کی امداد کو کیچ پہنچ گئے۔ مکران کے ان سرکردہ لوگوں کی مدد سے میر محراب خان چند دنوں میں ایک ہزار نفری پر مشتمل لشکر تیار کرنے میں کامیاب ہوئے۔

جب مکران کے حریت پسندوں کو کرنل مین کی سرکردگی میں انگریزی فوج کی پسنی آمد اور تربت کی طرف پیش قدمی کی خبر ملی تو انہوں نے ''گوک پروش'' کے مقام پر مورچہ بندی کر کے انگریزی فوج کی آمد کا انتظار کیا۔ چونکہ مکران کے یہ جانباز ایک طرف جدید جنگی صلاحیتوں سے ناواقف تھے تو دوسری جانب ان کے پاس جدید اسلحہ کی بھی کمیابی تھی۔ اس صورتحال کو مدنظر رکھتے ہوئے بلوچ خان نوشیروانی نے تجویز دی کہ بلوچی لشکر کو کئی چھاپہ دستوں میں تقسیم کر کے چھپ چھپ کر دشمن پر حملے کیے جائیں اور جب بھی موقع ملے تو دشمن پر شب خون مارا جائے۔ میر بلوچ خان کی اس تجویز پر محراب خان اور دوسرے بلوچ معتبرین نے اتفاق نہیں کیا اور میدان جنگ میں دشمن کے سامنے دوبدو لڑنے کا فیصلہ کیا۔ یہی غلطی بلوچوں کی شکست کا سبب بنا۔(۲۵)

کرنل مین کے ساتھ پولیٹکل ایجنٹ قلات کے علاوہ ناکس بھی ساتھ تھا۔ انہیں پسنی سے براہ راستہ تربت کسی خاص قسم کے مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑا اور وہ بلا کسی رکاوٹ کے تنگ اور پیچ در پیچ بسول کور کی تنگ گزرگاہوں سے گزرنے میں کامیاب ہوئے۔ جلد ہی انہیں پہاڑیوں کے چوٹیوں پر بلوچ لشکر کے افراد نظر آئے۔ انگریزی لشکر کو بلوچوں کی پوزیشن کو مدنظر رکھتے ہوئے حملہ ترتیب دینے میں کسی خاص قسم کی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ جب انگریز اور بلوچ لشکر کے درمیان نوسو گز کا فاصلہ رہ گیا تو بلوچ لشکر نے دیسی ساخت کے ہتھیاروں سے دور جدید کی اسلحہ سے لیس تربیت یافتہ اور کئی گنا طاقتور دشمن پر حملہ شروع کر دیا۔ اس وقت صبح کے آٹھ بج رہے تھے۔ انگریزی توپخانہ نے بائیں طرف کی پہاڑی چوٹی پر قبضہ کر کے بلوچ لشکر پر گولہ باری شروع کر دی اور اس کے ساتھ ہی دو کمپنیوں (فوجی دستوں) نے دائیں اور بائیں سے بلوچ مورچوں کو گھیر لیا۔ توپیں مزید قریب لائی گئیں اور گولہ باری میں شدت آ گئی۔ اس کا اثر بہت جلد ظاہر ہوا بلوچ لشکر کا دایاں بازو ٹوٹ کر پچھلے مورچوں سے جاملا۔ اس موقع پر پیادہ فوج کو دائیں طرف سے حملہ کا حکم ہوا اور فوج کے اگلے دستے آگے بڑھتے رہے یہاں تک کہ انگریزی فوج اور بلوچ لشکر کے درمیان تین سو گز کا فاصلہ رہ گیا۔ اس موقع پر انگریزوں نے زبردست شیلنگ کی جس سے افراتفری مچ گئی اور آخر کار بلوچ مورچہ چھوڑ کر منتشر ہو گئے۔ محراب خان گچکی بھی اپنے ساتھیوں سمیت

میدان جنگ سے پسپا ہوئے لیکن عین اسی وقت خان قلات میر محراب خان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے میر بلوچ خان نوشیروانی اپنے مٹھی بھر غازیوں کے ساتھ نمودار ہوئے اور انہوں نے اپنی بندوقیں پھینک کر تلواریں نکال لیں اور اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ اس موقع پر انگریزوں نے ان پر زبردست شیلنگ کی اور ایک ایک کر کے سارے غازی جام شہادت نوش کر گئے۔ میر بلوچ خان چند قدم آگے بڑھ سکا تھا کہ ایک گولی اس کے سینے پر آ کر لگی اور یہ عظیم رہنما بھی جام شہادت نوش کر گئے۔ گوک پروش کی لڑائی دو گھنٹے تک پورے شدت سے جاری رہی۔ اس میں بلوچوں کے سرکردہ مجاہدین جام شہادت نوش کر گئے جن میں میر بلوچ خان نوشیروانی سکنہ کولواہ، میر محراب خان نوشیروانی، میر مہیم خان نوشیروانی، میر رستم خان نوشیروانی میر گل محمد نوشیروانی ساکنان بلیدہ، میر شکر اللہ گچکی سکنہ تمپ اور میر حیاتان رند سکنہ مند شامل ہیں۔ میر گل خان نصیر کے مطابق جنگ گوک پروش ڈھائی سو بلوچ شہید ہوئے جبکہ انگریزوں نے شہید ہونے والے بلوچوں کی تعداد ڈیڑھ سو بیان کی ہے۔(۲۶)

<u>فروری ۴، ۱۸۹۸ء:</u> گوک پروش کے واقعے کے چار دن بعد انگریزی دنیا رائٹرز کے حوالے سے اس جنگ کے انجام سے واقف ہوا، اس ضمن میں گلاسگو ہیرالڈ لکھتے ہیں ''کرنل مین کو ۳۱ جنوری کے صبح آٹھ بجے دشمن نظر آئے۔ انہوں نے تربت کے قریب پہاڑی درے کے مغربی حصے کو روکے رکھا تھا۔ کرنل مین نے حملہ جاری رکھا اور دشمن کے بائیں بازو کو نقصان پہنچایا اس کے بعد اس نے پیادہ اور سواروں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ دو گھنٹے کی شدید لڑائی کے بعد بلوچوں کے لشکر کا جن کی تعداد پندرہ سو کے قریب تھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ اس جنگ میں سو کے قریب بلوچ شہید ہوئے جن میں بلوچ خان، محراب خان، گل محمد اور بلوچ خان کا پوتا بھی شامل تھا۔ برطانوی فوج کے تین بلوچ سپاہی ہلاک اور آٹھ زخمی ہوئے۔ ایک توپچی ہلاک اور ایک زخمی ہوا۔ اس جنگ کے بعد کرنل مین کی فوج پانچ بجے تربت پہنچ گئی''۔(۲۷)

<u>مارچ ۱۷، ۱۸۹۸ء:</u> پال مال گزٹ کے مطابق حکومت ہند نے ان تمام بلوچ قبائل کو جنہوں نے گوک پروش کے جنگ میں حصہ لیا ان پر پچاس ہزار روپے کا جرمانہ عائد کر لیا۔ انہیں اس بات کا موقع دیا گیا کہ وہ یہ جرمانہ تین سال کے دوران ادا کریں۔(۲۸)

<u>مارچ ۱۸، ۱۸۹۸ء:</u> مکران کی بغاوت اور گوک پروش کی لڑائی کے بارے میں ناظم مکران اڈھوداس پولیٹکل ایجنٹ قلات کے نام اپنے ایک مراسلہ میں لکھتے ہیں ''مورخہ چھ جنوری کی رات

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

''بی بی گنجی زوجہ یار محمد سکنہ چمبر قلات، کولواہ مکران نے جس بہادری اور جرات مندی سے دس خلاصیوں کو پناہ دے کران کی جان بچائی اور اپنے شوہر کی عدم موجودگی میں انہیں بلوچ خان کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا اور انہیں باحفاظت ساحل مکران تک اپنے محافظ دستے کے ذریعے بھیجا۔ اس کی بہادری اور جرات کے اعتراف میں بی بی گنجی فو (گنجی پری) کو میں ایک سند اور خلعت فاخرہ جس کی مالیت پانچ سو روپے ہے، پیش کرتا ہوں۔

شملہ، ۱۵ اگست ۱۸۹۸ء

دستخط

وائسرائے اور گورنر جنرل آف انڈیا'' (۳۰)

اس بات سے قطع نظر کہ بی بی گنجی کے اس عمل کو مکران کے جدوجہد کے حوالے سے کس طرح دیکھا جائے گا لیکن بی بی گنجی نے بلوچی روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے اور ان کی پاسداری کرتے ہوئے جس بہادری اور جرات کا مظاہرہ کیا، اس سے اس عظیم خاتون کا نام مکران کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ و تابندہ رہے گی۔

بلوچ خان نوشیروانی کی جدوجہد اگرچہ ناکام ہوئی لیکن جہاں انگریزوں نے اس کی بہادری کی قدر کی اور اس کے لاش کے سامنے احتراماً اپنی ٹوپی سر سے اتار کر اس کو سلام کیا۔ اسی طرح مکران کے لوک داستانوں میں اس عظیم مجاہد کو آج بھی یاد کیا جاتا ہے اور لوگ فخر سے اپنے بچوں کا نام اس عظیم شہید کے نام نامی پر رکھتے ہیں۔ اس عظیم مجاہد کو مکران کے شعراء نے اپنے اشعار میں منظوم خراج تحسین پیش کیا ہے۔ ملک دینار میرواڑی ان الفاظ میں شہداء گوک پروش کو خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

زرتہ شہیدی ءَ در اول محراب کیان	وہ فردوس آشیاں اپنے جسم پر
عطر ءَ وشبوئی مشتگ فردوس آشیان	عطر اور خوشبو مل کر (میدان جنگ) میں آیا
زہم کتہ نرشیریں بلوچ خان پہلوان	پھر بلوچ خان (نوشیروانی) نے
چو رستم زال ءَ کش اِتہ شمشیر از میان	اور رستم ذال کی طرح حملہ کر دیا
چند قدم دیما رپتگنت شیریں سیاہ جگر	یہ سیاہ جگر شیر ابھی چند قدم ہی گیا تھا کہ
ریہتگ انت تیراں برسرءُ جانءَ چو مطر	گولیاں سر اور جسم پر بارش کی طرح برسنے لگیں

عبرتے گپتگ پریشنگ ءُ جن ءُ ہم بشر	(جرات پر) فرشتے، جن و انس حیران رہ گئے
کس گونے شاہان نہ کنت جنگ ءَ لینکدر	اس (انگریز) کے ساتھ کون ایسی لڑائی لڑ سکتا
تیر ئی شش مان انت رپتگنت دیما شیر نر	ہے۔ چھ گولیاں جسم میں پیوست ہوگئیں
نعرہ و گرّان ءَ شتہ چوش کہ پیل در	لیکن وہ ہاتھی کی طرح چنگھاڑتا آگے بڑھا
ہپتمی تیر ءَ برسرءُ دیم ءَ کرت گزر	ساتویں گولی اس کے سر کے پار گزر گئی
رستکت ھیات عرش ءُ آسمان ءَ بے قدر	عرش آسمان شور و ہیہات سے گونج اٹھا
نال اِتگ جن ءُ پریشنگ ءُ مخلوق ءَ ستر	فرشتے اور دوسری مخلوقات نے فریاد کی
مات نہ کنت پیدا ہم چشیں فرزند ءَ دگر	ماں اس جیسا بیٹا پھر نہیں جنیگی
برتگنت حُوراں جنّت الفردوس ءَ بہ سر	حوریں اسے اٹھا کر جنّت الفردوس لے گئیں

ملک دینار میرواڑی نے میر بلوچ خان نوشیروانی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے نہ صرف اس جنگ کے چیدہ چیدہ اشخاص کے ناموں کا ذکر کیا ہے بلکہ انہوں نے اس جنگ میں شہید پانے والے سرمچاروں کی تعداد بھی بیان کی ہے:

روستم ءُ گل محمد بژرت وش نامیں کبیر	روستم اور گل محمد نے بڑی نیک نامی پائی
دنت خداوندا جنّت ءِ حوراں ذوق ءُ سیر	خداوند تعالیٰ نے انہیں جنت میں حوروں سے بیادے محفوظ فرمائیں گے
مہر مہیم خان ءَ مشتگت عطراں گوں عبیر	میر مہیم خان نے اپنے جسم پر عطر و عبیر ملا تھا
میریں شکر اللہ گچکی شیرین بیرگیر	میر شکر اللہ گچکی شیر کے طرح بہادر اور منتقم تھا
ہم رفیقیءَ رفتت پہ فردوس منیر	رفیقوں کے ساتھ فردوس میں داخل ہوا
رند حیاتان بوت گوں وتی ہمراہاں شہید	حیاتان رند بھی اپنے ساتھیوں سمیت شہید ہوا
نام وشبوئیں اِشتہ تاں قیامت ءَ سعید	اس کا مبارک نام قیامت تک معطر رہے گا

------ ----

صاحب کرنیل ءُ اجنٹ ناکس صاحبان	کرنیل اور پولیٹکل ایجنٹ ناکس نے سنٹیوں
یک سدءُ ہشتاد کشتنت اچ قوم سنّیاں	کے ایک سو اسی آدمی مار ڈالے ۔ (۳۱)

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

ذریعے مالیہ کو ناظم اور نائب ناظم کے توسط سے خان قلات کو ادا کرنے کے پابند تھے۔اس طرح ناظم کو اس بات کا اختیار حاصل نہیں تھا کہ وہ ازخود سردار اور نائب کو نظرانداز کر کے مالیہ حاصل کرے۔ناظم کا کام یہ تھا کہ وہ خان قلات کو مالیے کے حوالے سے تمام امور سے آگاہ کر دے اور نائب کی ذمہ داری تھی کہ وہ مقامی معتبروں سے مالیے کے حوالے سے تمام مسائل کو حل کرنے میں مدد دے۔ناظم کے زیرانتظام لیوی فورس میں پنجابی بھی شامل تھے جنہیں مقامی لوگ پسندیدگی کی نظروں سے دیکھتے تھے لہٰذا ان کی جگہ براہوی شترفورس کو تعینات کیا گیا۔(۳۴)

عام معافی کا اعلان

مکران میں حکومتی رٹ قائم کرنے کے بعد انگریزوں نے بغاوت میں حصہ لینے والے افراد کے لئے عام معافی کا اعلان کر دیا۔کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ مکران کے انتظامی امور کو خوش اسلوبی سے حل کیا جائے۔مکران بغاوت میں حصہ لینے والے سرکردہ افراد بااثر خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے جن کے بغیر وہ مکران میں حکومت چلانے سے قاصر تھے لہٰذا انگریزوں کو اس کے سوا اور کوئی راستہ نظر نہیں آیا کہ وہ ان سرکردہ لوگوں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے۔جنوری ۱۸۹۹ء میں میر محراب خان گچکی، میر شاہنواز نوشیروانی، کہدا احمد خان، میر محمد عمر خان نوشیروانی، ملا مبارک واڈیلہ سکنہ نوکبر اور ان تمام افراد کو جنہوں نے گوک پروش کی جنگ میں حصہ لیا تھا، نہ صرف معافی دی گئی بلکہ ان میں سے بعض کے سابقہ وظیفے بھی بحال کئے گئے۔(۳۵)

عام معافی کے علاوہ انگریزوں نے مختلف افراد کو جرمانے کی سزائیں بھی دیں مثلاً انہوں نے ان تمام لوگوں پر پچاس ہزار روپے کا جرمانہ عائد کیا تھا جنہوں نے گوک پروش کے جنگ میں حصہ لیا تھا۔جس میں دس ہزار روپے فوراً ادا کر دئے گئے، باقی رقم بعد میں وصول کرنے کی یقین دہانی کرائی گئی تھی۔

گوک پروش کی جنگ سے پہلے سردار شئے عمر اور عبدالکریم کو بالترتیب سردار اور نائب کے طور پر انگریزی سرکار کی جانب سے ہر ایک کو دو ہزار دو سو ساٹھ روپے (۲۲۶۰) ملتے تھے۔لیکن جنگ کے بعد میر محراب خان گچکی کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے بعد انگریزوں نے اسے بھی دو ہزار دو سو ساٹھ روپے وظیفے کا حقدار ٹھہرایا۔اس کے برعکس عبدالکریم جس نے مکران کے جنگ میں انگریزی سرکار کا ساتھ دیا تھا اور دیوان اڈھو داس کی جان بچائی تھی، اسے ایک ہزار ایک سو تیس روپے کا وظیفہ دیا گیا۔جبکہ اس کے بھائی شئے قاسم کو بھی ایک ہزار ایک سو تیس روپے کا حقدار ٹھہرایا

گیا۔سردار شئے عمر کو جنگ سے پہلے جو دو ہزار دو سو ساٹھ روپے ملتے تھے وہ واپس لے لئے گئے۔ اس بارے میں انگریزوں کی جانب سے مقرر کردہ انکوائری کمیشن کے سربراہ لیفٹیننٹ نوکس کے مطابق ''چونکہ میر محراب خان اپنے بھائی شئے عمر سے زیادہ طاقت ور ہیں اور وہ اس خطے میں ہمارے مفادات جو کہ ٹیلی گراف لائن کی تحفظ سے وابستہ ہیں، کا بہتر طور پر خیال رکھ سکتے ہیں۔ ان کو اس رقم کا حقدار بنانے سے ٹیلی گراف لائن کی حفاظت موثر طریقے سے کی جاسکے گی۔(۳۶)

عبدالکریم کے وظیفے کو آدھا کرنے کی متعلق نوکس کا خیال تھا کہ عبدالکریم اپنی پرانی طاقت کھو بیٹھے تھے۔اگرچہ اس کے تعلقات مکران کے بزنجو قبائل کے ساتھ گہرے تھے اور اس بات سے صرف نظر نہیں کرنا چاہیے کہ انہوں نے دیوان کی جان بچائی تھی۔لیکن عبدالکریم خان اتنے معصوم بھی نہیں تھے۔وہ تو موقع کی تلاش میں تھے کہ کس طرح میر محراب خان سے بدلہ لے سکے اور اگر اسے موقعہ ملتا تو وہ دیوان کو ختم کرنے میں دریغ نہیں کرتا لیکن اس کے دورخی چال سے انگریز واقف تھے لہٰذا انہوں نے بجائے انعام واکرام کے عبدالکریم کو ملنے والے وظیفے میں سے کٹوتی کر کے نصف اس کے بھائی شئے قاسم کو دینے کا فیصلہ کر لیا۔کیونکہ شئے قاسم مکران میں ایک طاقتور سردار کی صورت میں ابھر رہا تھا لہٰذا وہ انگریزوں کے لئے عبدالکریم سے زیادہ موثر ثابت ہوسکتا تھا۔اس طرح چونکہ شئے عمر ایک سست اور نااہل حاکم تھا لہٰذا اس کے مقابلے میں میر محراب خان اپنی بہادری اور سخاوت کی وجہ سے انگریزوں کے قریب ہوگیا۔اگرچہ انگریز اس بات سے اچھی طرح واقف تھے کہ میر محراب خان اپنے بھائی سے زیادہ قابل اور عوام الناس میں زیادہ مشہور ہیں لیکن اسے حکومت نہ دینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک طاقتور آدمی تھا اور انگریز کی طاقت سے ٹکر لے سکتا تھا لہٰذا وہ اسے کسی بھی صورت میں طاقت کا اختیار دے کر اپنے لئے مصیبت کھڑی کرنا نہیں چاہتے تھے۔میر محراب خان کے برعکس شئے عمر، انگریزوں کیلئے ایک پٹھو حاکم کے حیثیت رکھتا تھا جو کہ انگریزوں کے اشاروں کا منتظر رہتا تھا (جسے ہم جدید اصطلاح میں ریموٹ کنٹرول حاکم کہہ سکتے ہیں)۔انگریز شئے عمر کو حاکم بھی رکھنا چاہتے تھے لیکن انہیں ٹیلی گراف لائن کی تحفظ کے مد میں ملنے والے وظیفے سے محروم کر دیا گیا۔یہاں تک کہ میر مہراللہ رئیسانی بھی حکومتی امور کے سلسلے میں اسے نظرانداز کر کے میر محراب خان سے مشاورت کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔(۳۷)

انگریزوں کا نودِز پر حملہ

گوک پروش سے پسپائی کے بعد محراب خان کیچ کے کلات میں پناہ گزین ہوئے۔وہاں سے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

باری شروع کی گئی۔ جب اس سمت میں خاموشی چھا گئی تو قلعے کے مینار پر گولہ باری شروع کی گئی۔ گولہ باری شدید تھی جس کی آڑ لے کر لیفٹیننٹ اورٹن (Orton) کی سرکردگی میں ۲۶ بلوچ پلٹن کو قلعے کی مشرقی حصے سے اندر داخل ہونے کا حکم دیا گیا۔

دن کے گیارہ بج کر بیس منٹ پر قلعے پر گولہ باری شروع کی گئی جو کہ دوپہر ایک بج کر تیس منٹ تک جاری رہی۔ قلعے میں موجود بلوچوں نے انگریزوں کا بے جگری سے مقابلہ کیا لیکن آخر کار دو گھنٹے کی طویل لڑائی کے بعد قلعہ انگریزی فوج کے ہاتھ میں آ گیا۔(۴۱)

انگریزی لشکر کے کئی افسر جو کہ آگے آگئے تھے، اس جنگ میں اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھے اور چند ایک گھائل بھی ہو گئے تھے۔ قلعے میں پچاس دن تک محصور رہنے کے باوجود بہادر بلوچوں نے انگریزوں کا جوانمردی سے مقابلہ کیا اور تلواریں سونت کر اس طرح بے جگری سے لڑے کہ انگریزی لشکر کے قدم اکھڑ گئے۔ قلعے میں محصور بلوچوں نے انہیں دوبارہ ان شگافوں سے باہر دھکیل دیا جو توپوں کے حملے سے قلعے میں پڑ گئے تھے۔ انگریزی دستے کی پسپائی کے بعد انہوں نے تازہ دم دستے کو اندر دھکیلا اور انہوں نے آتے ہی گولیوں کی باڑ مار کر کے بلوچ حملہ آوروں کو پیچھے دھکیل دیا۔ انگریزی لشکر کو اس دوران توپ خانہ کی کمک بھی ملتی رہی جس کے نتیجے میں قلعے کی دیوار کئی جگہوں سے ٹوٹ کر گر گئی۔ بلوچ مقابلہ پر ڈٹے رہے یہاں تک کہ وہ زخموں سے چور ہو کر گر پڑے۔ اس طرح دن کے ڈیڑھ بجے نودز کا قلعہ انگریزوں کے ہاتھ میں آیا"۔(۴۲)

جب انگریز قلعے کے اندر داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ میر محمد علی نوشیروانی جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ اس کا بھائی در محمد اور کزن بہادر خان زخمی تھے۔ نودز قلعے کا مالک مراد خان بھی اس جنگ میں شہید ہوا جس کے ساتھ چار بلوچ جانباز بھی شہادت کے درجے پر فائز ہوئے۔ جبکہ ترسیٹھ افراد گرفتار کئے گئے اور چار افراد فرار ہونے میں کامیاب ہوئے یا قلعے کے ملبے تلے زندہ دفن ہو گئے۔ انگریزی فوج کا نقصان بھی کم نہ تھا۔ انگریزی لشکر کے دو یورپی سپاہی زخمی اور تین مقامی سپاہی ہلاک جبکہ پانچ افراد زخمی ہو گئے تھے۔ اس طرح انگریزی لشکر کے دس افراد ہلاک و زخمی ہو گئے تھے۔

ناظم مکران مہراللہ رئیسانی نے اپنے ایک خط میں اے جی جی بلوچستان کو لکھا کہ نودز پر حملے کے وقت اسے مندرجہ ذیل معتبرین کی حمایت اور کمک حاصل تھی:

۱-سردار شئے عمر گچکی، ۲-میر عبدالکریم گچکی، ۳-میر رستم خان گچکی، ۴-میر شہنواز خان نوشیروانی، ۵-میر سرفراز خان نوشیروانی، ۶-میر عبدالغنی گچکی، ۷-میر کریم خان گچکی، ۸-میر

بوھیر خان گچکی، ۹-میر بہرام خان گچکی جبکہ قلعے میں محصور افراد میں میر محمد علی خان نوشیروانی، میر در محمد نوشیروانی، بہادر خان نوشیروانی، شاہ سوار، نور محمد، مراد محمد، اور حیا تان شامل تھے۔(۴۳)

نودز کا قلعہ ۲۰ دسمبر ۱۹۰۱ء کو فتح کر لیا گیا۔ اگلے دن یعنی اکیس دسمبر (۱۹۰۱-۱۲-۲۱) کو کیچ کے مقام پر ایک جرگہ منعقد ہوا جس کی سربراہی ناظم مکران میر مہراللہ رئیسانی نے کی۔ جرگے کے اراکین میں سردار شئے عمر گچکی، سردار عبداللہ خان گچکی، میر محراب خان گچکی، میر عبدالکریم خان گچکی، خان بہادر محمد حسن خان گچکی، میر بہرام گچکی، خان صاحب دراخان، میر کریم خان، میر بوہر خان، میر شہنواز خان نوشیروانی، سرفراز خان نوشیروانی، میر محمد اکبر خان نوشیروانی، میر دلمراد میرواڑی، میر کہدہ کینگی، میر روزی، میر نور محمد رند، میر دین محمد رند اور میر کہدہ عثمان شامل تھے۔ انہیں ۸۹ لوگوں کی قسمت کا فیصلہ کرنا تھا جو کہ نودز کے قلعے میں دوران جنگی قیدی بنائے گئے تھے۔ ان میں دس کے قریب عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ شیران داد کریم جو کہ نودز پر حملے کے نتیجے میں زخمی تھا، اس کا علاج کیا گیا اور مندرجہ بالا جرگہ نے شیران کو پھانسی کی سزا دی۔ مہراللہ رئیسانی نے جرگے کے فیصلے کی توثیق کے لئے پولیٹکل ایجنٹ قلات کے پاس بھیجا اور خان قلات کی منظوری حاصل کرنے کے بعد ۴ فروری ۱۹۰۲ء میں شیران کو تربت میں پھانسی دی گئی اور اس کی جائیداد ضبط کر لی گئی۔(۴۴)

میر در محمد ولد شہباز خان نوشیروانی سکنہ کولواہ کو بیس سال قید با مشقت اور بیس ہزار روپے جرمانے کی سزا دی گئی۔ جبکہ بہادر خان ولد مدد خان نوشیروانی سکنہ ھور کولواہ کو دس سال قید با مشقت اور ایک ہزار روپے جرمانہ کی سزا سنائی گئی اور عدم ادائیگی پر مزید ایک سال قید کی سزا دی گئی۔ ان کے علاوہ باقی لوگوں کو مختلف المیعاد کی سزائیں دی گئی تھیں۔(۴۵)

اس جرگے کی خاص بات یہ تھی کہ ان میں بیشتر شرکاء نے گوک پروش کی لڑائی میں انگریزوں کے خلاف جنگ میں حصہ لیا تھا لیکن بعد ازاں معافی اور مراعات ملنے کے بعد شہداء گوک پروش کے شہیدوں کے خون سے غداری کر کے انگریزوں کے ساتھ مل کر اپنے ہم قوم بلوچ سرمچاروں کو سزائیں سنانے میں انہوں نے کسی قسم کی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کیا۔ نودز کے سرمچاروں کو جس قسم کی سزائیں سنائی گئیں تھیں ان سے ایسا لگتا تھا کہ ایک دشمن ملک کا فاتح حکمران کسی مفتوح علاقے کے افراد کے قسمت کا فیصلہ سنا رہا ہو۔

نودز کے قلعے کو پچاس دنوں تک محصور رکھنے کے باوجود فتح نہ کرنے سے ناظم مکران کے زیر اثر خان قلات کی فوج کے نام سے جو دستہ رکھا گیا تھا وہ چنداں مفید ثابت نہ ہوا۔ لہذا اس دستے کو توڑ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

کرتے رہے اور عوام کی معاشی اور معاشرتی زندگی سے انہیں کوئی سروکار نہ تھا۔ لارڈ کرزن مکران اور فارس کے علاقوں کے متعلق گہری نظر رکھتے تھے۔ لیکن وہ ان علاقوں کی ترقی کے لئے کوئی بھی قدم اٹھانے کے لئے تیار نہ تھے کیونکہ اس عمل کے نتیجے میں برطانوی ہند کو کوئی خاص منافع ملنے کی توقع نہ تھی لہذا تاجر ذہن کے مالک انگریز اس خطے میں کسی قسم کی سرمایہ کاری سے ہچکچاتے رہے۔

مکران کے لوگوں کو برطانوی طاقت سے مرعوب کرتے ہوئے لارڈ کرزن نے اس موقع پر کہا تھا کہ افغانستان کے بارڈر سے لے کر ساحل مکران تک اور فارس کے سرحدی علاقوں سے لیکر برطانوی ہند تک کوئی اور طاقت بلوچستان پر حکومت نہیں کر سکتی ماسوائے برطانوی راج کے جو کہ خان قلات کا دوست ہے اور جس کی طاقت کی بنیاد خان قلات اور اس کے سردار ہیں جو کہ اس خطے پر ان کی جانب سے حکمرانی کر رہے ہیں لیکن اصل میں وہ برطانوی راج کا حصہ ہیں جس کا انہیں احساس ہونا چاہیے۔ برطانوی راج اس خطے کو بیرونی حملہ آوروں سے بچائے گی اور اس کی مدد سے یہ علاقہ امن و امان کا گہوارہ ہوگا۔ مکران کے ناظم مہراللہ کے متعلق لارڈ کرزن نے کہا کہ انہوں نے پچھلے پانچ سالوں سے اس خطے کے لئے مہراللہ کو ناظم مقرر کیا اور اس کے کام سے متاثر ہو کر انہوں نے اسے ''سر'' کا خطاب دیا۔ نودز کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ جب محمد عمر نوشیروانی نے بغاوت کی اور مکران کے امن کو متاثر کیا تو ہم نے کوئی وقت ضائع کئے بغیر اس کی سرکوبی کی۔ جس میں میجر شاورس نے دو دفعہ حصہ لیا اور اس بغاوت کو فرو کر دیا۔ سرحدی علاقوں کے امن و امان کی صورتحال کے حوالے سے لارڈ کرزن کا کہنا تھا کہ اس کا ذمہ دار برطانوی سرکار نہیں ہے اور اسے یہ سن کر افسوس ہوا ہے کہ سرحدی علاقہ جات میں فارس سے آنے والے لوگ آئے دن حملے کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ اس ضمن میں وہ فارس کے اہلکاروں سے بات چیت کریں گے۔ لیکن مکران کے لوگوں کو خبردار کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ اگر قلاتی مکران میں اس طرح کی کوئی شورش بھرپا ہوئی تو اس کو سختی سے کچل دیا جائے گا۔ سرداروں کی برطانوی ہند سے وفاداری کی تعریف کرتے ہوئے لارڈ کرزن نے یقین ظاہر کیا کہ وہ آئندہ بھی اسی قسم کی روش اپنائیں گے، اس طرح مکران میں حکومتی رٹ قائم و دائم رہے گی۔ انہوں سرحدی علاقوں میں خان قلات اور اس کی نمائندگی کرنے والے ناظم کی کوششوں کو سراہا اور اس ضمن میں اپنی مدد کی یقین دہانی کروائی۔

لارڈ کرزن نے مکران کی ترقی کو اس خطے میں امن و امان سے مشروط کر دیا کہ اگر اس علاقے میں امن ہوگی تو آمدرفت کے ذرائع پیدا ہونگے اور اس کے ساتھ ساتھ خوشحالی بھی آئے گی۔ پسنی

بندرگاہ کے حوالے سے انہوں نے ناظم کو کسی قسم کی یقین دہانی سے گریز کیا کہ یہ شہر مستقبل میں ان کے لئے کسی قسم کی اہمیت کا حامل ہوگا۔ اور لوگوں کو تلقین کی وہ اس معاملے میں حکومت کی طرف نہ دیکھیں کہ وہ ان کے لئے سب کچھ کرے گی بلکہ اس ضمن میں انہیں خود آگے بڑھنا ہوگا اور وہ عوامی بہبود کے کاموں میں آگے آ کر اس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں۔

لارڈ کرزن نے آخر میں سرداروں بالخصوص جام لسبیلہ کی تعریف کی کہ وہ اتنی دور سے چل کر پسنی آئے اور دربار میں شریک ہوئے۔ اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے سردار سرغوث بخش رئیسانی اور سرداران پنجگور اور کیچ کا شکریہ ادا کیا۔ اس دربار میں قلات کے پولیٹیکل ایجنٹ میجر شاورس نے بھی خصوصی طور پر شرکت کی۔ اس طرح یہ مدح سرائی اور دبدبہ جمانے کی تقریب اپنے اختتام کو پہنچی۔

اس تقریب سے اہلیان پسنی کو خاص فائدہ حاصل نہ ہوا البتہ سرداروں اور ان کے خاص معتبروں کی حاضری اس لئے ضروری تھی کہ کہیں حکومت ہند ان کے سرکاری مشاہرے جو کہ انہیں ٹیلی گراف لائن کی مد میں ملتے تھے، اس پر کوئی اثر نہ پڑے۔ (۴۷)

مہراللہ رئیسانی کی برطرفی

گوک پروش کے جنگ کے بعد مہراللہ رئیسانی کو ۱۸۹۹ء میں مکران کا ناظم مقرر کر دیا گیا۔ مہراللہ خان ۱۹ سال تک مکران کے سیاہ و سفید کے مالک رہے۔ انہوں نے مکران پر وسیع اختیارات کے ساتھ حکومت کی اور مکران میں انگریزوں کے وفادار معتبرین اور سرداروں کی ہمیشہ حوصلہ افزائی کی۔ جنگ عظیم اول کے دوران انگریزوں کو ناظم مہراللہ کے خلاف بعض ایشی شکایتیں پہنچیں جن کے پیش نظر اس کو مزید عرصہ کے لئے مکران کا ناظم رکھنا انگریزی حکومت کے مفادات کے خلاف تھا چنانچہ ۱۹۱۷ء میں میر مہراللہ کو ناظم مکران کے عہدے سے سبکدوش کر دیا گیا۔ (۴۸)

اس زمانے میں خان قلات میر محمود خان کے بھائی میر محمد اعظم جان پشین (برطانوی بلوچستان) میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے۔ ۱۹۲۲ء میں اے۔ جی۔ جی نے میر محمود خان سے اس بات کی خواہش کا اظہار کیا کہ شہزادہ میر محمد اعظم جان کو مکران کا ناظم مقرر کر دیا جائے۔ میر محمود خان نے اس کی تقرری کو بخوشی منظور کر لیا کیونکہ مکران پر حکومت کرنا آسان نہ تھا اور چونکہ وہ میر اعظم جان کو اپنے راستے کی سب سے بڑی رکاوٹ سمجھ رہے تھے، ان کا خیال تھا کہ مکران میں ناکامی

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

43- Mir Mehrulla Khan to A.G.G. December 14th, 1901, IOR, R/1/34/23

44- Proceedings of jirga held at Nodiz, 21st, December 1901, IOR, R/1/34/23

اور مری، شاہ محمد (۲۰۰۰)، بلوچ قوم قدیم عہد سے عصر حاضر تک، تخلیقات، لاہور، صفحہ نمبر ۲۰۹

45- IOR, R/1/34/23

۴۶- نصیر، میر گل خان (۲۰۰۰) ایضاً صفحہ نمبر ۳۵۲

47- Public darbar at Pasni, December 6th, 1903, R/1/34/26

۴۸- نصیر، میر گل خان (۲۰۰۰)، ایضاً صفحہ نمبر ۳۰۹ ۴۹- ایضاً صفحہ نمبر ۳۹۹

باب ہژدھم

انگریز دور (حصہ چہارم)

سازشوں کا دور ۱۹۳۳ عیسوی تا ۱۹۴۸ عیسوی

مکران میں اصلاحات کا آغاز

خان قلات میر محمود خان ۱۹۲۵ء میں اپنی بصارت کھو بیٹھے اور وہ قلات کے میری (قلعے) میں محصور ہو کر رہ گئے۔ قلات کی عنان حکومت سر شمس شاہ کے سپرد تھی جو ان دنوں ریاست قلات کا وزیر اعظم تھا۔ بصارت سے محروم ہونے سے پیشتر محمود خان کی ریاست قلات پر برائے نام حکومت تھی۔ اس کا کام صرف کاغذات پر دستخط تک محدود تھا۔ بینائی کھونے کے بعد وہ اس عمل سے بھی محروم ہو گیا اور وزیر اعظم سر شمس شاہ ریاست قلات کے سیاہ و سفید کا مالک بن بیٹھا اور انہوں نے خان قلات کے نام پر ریاست کے مظلوم عوام اور کمزور سرداروں پر اپنی من مانی شروع کر دی۔ میر محمود خان جوانی میں ایک رنگین مزاج حاکم تھا۔ دوسروں پر فقرے کسنا اور مذاق اڑانا ان کی عادت تھی۔ ہمیشہ خوش رہتے اور خوشی حاصل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے۔ اس کی ان عادتوں کی وجہ سے سردار اور معتبرین نے ان سے ملنا جلنا ترک کر دیا تھا۔ انہیں ریاستی امور سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ انگریزوں کے مقرر کردہ وزیر اعظم اور پولیٹکل ایجنٹ ہی قلات کے اصل حکمران تھے۔ بینائی کھو دینے کے بعد محمود خان مزید تنہائی کا شکار ہوئے اور دو اور تین نومبر (۱۹۳۱ء) کی درمیانی رات کو وہ قلات کے جاہ نشینی کا فیصلہ کئے بغیر اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ محمود خان کی اولاد نرینہ کی بہتات تھی لیکن وہ زیادہ تر اس کے لونڈیوں سے تھے لہذا انہیں بلوچی معاشرے میں حکمرانی کا حق حاصل نہ تھا۔ انگریزوں کے لئے اس بات کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ محمود خان کے چھوٹے بھائی میر اعظم جان کو خان مقرر کر دے جو کہ اپنے والد میر خداداد خان کے ساتھ پشین میں جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے (میر خداداد خان پشین میں جلاوطنی کے دوران اس دار فانی سے کوچ کر گئے، انہیں پشین میں دفن کیا گیا)۔ میر محمود خان اپنی زندگی میں اسے جاہ نشین مقرر کرنے کے حق میں نہیں تھے لہذا سرداروں کی باہمی مشاورت کے بعد اے جی جی نے میر اعظم

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

پیچھے بھاگ رہا ہو جس پر ریاست کا کارندہ سوار اور بلوچ کے اونٹ کو بیگار میں پکڑ کر دوڑاتا ہوا جا رہا ہے اور وہ بیچارہ بلوچ اس کے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے تاکہ وہ منزل پر پہنچ کر اس کارندے کیلئے پانی وایندھن وغیرہ کے ساتھ ساتھ اپنے اونٹ کیلئے چارے کا بھی انتظام کرے۔(۳)

اس غیر انسانی فعل میں خوانین قلات اور اس کے ہمنوا لچکی سردار خیل دونوں برابر کے گناہگار تھے۔ اس کے علاوہ مالی، بجار اور پرسی کے نام سے وصول کئے جانے والے ٹیکسوں کو منسوخ قرار دیا گیا۔ ان ٹیکسوں کی خاتمے میں کراچی اور کوئٹہ میں شائع ہونے والے قوم پرست اخباروں کا بڑا عمل دخل ہے۔ اس سلسلے میں میں ہفتہ وار ''البلوچ'' اور ''استقلال'' کے کردار سے صرف نظر رکھنا ناانصافی ہوگی۔

گوادر بندرگاہ کی واپسی کا مسئلہ

جیسا کہ باب دوازدہم میں اس بات کا ذکر آچکا ہے کہ ۱۷۸۳ء میں گوادر مسقط کے جلاوطن شہزادے کو بطور گزارہ جاگیر نصیر خان اول نے دی تھی۔ لیکن بعدازاں جب شہزادے نے مسقط کے تخت کو حاصل کرلیا تو اس نے گوادر کو اپنی ملکیت میں رہنے دیا۔ اس طرح مکران کا ساحلی شہر گوادر مسقط کے سلطانوں کے زیر اثر رہا۔

انیسویں صدی کے آغاز میں گوادر ایک چھوٹے سے ماہی گیر علاقے سے ترقی کرتا ہوا ایک مصروف ترین تجارتی بندرگاہ کا روپ دھار گیا۔ اس کی معاشی ترقی اور تجارتی سرگرمیوں کے نتیجے میں اس کی آمدنی میں بے تحاشہ اضافہ ہوگیا، جس سے خان قلات کی آنکھیں چندیا گئیں وہ چاہتا تھا کہ کسی بھی طریقے سے گوادر کو انگریزوں کی مدد سے مسقط سے دوبارہ حاصل کیا جاسکے۔ نصیر خان اول اگر چاہتا تو بڑی آسانی سے اس بندرگاہ کو دوبارہ حاصل کرسکتا تھا لیکن انہیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں تھی اور نصیر خان کے بعد آنے والے خوانین قلات میں اتنی اہلیت نہ تھی کہ وہ گوادر کو دوبارہ مسقط سے حاصل کرسکیں۔ اگرچہ ۱۸۳۹ء اور ۱۸۴۷ء میں مکران کے لچکی سرداروں نے گوادر پر قبضہ کرنے کی ناکام کوششیں کیں، جس کی وجہ یہ تھی کہ مسقط کے مقامی امام نے لچکی سرخیل کو گوادر سے ملنے والی مالیہ میں ان کے حصے کو دینے سے انکار کیا۔ ان حملوں کے نتیجے میں چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوئیں لیکن مسقط کے اہلکار چالاک تھے، انہوں نے لچکی سردار حملوں کا منہ بند رکھنے کی خاطر انہیں بیش بہا تحفے اور غلام دے نوازا۔ جس کے نتیجے میں انہوں نے گوادر پر اپنے حملے کو ترک کرکے واپس کیچ لوٹ گئے۔(۴)

اسی طرح ۱۸۵۷ء میں خان قلات میر نصیر خان دوم نے گوادر پر دوبارہ قبضہ کرنے کی خاطر اس پر حملہ کردیا لیکن سلطان نے انہیں بھی چند غلام اور ایک نایاب تلوار دیکر جان چھڑالیا۔ اس ضمن میں مکران گزیٹر میں لکھا ہے کہ نصیر خان دوم کو مسقط کے امام نے پندرہ غلام اور پانچ لونڈیاں تحفے میں دیں۔(۵)

انڈو یورپین ٹیلی گراف لائن کی حفاظت کی خاطر برٹش ہند نے گوادر میں ۱۸۶۳ء میں ایک اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ کو نامزد کردیا، جس کی مدد سے مقامی سطح پر خان قلات اور پڑوس کے قاچار حکمرانوں کے درمیان مسقط کے گوادر پر قبضے کے حوالے سے رسہ کشی ختم ہوگئی۔ اسی طرح برٹش اہلکاروں کی موجودگی سے گوادر آئے دن کے حملوں سے بھی محفوظ رہا۔

خوانین قلات نے گوادر کی حوالگی کے اپنے مطالبات کو جاری رکھا۔ مثلاً ۱۸۶۱ء میں خان قلات نے برطانوی ہند کو مشورہ دیا کہ وہ گوادر کو مسقط سے خرید کر اسے قلات کے حوالے کردے، اس مطالبے کو انگریزوں نے یکسر رد کردیا۔ اسی طرح ۱۸۸۵ء میں رابرٹ سنڈیمن نے بھی گوادر کے ریاست قلات کو حوالگی کے حوالے سے برٹش سرکار کو ایک درخواست بھیجی لیکن اس پر عمل درآمد نہیں ہوسکا۔ جب میر محمود خان دوم قلات کے تخت پر فائز ہوئے تو انہوں نے بھی بیسویں صدی کے آغاز میں گوادر کے حوالگی کے مطالبے کو دھرایا لیکن اسے بھی اس ضمن میں کیے گئے سابقہ مطالبات کی طرح رد کردیا گیا۔ اسی طرح انہوں نے ۱۹۲۸ء میں بھی جب وہ مکمل طور پر نابینا ہو چکے تھے، اپنے پرانے مطالبے کو دھرایا لیکن اسے بھی مسترد کیا گیا۔(۶)

جب میر احمد یار خان قلات کے خان مقرر ہوئے تو انہوں نے گوادر حوالگی کے پرانے مطالبے کو نئی جہت دی۔ انہوں نے اس سلسلے میں قلات اسٹیٹ نیشنل پارٹی کے سیاسی اثر ورسوخ کو بھی اس مقصد کے لئے استعمال کرنا شروع کیا۔ خان قلات مکران کے ساحلی بندرگاہوں کی اہمیت سے واقف تھا لہذا انہوں نے فوراً پسنی بندرگاہ کی جانب توجہ مبذول کی۔ انگریزوں نے ۱۹۳۶ء میں خان قلات کے زیر اثر پسنی اور جیونی کی بندرگاہوں کو برٹش انڈین اسٹیم نیویگیشن کمپنی کے جہازوں کے لئے موثر قرار دیا کیونکہ ۱۹۳۴ء سے مسقط کے امام نے گوادر میں کسٹم کی شرح کو دگنا کردیا تھا۔ جس کی وجہ سے گوادر کے غیر مقامی تاجر جو کہ ہندو اور اسماعیلی خوجوں پر مشتمل تھے، انہوں نے ریاست قلات کے بندرگاہوں کی طرف رخ کیا۔ اس سے خان قلات کو ٹیکسوں کی مد میں ملنے والے رقم کا ایک بڑا حصہ ملا۔ دوسری جانب گوادر تجارتی سرگرمیوں کے مد میں ملنے والی ایک بڑی رقم سے محروم ہوگیا۔(۷)

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

(Henderson) نامی وکیل نے تحریر کیا تھا جس کے مطابق اگر مسقط کے سلطان گوادر کو فروخت کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں تو جین (جین فرقہ سے تعلق رکھنے والے) ہندو اسے خریدنے کے لئے تیار ہیں۔ جینی ہندوؤں کی تعداد پندرہ لاکھ کے قریب ہے اور وہ تجارت کے پیشے سے وابستہ ہیں۔ چونکہ انہیں اپنی ریاست بنانے کے لئے ایک خطہ زمین درکار ہے لہذا اگر گوادر کو مسقط کے سلطان فروخت چاہیں تو وہ اسے خرید لیں گے۔ (۱۲)

تقسیم ہند اور ریاست قلات

جب ۱۹۴۶ء میں یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ برطانوی ہند کو دو وحدتوں یعنی پاکستان اور ہندوستان میں تقسیم کیا جائے گا تو ریاست قلات کی آزادی کا سوال آن کھڑا ہو گیا۔ قلات کے لئے تین راستے تھے، پاکستان یا ہندوستان سے الحاق کیا جائے یا پھر ہندوستان سے برطانوی حکومت کے چلے جانے کے وقت اپنی آزادی کا اعلان کیا جائے۔ اس سلسلے میں جب احمد یار خان نے انڈین نیشنل کانگریس کے صدر پنڈت نہرو کو خط تحریر کیا تو اس کے جواب میں پنڈت نہرو نے خان قلات کو ۱۶ جون ۱۹۴۶ء کو اس کے خط کا جواب تحریر کرتے ہوئے کہا کہ ”کچھ مہینے پہلے دہلی میں ہماری میٹنگ میں قلات کے مستقبل کے حوالے سے تمام معاملات پر بات چیت ہوئی۔ ان میں چند سوالات کا تعلق جنرل کونسل آف آل انڈیا اسٹیٹس پیپلز کانفرنس سے تعلق رکھتے تھے جن کی حال ہی میں دہلی میں میٹنگ ہوئی تھی۔ ہم (کانگریس) نے ایک قرارداد کے ذریعے برطانوی حکومت کے اس فیصلے کو رد کر دیا جس کے تحت ریاست قلات کو ہندوستان سے الگ ایک ریاست تصور کیا جائے گا۔ کیونکہ (انہیں خدشہ تھا کہ) اس طرح برطانوی سامراج کو ہندوستان کے سرحدی علاقوں پر اپنے قدم جمانے کا موقع میسر آئے گا۔ اس طرح نہ ہمیں اور نہ ہی ریاست قلات کو (انگریزوں سے) آزادی ملے گی“۔ (۱۳)

کانگریس نہیں چاہتا تھا کہ وہ ریاست قلات کی آزادی کی حمایت کرے اس کی دو وجوہات تھیں۔ پہلا یہ کہ اس سے ان کو خطرہ تھا کہ آزاد وحدت ہند میں اس طرح کی ریاستوں کی تعداد بے شمار تھی اور اگر انہوں نے قلات کے روش کو اپنایا تو ان کی آزادی بے معنی ہو کر رہ جائے گی۔ اسی طرح وہ یہ بھی نہیں چاہتے تھے کہ ان کے پڑوس میں پاکستان ایک ایسی کمزور ریاست کی شکل میں ابھرے جس کے نتیجے میں ہندوستان کو غیر مستحکم ہونا پڑے۔ اس کے علاوہ چونکہ کانگریس ذہنی طور پر تقسیم ہند کے لئے تیار ہو چکا تھا لہذا انہیں ہندوستان کے سرحدی علاقوں قلات اور شمال

مغربی سرحدی علاقہ جات جہاں کانگریسی حکومت تھی، کے بارے میں ان کی دلچسپی ختم ہو چکی تھی۔

پنڈت جواہر لال نہرو سے بات چیت سے پہلے خان قلات کے آل انڈیا مسلم لیگ کے ساتھ اچھے تعلقات قائم تھے اور شروع میں مسلم لیگ کا رویہ خان قلات کے ساتھ ہمدردانہ تھا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر مسٹر جناح دو دفعہ بلوچستان آئے اور ایک دفعہ وہ کئی روز تک قلات میں احمد یار خان کے مہمان رہے۔ جب وہ واپس جانے لگے تو انہیں چندہ کے طور پر لاکھوں روپے کی چاندی کی سلیں پیش کی گئیں۔ (۱۴)

اسی طرح قاضی محمد عیسیٰ صدر بلوچستان مسلم لیگ بھی خان قلات کی مالی اور اخلاقی امداد سے مستفید ہوتے رہے۔ دسمبر ۱۹۴۵ء میں جب برطانوی ڈیلی گیشن آزاد ہند کے حوالے سے ہندوستان آیا تو انہوں نے آزادی کے مسئلے پر ہندوستانی لیڈروں اور والیان ریاست سے گفت و شنید کی۔ مسٹر جناح نے ڈیلی گیشن کے ساتھ خان قلات کی ایک غیر رسمی ملاقات کے لئے ان کے اعزاز میں ایک دعوت منعقد کی۔ اس دعوت میں مسٹر جناح نے خان قلات کا ممبران ڈیلی گیشن سے متعارف کرایا اور قلات کے مسئلے پر غیر رسمی بات چیت ہوئی۔ ہندوستان کے لیڈر آپس میں اختلاف رائے رکھنے کی وجہ سے کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکے لہذا یہ وفد ناکام ہو کر واپس برطانیہ لوٹ گیا۔ (۱۵)

برطانوی ڈیلی گیشن کی ناکامی کے بعد مارچ ۱۹۴۶ء میں لارڈ پیتھک لارنس کی زیر قیادت سر اسٹیفورڈ کرپس اور لارڈ الیگزینڈر پر مشتمل برطانوی وزارتی مشن ہندوستان آیا۔ اس موقع پر مسٹر جناح کے مشوروں اور مدد سے خان قلات نے ریاست قلات کی آئینی حیثیت کے بارے میں ایک یادداشت وفد کو پیش کر دی۔ یہ یادداشت مشہور قانون دان مسٹر آئی آئی چندریگر، سر سلطان احمد، سردار ڈی کے سین اور سر والٹر مائلٹن نے تیار کیا تھا۔ اس یادداشت میں قلات کی برطانوی ہند میں جداگانہ قانونی حیثیت اور ۱۸۷۶ء کے معاہدے مستونگ اور اس کے حوالے سے لیز پر لئے گئے ریاست کے علاقوں کا کھل کر ذکر کیا گیا۔ اس یادداشت میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ اسے محمد علی جناح کی مکمل حمایت حاصل تھی اور خان قلات نے مسٹر جناح سے تمام معاملات میں مشورہ کیا تھا۔ اس کے مطابق محمد علی جناح نے قلات کی آزادی، مستجار علاقوں کی واپسی اور بلوچستان کے دوسرے بلوچی خطوں (خاران اور لسبیلہ) کو قلات میں شامل کرنے سے مکمل اتفاق کیا۔ (۱۶)

جنوری ۱۹۴۷ء میں خان قلات میر احمد یار خان نے وائسرائے ہند لارڈ ویول (Lord Wavell) سے ملاقات کی اور انہیں ریاست قلات کی جداگانہ حیثیت سے آگاہ کر دیا۔ اس ملاقات کے حوالے سے لارڈ ویول لکھتے ہیں ”پھر میں نے خان قلات کو دیکھا، جو کہ مضبوط

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

کے اجارے پر حاصل کیے گئے علاقوں کو بغیر کسی تبدیلی کے حکومت پاکستان کے ماتحت کر دیا گیا۔

چار اگست ۱۹۴۷ء کو وائسرائے اور ریاست قلات کے وفد جس کی قیادت خان قلات، وزیر اعظم قلات نوابزادہ محمد اسلم خان اور خان قلات کے قانونی مشیر سر سلطان احمد کر رہے تھے، اس معاہدے کا ابتدائی ڈرافٹ تیار کیا گیا۔ اس معاہدے کے تمام نکتوں کو جوں کا توں رہنے دیا گیا لیکن بعد ازاں جب اس معاہدے کا ڈرافٹ مسٹر جناح کے سامنے پیش گیا تو اس نے مقام کے حوالے سے ''کراچی'' کا اضافہ کیا تا کہ اس سے یہ مطلب نہ لیا جائے کہ خان قلات مستقبل میں حکومت برطانیہ سے لندن میں جا کر اس معاہدے کے حوالے سے ان سے رجوع کریں۔ (۲۳)

اس معاہدے کے حوالے سے وائسرائے ہند اپنے ذاتی رپورٹ جو کہ انہوں نے آٹھ اگست ۱۹۴۷ء کو قائمہند کئے، اس میں لیاقت علی خان اور محمد علی جناح سے اپنی میٹنگ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب پارٹیشن کونسل کی میٹنگ ختم ہوئی تو مسٹر جناح نے مجھے کہا کہ ''خان قلات کو قابو میں رکھنا مشکل نہیں ہے اگر دوسری طرف سے (اشارہ کانگریس کی طرف ہے) اسے شہہ نہ ملا ہو کہ پاکستان کے لئے مشکلات کھڑی کردے''۔ جناح صاحب کے ان خیالات کے متعلق وائسرائے آگے چل کر لکھتے ہیں کہ ''(مسٹر) جناح کے ان الزامات میں سچائی ہو نہ ہو میرے خیال میں وہ خود اس ضمن میں مورد الزام ٹھہرائے جا سکتے ہیں، جب انہوں نے ہندوستان میں شامل ریاستوں جن کے سربراہ مسلمان ہیں مثلاً حیدر آباد، بھوپال اور رام پور پر غیر ضروری زور دیا کہ وہ پاکستان کے ساتھ شامل ہوں'' (۲۴)

جب حکومت پاکستان اور ریاست قلات کے نمائندوں کے درمیان قلات کی آزادی سے متعلق معاہدات طے پائے تو رائٹرز کے ہندوستانی ذرائع نے اس خبر کو آل انڈیا ریڈیو کے ذریعے نشر کر دیا۔ اس خبر کے مطابق ''حکومت پاکستان نے ریاست قلات کو ایک نئی وحدت کے طور پر تسلیم کر لیا جو کہ تاج برطانیہ کے ساتھ معاہدات کے ذریعے منسلک ہے۔ اس معاہدے کے رو سے ریاست قلات کی جداگانہ حیثیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔ جس کی حیثیت ہندوستان کے باقی ریاستوں سے مختلف ہے۔ دفاع، خارجہ امور اور مواصلات کے ضمن اور مستجار علاقوں کی مستقبل کے بارے میں پاکستان اور قلات کے درمیان گفت وشنید کی جائے گی۔ (۲۵)

اسی خبر کو ہندوستان کے موقعر اخبار Statesman کلکتہ نے مورخہ بارہ اگست ۱۹۴۷ء کو نمایاں سرخی کے ساتھ شائع کیا کہ ''پاکستان کا قلات کے ساتھ معاہدہ (اس کی) آزادی کو تسلیم کیا گیا''۔ اس خبر میں معاہدے کے ان تمام نقاط کو بھی شائع کیا گیا جو کہ ریاست قلات، حکومت

پاکستان اور تاج برطانیہ کے درمیان قرار پائے تھے۔ (۲۶)

مورخہ بارہ اگست ۱۹۴۷ء ہی کو ایسوسیٹ پریس (A.P.) لندن کے ذریعے اس خبر کو دنیا کے موقر اخبارات میں بھیج دیا گیا۔ نیویارک ٹائمز میں قلات کی آزادی سے متعلق خبر کو نمایاں جگہ دی گئی جس کے مطابق ''نیو دہلی سے اعلان کیا گیا کہ قلات جو کہ بلوچستان میں ایک مسلمان ریاست ہے، اس کا اور حکومت پاکستان کے درمیان ایک معاہدہ طے پایا ہے جس کے تحت دونوں ریاستوں کے درمیان آزادانہ ذرائع آمد ورفت اور تجارت کے حوالے سے تعلقات استوار ہو گئے۔ اس کے علاوہ دفاع، امور خارجہ اور آمد ورفت کے حوالے سے مزید گفت وشنید جاری رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس معاہدے کے تحت حکومت پاکستان نے قلات کی جداگانہ اور آزادانہ حیثیت کو تسلیم کرتے ہوئے اسے ہندوستانی ریاستوں سے مختلف قرار دیا۔ (۲۷)

ریاست قلات آزادی کے بعد

پندرہ اگست ۱۹۴۷ء کو خان قلات نے ریاست قلات کی آزادی کا رسمی فرمان جاری کیا۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے خان قلات نے ریاست قلات سے متعلق اپنے نظریات کو عوام کے سامنے پیش کرتے ہوئے کہا ''جب سے قوم نے اپنی خدمت میرے سپرد کی ہے۔ اسی دن سے میرے دل میں تین آرزوئیں پرورش پاتی رہی ہیں:

ا- اس سرزمین کو جس کی سرحدیں ایک طرف افغانستان، دوسری طرف ایران، تیسری طرف ہندوستان اور چوتھی طرف سے سمندر سے ملی ہوئی ہیں اور جس پر ہماری قوم نے پانچ سو سال ہوئے اپنی بلوچی حکومت قائم کی تھی، بیرونی اثر، غلامی اور ذلت کی زندگی سے آزاد کرایا جائے۔

ب- اس سلطنت میں ہماری سابقہ روایات کے مطابق شرعی حکومت ہو اور ہمارا آئین قرآنی ہو۔

ج- بلوچ قوم کو متحد کر کے ایک مرکز پر جمع کیا جائے۔ جہاں اس آزادی پسند اور مستعد قوم کی اپنی حکومت اور مستقل جداگانہ نظام ہوتا کہ یہ قوم بھی دنیا کے آزاد قوموں کے دوش بدوش ترقی کے منازل طے کر کے ایک متحد، ترقی یافتہ اور آبرومندانہ قوم بنے اور کہلائے۔ (۲۸)

اپنی تقریر کے اختتام پر خان قلات نے فرمایا کہ ہمارے آباؤ اجداد نے کبھی بھی اپنے آپ کو شاہ یا بادشاہ نہیں کہلوایا۔ نصیر خان اعظم کی ہمارے خاندان کے لئے یہ وصیت ہے کہ جب تم نے اپنے آپ کو قوم سے بہتر اور برتر خیال کیا تو ذلت وخواری اور تباہی یقینی ہے۔ (۲۹)

تقریب کے اختتام پر خان نے ریاست قلات کا سبز اور سرخ رنگوں سے مزین پرچم لہرایا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

کہ ممکن ہے کہ پاکستان قلات کو ایک آزاد ریاست کے طور پر تسلیم کر لے لہذا اس ضمن میں پاکستان کو روکنا چاہیے۔ اس خط کا متن کچھ اس طرح سے ہے:

"پاکستان کی ریاست قلات کے ساتھ مذاکرات ہو رہے ہیں جس کے تحت اس ریاست کی آزادی کو تسلیم کیا جائے گا اور ان تمام معاہدات جو کہ تاج برطانیہ اور قلات کے درمیان کوئٹہ اور اس سے ملحقہ مستاجر علاقوں کے بابت ہوئے جو کہ آزادی ہند کے ایکٹ سیکشن نمبر ۷ (الف)(٦) کے تحت بین الاقوامی قانون کے مطابق عبوری مدت کے گزرنے کے بعد واپس اس کے اصل مالک کو لوٹا دیئے جائیں گے۔ خان قلات کا علاقہ جو کہ فارس کے ساتھ ساتھ واقع ہے اس حالت میں نہیں ہے کہ وہ بین الاقوامی ذمہ داریوں کو کماحقہ انجام دے سکے۔ اور لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اختیار کی منتقلی سے پیشتر اس قسم کے خطرات سے حکومت پاکستان کو آگاہ کیا تھا۔ پاکستان میں مقیم برطانوی ہائی کمیشن کو اس صورت حال سے آگاہ کیا جاتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں حکومت پاکستان کو (ہماری) پوزیشن سے آگاہ کرے۔ اور انہیں کہے کہ وہ قلات کے ساتھ اس قسم کے کسی معاہدے میں شریک نہ ہوں جس سے وہ ایک الگ آزاد ریاست کے طور پر سامنے آئے"۔ (۳۳)

ایک اور خط میں مسٹر لمبی (E.W.R. Lumby) مورخہ ۲۲ ستمبر ۱۹۴۷ء میں برٹش ہائی کمیشن کراچی کو لکھتے ہیں:

"ہم اس معاملے میں قاصر ہیں کہ حکومت پاکستان کو قلات کی آزادی تسلیم کرنے سے روک سکیں۔ اگرچہ یہ قدم ہماری دانست میں ناقابل فہم ہے اور یہ ہمارے ان مفادات کے برخلاف ہے جو کہ کہیں اور وابستہ ہیں"۔ (۳۴)

اگرچہ اس خط میں انگریزی مفادات جن کو قلات کی آزادی کے حوالے سے نقصان پہنچنے کا احتمال ظاہر کیا گیا تھا اسے ریاست حیدر آباد کے ساتھ منسلک کیا گیا تھا۔ لیکن اصل میں یہ انگریزی مفادات خلیجی ریاستوں کے حوالے سے تھے جنہیں شدید نقصان پہنچ سکتا تھا۔ کیونکہ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ پاکستان اور اسرائیل دو ایسی ریاستیں ہیں جنہیں انگریزوں نے خلیج کی تیل کی ترسیل اور ان علاقوں کے دیکھ بھال کے لئے بنایا۔ تاکہ وہ ان کے مفادات جو کہ تیل سے وابستہ تھے، اس کی رکھوالی بہتر طریقے سے انجام دیں۔ جب انگریزی ہائی کمشنر نے حکومت پاکستان کے اہلکاروں کو اس نئی پیش رفت سے آگاہ کیا تو قلات کے حوالے سے پاکستانی مقتدرہ کا معذرت خواہانہ لہجہ بدل گیا۔ یہ بات اس وقت کھل کر سامنے آگئی جب خان قلات، مسٹر جناح سے مذاکرات کے لئے کراچی پہنچے۔

جب خان قلات کراچی آئے تو خان قلات کا استقبال ایک ریاستی سربراہ کے طور پر نہیں کیا گیا نہ گورنر جنرل اور نہ ہی وزیراعظم پاکستان ان سے ملنے کو آئے جو کہ سفارتی آداب کے خلاف تھا۔ خان قلات کی مسٹر جناح سے ملاقات میں یہ بات کھل کر سامنے آئی کہ انہوں نے خان قلات کے ساتھ ایک ماتحت ریاستی حاکم کا سلوک روا رکھا۔ انہوں نے خان قلات کو مشورہ دیا کہ وہ ریاست قلات کو پاکستان کے ساتھ شامل کر لیں۔ خان قلات نے مسٹر جناح کا مشورہ ماننے سے انکار کر دیا اور کہا کہ چونکہ بلوچستان مختلف قبائل کا ملک ہے لہذا اس مسئلے پر کچھ کہنے سے پیشتر عوام کی رائے جاننا ضروری ہے اور یہ ہماری روایت ہے کہ ہم ہر معاملے میں قبائل کی مشاورت کے بعد کسی نتیجے پر پہنچتے ہیں۔ (۳۵)

چونکہ بلوچی اقدار کے مطابق خان قلات از خود فیصلہ کرنے کا اختیار نہیں رکھتے لہذا انہوں نے بارہ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ریاست کے دونوں ایوانوں کا اجلاس طلب کر لیا۔ انہیں قلات اور حکومت پاکستان کے مابین ہونے والے مذاکرات سے آگاہ کیا۔ حکومت پاکستان کا یک طرفہ الحاق کے مسودے پر دستخط کرنے کے سوال نے اراکین ایوان کے صفوں میں ہلچل مچادی۔ وہ مسٹر جناح سے اس قسم کی امید نہیں رکھتے تھے۔ لہذا انہوں نے اپنی تقریر میں اس بات کی یکسر مخالفت کی۔ خان قلات نے اجلاس کے شروع میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"دس سال سے بلوچی حکومت تحریک مسلم لیگ کے ساتھ نہایت محبت اور خلوص سے امداد و تعاون کرتی رہی ہے...... ہماری بلوچی حکومت اور خود میری ذات اس وجہ سے حکومت برطانیہ کی نگاہوں میں مشتبہ تھے مگر ہم نے اسے فرض سمجھ کر اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم ہر طرح سے اس اسلامی تحریک مسلم لیگ اور قیام پاکستان کی کوششوں میں حصہ لیں گے۔ لہذا ہم نے ایسا کیا اور اپنی دوستی کا کھلم کھلا ثبوت دیا"۔ آگے چل کر وہ مزید فرماتے ہیں "مجھے اس امر کا بخوبی احساس ہے کہ میری قوم بلوچ اور حکومت خداداد پاکستان کے درمیان چند ایسے مسئلے ہیں جن کی وجہ سے میری قوم میں بے چینی کے آثار نظر آ رہے ہیں اور بلوچ قوم ہر طرح سے تعجیلی فیصلے کے لئے میری طرف دیکھ رہے ہیں"۔ (۳٦)

اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے قلات کے وزیر خارجہ ڈگلس وائی فل نے ریاست قلات اور برٹش انڈیا کے تعلقات اور آئینی مسئلے پر ایوان کے سامنے تفصیلی گفتگو کی اور انہیں ان تمام پیش رفتوں سے آگاہ کیا جو اس ضمن میں قلات اور پاکستانی حکومت کے اہلکاروں کے درمیان ہوئے۔ وزیر خارجہ کی تقریر کے بعد وزیراعظم قلات نوابزادہ اسلم خان نے الحاق سے متعلق مسئلہ کو بحث کے

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

لسبیلہ، خاران کے نواب اور بیچ کے حاکم نواب بائیان (بائی خان) گچکی جو کہ خان قلات کے ماتحت تھے، انہیں خان قلات کے خلاف اکسایا۔ ان تینوں سرداروں کی کرنل ایس پی شاہ کے ساتھ خفیہ میٹنگیں ہونی لگیں۔ اس سلسلے میں سب سے اہم کردار بائیان گچکی کا تھا لہذا یہ ضروری ہے کہ اس شخصیت کا جائزہ لیا جائے۔

سردار بہادر بائیان گچکی ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ وہ شئے عمر گچکی کے بڑے لڑکے تھے۔ بائیان گچکی ۱۹۲۴ء میں اپنے والد شئے عمر کے تخت سے دستبرداری کے بعد بیچ کے حاکم بن گئے۔ ان کی شخصی خصوصیات کے بارے میں انگریزوں کا خیال تھا کہ وہ انگریزوں کا وفادار تھا اور بیچ پر ان کی حکومت انگریزی سرپرستی میں قائم تھی کیونکہ انہیں اپنے چچا میر محراب خان گچکی سے ہمیشہ خطرہ لاحق رہتا تھا۔ وہ سرداری کی خصوصیات سے عاری تھا۔ سردار بہادر بائیان گچکی انتہائی خودغرض انسان تھا انہوں نے شئے عمر کی جائیداد میں سے اپنے بھائیوں کا حصہ دینے میں بھی ہچکچاہٹ کا مظاہرہ کیا اور اپنے والد کی ساری جائیداد اپنے تصرف میں رکھ لی۔ (۴۲)

پچھلی صفحات میں یہ بات واضح ہوگئی کہ برٹش گورنمنٹ کسی بھی صورت میں قلات کو ایک آزاد ریاست کے طور پر دیکھنا نہیں چاہتے تھے اور اس ضمن میں انہوں نے حکومت پاکستان کو تنبیہ بھی کی۔ دوسری طرف برٹش گورنمنٹ چونکہ قلات کے حالات کو پاکستانی حکام سے بہتر جانتا تھا لہذا انہوں نے قلات کو غیر مستحکم کرنے کے لئے اس کے مخالفین نواب بائیان گچکی اور دیگر کو اکسانا شروع کیا۔ اس ضمن میں مسقط کے پولیٹکل ایجنٹ کی طرف سے بحرین میں برٹش ریزیڈنٹ کو ایک خفیہ مراسلہ بتاریخ ۱۷ جنوری ۱۹۴۸ء کو وصول ہوا جس میں نواب بائیان کے مسقط کے امام سکنہ گوادر اور برطانوی اہلکاروں کے ساتھ ایک خفیہ میٹنگ کی تفصیلات موجود ہیں۔ اس رپورٹ کے مطابق نواب بائیان گچکی ۱۲ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو تربت سے گوادر آئے۔ اس کے ساتھ اس کا بیٹا، بھائی اور قبیلے کے دیگر سرکردہ شخصیات بھی شامل تھے۔ وہ گوادر میں سرکاری ریسٹ ہاؤس میں ٹھہرے اور رات کو مسقط کے والی نے نواب بائیان گچکی کو کھانے پر بلایا۔ اس کے بعد اس کے اعزاز میں برٹش ایجنٹ سکنہ گوادر نے ایک ٹی پارٹی کا بھی اہتمام کیا۔ اس ملاقات کے بعد وہ جیونی روانہ ہوا، جہاں سے وہ کراچی چلا گیا۔ اس خفیہ مراسلے کے مطابق گوادر میں کچھ افواہیں گردش کر رہی ہیں کہ نواب بائیان اور مسقط کے والی سید بدر بن سعود کے درمیان ایک خفیہ میٹنگ ہوئی تھی جس کے بعد وہ کراچی چلا گیا۔ نواب بائیان گچکی کراچی ٹھہر گیا لیکن اس کا بھائی ملک دینار گچکی دخانی جہاز ایس ایس برپیٹا (S.S. Barpeta) کے ذریعے چھ دسمبر ۱۹۴۷ء کو گوادر واپس آیا۔ ہدایت اللہ، برٹش

ایجنٹ گوادر کے مطابق کراچی سے واپس آنے کے بعد ان کی اور ملک دینار کے درمیان کراچی یاترا کے حوالے سے بات چیت ہوئی جس کا لب لباب کچھ اس طرح سے ہے:

۱- نواب بائیان گچکی کے تعلقات خان قلات سے اچھے نہیں ہیں
۲- نواب خاران، جام لسبیلہ اور نواب بائیان گچکی، خان قلات پر دباؤ ڈالنے کی کوششیں کر رہے ہیں تاکہ وہ پاکستان کے ساتھ الحاق کے مسودے پر دستخط کرے۔
۳- نواب خاران اور جام لسبیلہ نے خان قلات کی سربراہی سے بغاوت کر دی
۴- نواب بائیان گچکی نے مطالبہ کیا کہ مکران سے موصول ہونے والے مالیے پر صرف اس کا حق تسلیم کیا جائے اور اسے باقی سرداروں میں تقسیم نہ کیا جائے۔
۵- نواب بائیان گچکی نے گوادر کے والی سے درخواست کی ہے کہ اگر خان قلات نے اس کے علاقے پر حملہ کر دیا تو ان حالات میں اسکے آدمیوں کو، جب وہ گوادر میں پناہ لینے آئیں گے تو وہ انہیں خوراک اور رہائش دیں گے۔
۶- نواب بائیان گچکی نے ایک خفیہ خط مسقط کے سلطان کو والی کے ذریعے بھیجا۔
۷- مسٹر جناح نے تین دسمبر ۱۹۴۷ء کو نواب بائیان سے ملاقات کی۔
۸- خان قلات نے نواب بائیان گچکی کو ڈھاڑ میں منعقدہ جرگہ میں شرکت کی دعوت دی لیکن وہ نہیں گیا۔
۹- مسقط کے امام نے گوادر کے حوالے سے مالیہ دینے سے انکار کر دیا اگر چہ رقم انتہائی معمولی ہے اور یہ صرف رسمی خانہ پری کے لئے دیا جاتا رہا ہے۔

اس خفیہ رپورٹ کے وقت نواب بائیان گچکی ابھی تک کراچی میں تھے۔ انہوں نے کراچی سے ۳۱ دسمبر ۱۹۴۷ء کو ایک ٹیلی گرام مسقط کے والی سکنہ گوادر کے نام بھیجا جس میں یہ بات معلوم کرنے کی کوشش کی گئی کہ آیا سلطان صلالہ سے مسقط واپس پہنچا کہ نہیں۔ اس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ نواب بائیان گچکی گوادر کے والی کے ساتھ اپنے ملاقات کے لئے کس قدر بے چین تھا اور وہ چاہتے تھے کہ وہ بالنفس مسقط کے سلطان سے ملاقات کریں۔ (۴۱)

ڈاکٹر عنایت اللہ بلوچ کے مطابق حکومت پاکستان اور نواب بائیان گچکی کے درمیان ملاقات کا آغاز اگست ۱۹۴۷ء میں ہوا جب انہوں نے اپنے بیٹے سردار شئے عمر گچکی کو کراچی بھیجا اور پاکستانی اہلکاروں سے ملاقات کی۔ (۴۲)

نواب بائیان جو کہ خان قلات کے بہنوئی تھے، ان کے اس رویے کے بارے میں خان

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

مناسب عہدہ تلاش کیا جائے۔ نوابزادہ اسلم کے لئے کرنل شاہ نے تجویز دی کہ اس کو کوئٹہ کا پولیٹکل ایجنٹ مقرر کیا جائے۔ کرنل شاہ کا خیال تھا کہ خان قلات تین ریاستوں کے الحاق کے نتیجے میں پیدا ہونے والی صورتحال سے نمٹنے کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات کریں گے:

اول یہ کہ وہ اقوام متحدہ یا تاج برطانیہ سے درخواست کریں گے کہ وہ قلات اور پاکستان کے درمیان جھگڑوں کا تصفیہ کریں۔

دوم یہ کہ وہ پاکستان کو سخت الفاظ میں ایک احتجاجی مراسلہ تحریر کریں گے جس میں اس بات پر افسوس ظاہر کیا جائیگا کہ پاکستان نے مکران کا غیر قانونی طور پر الحاق کیا تھا۔ (۴۸)

یہ بات حکومت پاکستان کو اچھی طرح معلوم تھی کہ وہ ایک ایسے عمل کا مرتکب ہو رہے ہیں جو غیر قانونی اور غیر مہذب ہے لیکن اس کے باوجود انہوں نے نہ صرف اس گھناؤنے عمل میں اپنے ہاتھ رنگے بلکہ ڈھٹائی سے اس کو فخر سے بیان بھی کیا۔

اپنے ایک مراسلے بتاریخ ۲۴ مارچ ۱۹۴۸ء میں کرنل ایس بی شاہ مسٹر اکرام اللہ کے نام مکران کی صورتحال کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "فرنٹیئر کور کوئٹہ کو مکران لیوی کور پنجگور کی جانب سے ایک ٹیلی گرام موصول ہوا جس کے تحت تربت میں مکران کے پاکستان کے ساتھ الحاق کی خبر سے اشتعال پایا جاتا ہے۔ اور نوابزادہ حمید اللہ اور حاکم اعلیٰ (شہزادہ عبدالکریم) کے درمیان اس معاملے پر تنازعہ سنجیدہ شکل اختیار کر رہی ہے۔ سپرنٹینڈنٹ پوسٹ آفس سے کہا کہ وہ پوسٹ آفس اور اس کے عملے کی حفاظت کرے۔..... بارہ مارچ کے بعد (مکران سے) پاکستان کو ڈاک کی ترسیل بند ہو چکی ہے۔" آگے چل کر وہ مزید لکھتے ہیں "میں نے وزیر اعظم قلات کو ٹیلی گرام بھیجا کہ وہ مکران کے حاکم اعلیٰ شہزادہ عبدالکریم کو فی الفور برطرف کر دیں۔ جب تک مکران کے انتظامیہ کا اعلان نہ ہو، میں (کرنل شاہ) نے حکومت بلوچستان سے درخواست کی:

الف۔ کرنل فٹز مورس (Fitzmaurice) جو کہ مکران میں فرنٹیئر کور کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل تھے، کو (تبادلہ کر کے) پاکستان بھیج دو اور اس کی جگہ ایک سینئر آفیسر کو مکران بھیج دیا جائے۔

ب۔ تربت چھاؤنی کو مضبوط کیا جائے۔

ج۔ (مکران میں تعینات) آفیسر کمانڈنگ کو کہا جائے کہ عبدالکریم کو کہیں کہ وہ مکران چھوڑ دے"۔

اس مراسلے کے آخر میں وہ لکھتے ہیں کہ مکران لیوی کور کے کمانڈنگ آفیسر سے کہیں کہ وہ فی الفور مکران میں آپریشن شروع کر دیں تا کہ خان (قلات) اور اس کے انتظام کاروں کو موقع نہ ملے کہ وہ مکران کی انتظامی امور کو تہہ و بالا کر دیں"۔ (۴۹)

خان قلات نے اپنی ہمشیرہ کو جو کہ نواب بائیان نگچی کی زوجہ تھیں مکران بھیجا تا کہ وہ اپنے شوہر کو سمجھا بجھا کر واپس قلات لائے۔ اس عمل سے کرنل شاہ کے کان کھڑے ہوئے انہوں نے اکرام اللہ کو لکھا کہ نواب بائیان سے کہا جائے کہ وہ ثابت قدم رہیں کیونکہ مکران کی پاکستان کے ساتھ الحاق لازمی تھی اگر یہ کسی صورت میں منسوخ کیا گیا تو پاکستان کو تاج برطانیہ کے سامنے عزیمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ (۵۰)

کرنل شاہ ۲۶ مارچ ۱۹۴۸ء کے مراسلے بنام مسٹر اکرام اللہ میں لکھتے ہیں کہ مسٹر فل (وزیر خارجہ قلات) نے اس بات سے آمادگی ظاہر کی تھی کہ شہزادہ عبدالکریم کو مکران سے واپس بلایا جائے گا اور وہ پاکستان کی مکران پر فوجی دستوں کی تعیناتی کے عمل میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالیں گے۔ (۵۱)

کرنل شاہ کے مکران اور ریاست قلات کے صورت حال کے حوالے سے بھیجے گئے ٹیلی گرام کے جواب میں مسٹر اکرام اللہ نے حکومت پاکستان کے اس ضمن میں اقدامات سے انہیں ۲۶ مارچ ۱۹۴۸ء کو اپنے ایک مراسلے میں آگاہ کرتے ہوئے لکھا "وزیر اعظم (پاکستان) نے آج بلوچستان کی صورت حال کے بارے میں ڈٹ اس (اے جی جی بلوچستان)، اسکندر مرزا (سکریٹری دفاع) اور فوج کے تینوں شعبوں کے سربراہان کے ساتھ ہونے والی میٹنگ میں اس بات کا فیصلہ کر لیا جس کے نتیجے میں بری فوج کے کمانڈر جنرل گریسی فوج کی ایک پوری بریگیڈ کو بلوچستان بھیج رہا ہے۔ اصل پلان کے مطابق بریگیڈ کے دو بٹالین تھے لیکن ایک بٹالین کو واپس بھیج دیا گیا۔ اس بٹالین کے ایک پلاٹون کو رائیل پاکستان ایئر فورس کے ذریعے جیونی کے ہوائی مستقر پر بھیج دیا جائے گا تا کہ وہ اس کی حفاظت کر سکے اور دوسری کمپنی کو رائیل پاکستان نیوی کے ذریعے پسنی بندرگاہ بھجوا دیا جائے گا تا کہ وہ مقامی انتظامیہ کی جگہ لے کر بندرگاہ اور ریڈیو اسٹیشن کی حفاظت کرے۔ ایک پلاٹون تربت بھیج دیا جائے گا۔ بٹالین کے باقی ماندہ دستوں کو جلد از جلد بھیج دیا جائے گا"۔ اسی مراسلے میں مسٹر اکرام اللہ آگے چل کر لکھتے ہیں "میجر سعد اللہ کو مکران لیوی کور کا کمانڈ سنبھالنے کا حکم دیا گیا۔ وہ حیدر آباد سے کراچی آ رہے ہیں، وہاں سے وہ سمندری راستے کے ذریعے پسنی جائیں گے۔..... اگر کوئی حادثہ نہ ہو تو خان قلات کو اس کے وزیر اعظم کو پیر کے روز مطلع کر دیں کہ ہم جیونی اور پسنی جا رہے ہیں تا کہ وہ اپنے اہلکاروں کو اس ضمن میں مطلع کر دیں کہ وہ اختیارات خاموشی سے پاکستانی حکام کے حوالے کر دیں۔ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی ناخوشگوار واقعہ رونما ہو لہذا ان کے (خان قلات) کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

کو ترجیح دی، خان قلات کی خصوصی دعوت پر قلات آئے۔ اور اسی زمانے میں عبدالصمد اچکزئی کو دھلی بھیج دیا گیا۔ اس کے برعکس مسٹر مینن نے قلاتی نمائندہ جس کا نام انہوں نے پریس کانفرنس میں نہیں بتایا، کے متعلق کہا کہ وہ دو مہینے پیشتر اس سے ملے تھے۔ اس حوالے سے گل خان نصیر کا خیال تھا کہ یہ اعلان ہندوستان نے ایک ایسے وقت میں کیا جب وہ حیدرآباد دکن پر قبضے کا منصوبہ بنا رہا تھا۔ اس کو یقین تھا کہ جب یہ خبر اخبارات میں آئے گی تو اس سے پاکستان جلد بازی میں قلات کے خلاف جارحانہ اقدام کر بیٹھے گا۔ جس سے ہندوستان کو حیدرآباد دکن میں کسی قسم کی اقدام کے لئے منطقی جواز فراہم ہوگا۔ اس کے علاوہ پاکستان کا یہ اقدام ہندوستان کے کیس کو یواین او کے سامنے اور بھی مضبوط کردے گا۔ اس کے علاوہ پاکستان کا قلات کے خلاف جارحانہ اقدام اس کی حیثیت کو اس کے دوست اسلامی ممالک کے نظروں میں مشکوک بنادے گا۔ (۵۸)

بہر حال اس پریس کانفرنس کے نتیجے میں خان قلات الحاق کے حوالے سے مکمل طور پر پاکستان کے دباؤ میں آگئے۔ انہوں نے ڈگلس فل سے جس کے پاس نوابزادہ اسلم خان کو ریاست قلات کے وزارت عظمیٰ سے ہٹانے کے بعد قلات کے وزارت عظمیٰ کا اضافی چارج بھی تھا، صلح و مشورہ کیا۔ اس کے علاوہ خان قلات کے پاس اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ الحاق کے حوالے سے پاکستان کی شرائط مان کر الحاق کے مسودے پر دستخط کرلے۔

اسی شام خان قلات، میر احمد یار خان نے ایک فرمان جاری کیا جس کے تحت انہیں اس بات پر صدمہ پہنچا کہ اس کا بھائی آغا عبدالکریم جان حکومت پاکستان کے ساتھ بغاوت پر تلا ہوا ہے۔ پاکستان کے متعلق ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا "میں اور میری رعیت مسلمان ہے۔ انگریزی دور میں اور ان کے جانے کے بعد ہم نے پاکستان کے لئے دعائیں کیں اور اس کے قیام کے لئے محنت کی۔ قلات کے پاکستان سے الحاق کے حوالے سے تاخیر کی وجہ یہ تھی کہ چند مشکلات راہ میں درپیش تھی۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ہم پاکستان کے علاوہ کسی اور سے دوستی کا خواہاں تھے۔ میں مسٹر جناح کے ساتھ سبی میلے کے دوران ماہ فروری میں الحاق کے لئے راضی تھا۔ ۲۷ مارچ میں الحاق کے حوالے سے چند مشکلات درپیش تھیں، جنہیں میں نے مسٹر جناح کے ذمہ لگادیا ہے کہ وہ ان کو فرو کرنے کی سعی کریں"۔

آگے چل کر وہ لکھتے ہیں "راہ میں حائل مشکلات میرا راستہ نہیں روک سکے۔ قلات کی اسلامی ریاست ایک عظیم الشان اسلامی ریاست کا حصہ بن گئی ہے اور میں ایک دفعہ پھر کہنا چاہتا ہوں کہ قلات پاکستان کے ساتھ شمولیت اختیار کررہا ہے اور اس کا حصہ بننے جارہا ہے۔ اس وقت ریاست کے چند عناصر میرے چھوٹے بھائی آغا عبدالکریم جان کو ورغلا کر اسے افغانستان لے جانے

میں کامیاب ہوئے۔ انہوں نے میری حمایت اور علم میں لائے بغیر یہ قدم اٹھایا ہے۔ یہ قدم میرے اور ریاست کے مفادات کے خلاف ہے۔ ریاست کے عوام اور سردار میرے شانہ بشانہ اس مشکل وقت میں کھڑے ہیں۔ وہ آغا عبدالکریم جان اور اس کے دوستوں کے پروپگنڈے سے متاثر نہیں ہوئے۔ حکومت قلات اور پاکستانی حکام ایک دوسرے کے مشاورت سے اس بغاوت کو فرو کرنے کی خاطر اقدامات کررہے ہیں۔ ان تمام لوگوں کو جو کہ آغا عبدالکریم کے ساتھ گئے اور ابھی تک واپس نہیں، میں انہیں کہتا ہوں کہ وہ اپنے گھروں میں واپس لوٹ آئیں۔ انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا۔ میں انہیں یکم اگست تک کی مہلت دیتا ہوں کہ وہ گھروں کو واپس لوٹ آئیں۔ ان سے اچھا سلوک کیا جائے گا"۔ (۵۹)

تیس مارچ (مارچ ۳۰، ۱۹۴۸ء) کو وزیر اعظم قلات مسٹر ڈگلس فل اپنے ٹیلی گرام بنام مسٹر جناح میں قلات کے پاکستان کے ساتھ الحاق کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں "حز ہائنس خان نے مجھ سے خواہش ظاہر کی ہے کہ میں آنجناب کو خان قلات کے اٹھائیس مارچ کے اعلان سے متعلق ٹیلی گرام بھیج دوں۔ ۲۷ مارچ کی رات کو آل انڈیا ریڈیو سے یہ خبر نشر ہوئی کہ دو مہینے پہلے ریاست قلات نے انڈین یونین سے درخواست کی تھی کہ اس کا الحاق ہندوستان سے کیا جائے، جسے انڈین یونین نے مسترد کردیا۔ یہ خبر میرے (خان قلات) لئے کافی حیران کن تھی اور اس سے مجھے شدید دھچکا لگا۔ میری یہ بھی خواہش نہیں رہی ہے کہ میری حکومت ہندوستان کے ساتھ الحاق کرے، اس ضمن میں میں نے ایک درخواست بذریعہ ٹیلی گرام ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ ماؤنٹ بیٹن کو بھیج دی تھی کہ وہ اس (من گھڑت) خبر کی تردید کردے....."۔ (۶۰)

اس خبر (الحاق) کو تیس مارچ کے پاکستانی اخبارات بمشمول ڈان نے شہہ سرخیوں میں شائع کیا اور اس کو ایک اچھا عمل قرار دیا۔ پاکستان ٹائمز کے ایڈیٹر مظہر علی خان (طارق علی کے والد) کا اداریہ کافی سخت تھا اور الحاق کے حوالے سے ہونے والے تاخیر کی ذمہ داری خان قلات پر ڈال دی گئی تھی۔ (۶۱)

خان قلات کے اعلان الحاق سے ریاست قلات کے باشندوں میں کھلبلی مچ گئی۔ انہیں خان قلات کے فیصلے نے مایوسی اور ناامیدی کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں دھکیل دیا اور انکی ذات سے بلوچ عوام نے جو توقعات وابستہ کیں تھیں وہ ختم ہوگئیں۔ ان کی مایوسی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے خان قلات سے یہ پوچھنا بھی گوارا نہیں کیا کہ وہ کون سے واقعات تھے جنہوں نے حالات کو اس نہج پر پہنچایا کہ ان کے لئے الحاق کے سوا اور کوئی راستہ باقی نہیں رہ گیا۔ اعلان الحاق کے منظوری کے بعد اے جی جی نے قلات جاکر خان قلات کو حکم دیا کہ حکومت پاکستان نے قلات کا الحاق

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

راست مداخلت نہیں کر سکتے۔ اگر انہیں اس سے کوئی شکایت ہو تو مکران کے وزیر کے معرفت درخواست دائر کر سکتے ہیں۔ یاد رہے کہ اس وقت تک میجر ار تھنگٹن ڈیوی مکران کے وزیر بھی تھے۔ اسی میٹنگ میں نواب بائیان کو بتایا گیا کہ پاکستان کے الحاق کے معاہدے میں یہ بات بھی شامل تھی کہ مکران چونکہ ساحلی بندرگاہوں کی وجہ سے دفاعی لحاظ سے پاکستان کے لئے اہم ہے لہذا دفاع، امور خارجہ، مواصلات سے متعلق امور کی نگرانی حکومت کی ذمہ داری ہے۔ اس ضمن میں حکومت نے اے پی اے کی تقرری کی ہے تاکہ وہ ان شعبوں کو سہل طریقے سے سرانجام دے سکے۔ جہاں تک وزیر مکران کا تعلق ہے، اس ضمن میں حکومت پاکستان کے نمائندوں نے نواب بائیان کو یقین دلایا کہ جوں ہی انہیں کوئی مناسب اہلکار جسے مکران کے امور میں دسترس ہو، ملے گا تو ان کو وزیر مکران کے عہدے پر تعینات کر دیں گے۔ (٦٥)

نواب بائیان کی حکومتی امور میں بیجا مداخلت کے علاوہ دوسرا مسئلہ جو حکومت پاکستان کے لئے دردسر بنا ہوا تھا وہ اس کی مالی شاہ خرچیاں تھیں۔ جس کی وجہ سے مکران کے خزانے پر بے تحاشہ بوجھ پڑ گیا۔ انہیں اپنے اخراجات کے لئے سالانہ پچھتر ہزار روپے دئے جاتے تھے جو ان کی عیاشیوں کے نذر ہو جاتے تھے اور وہ مزید پیسوں کے لئے اے پی اے کے در پر پہنچ جاتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے ایک انتہائی مہنگی موٹر کار خریدنے کی فرمائش کی، جس کو سختی سے رد کر دیا گیا۔ مکران کی پاکستانی انتظامیہ چاہتا تھا کہ وہ مکران کے عوام کے غیض و غضب کو دبانے کے لئے کے لئے فلاحی ادارے کھولے۔ لیکن گچکی خانوادوں کو نہ پہلے کبھی عوام کے فلاح سے کوئی دلچسپی تھی اور نہ ہی الحاق کے بعد انہوں نے عوامی بہبود کے لئے کوئی کام کیا۔

کراچی میں ہونے والی میٹنگ کے بعد اے. جی. جی کو یقین تھا کہ اب نواب بائیان کی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ اس کے اختیارات کس حد تک ہیں اور اے پی اے کن اختیارات کا مالک ہے لہذا اب اس کی طرف سے مکران کے انتظامی معاملات میں بے جا مداخلت کا دروازہ بند ہو گیا ہوگا۔ لیکن ایسا نہیں ہو سکا، اسی دوران ٢٦ نومبر ١٩٤٨ء کو ار تھنگٹن ڈیوی کو وزیر مکران کے عہدے سے فارغ کر دیا گیا اور یہ محکمہ حکومت پاکستان کے کارندے راجہ احمد خان کے سپرد کر دیا گیا۔ راجہ احمد خان کا تعلق پنجاب سے تھا انہوں نے بطور وزیر مکران سے اپنے کام کا آغاز کیا۔ اس کے بعد اس کی ساری زندگی مکران، قلات اور کوئٹہ میں گزری۔ اس کے متعلق اختر بلوچ اپنی کتاب "بلوچستان کے نامور شخصیات" جلد سوم میں تحریر کرتے ہیں "راجہ صاحب عملاً رابرٹ سنڈیمن کے نقش قدم پر چلے وہ غیر بلوچستانی تھے مگر انہیں بلوچستان کے خاص لوگ ہی نہیں بلکہ عام لوگ بھی اپنا ہمدرد اور

فیملی ممبر خیال کرتے تھے۔ ان کے سامنے مسائل رکھتے اور چارہ گری کی امید رکھتے"۔ (٦٦)

اسی زمانے میں نواب بائیان نے جام آف لسبیلہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے گچکی خانوادوں اور ان کے کاسہ لیس گروہ کو اس بات پر مامور کر لیا کہ وہ اے. جی. جی بلوچستان اور کراچی کے مقتدرہ کو خطوط، تار اور درخواستیں ارسال کریں کہ وہ نواب بائیان کی حکمرانی کو بحال کر دیں۔ اور اس ضمن میں اے پی اے کو دیئے گئے اختیارات اسے دیئے جائیں۔ اس ضمن میں جماعت بلوچ یونین کراچی کے کرتا دھرتا محمد بلال کا وزیر اعظم پاکستان، وزیر سرحدی امور اور بلوچستان کے اے. جی. جی کے نام خط کے مندرجات قابل غور ہیں۔ موصوف لکھتے ہیں "کس قدر پر مسرت موقع تھا جب مکران کی آزادی کو تسلیم کیا گیا اور مکران کے عوام کو اپنی محنت کا ثمر اس وقت مل گیا جب حاکم مکران امیر بائی خان (خدا اس کے ملک کو مثل جنت بنا دے) نے پاکستان کے ساتھ الحاق کا فیصلہ کیا۔...... اس دور ابتلا میں ہم اپنے حاکم کو اپنی مکمل حمایت کا یقین دلاتے ہیں۔ جب غداران پاکستان اس کے پیٹھ میں خنجر گھونپ رہے تھے اور حکومت کی کمزوریوں کا بغور جائزہ لے رہے تھے تو یہ انتہائی نازک مرحلہ تھا یہ ہماری حاکم کی دور اندیشی تھی کہ دشمنوں کے عزائم خاک میں مل گئے اور برائی کی بیخ کنی کی گئی۔ جس کے نتیجے میں بلوچستان کے عوام نے سکھ کا سانس لیا۔ اس وقت عوام کے چہروں پر عیاں خوشی دیدنی تھی جب اس سرزمین پر پاکستان کا جھنڈا لہرایا گیا۔ مکران کے عوام مسٹر جناح کی راہ میں آنکھیں بچائے کھڑے تھے۔ جب مسٹر جناح کا جہاز جیونی کے ہوائی مستقر پر آ گیا تو ہمارے چہرے مسرت و شادمانی سے چمک اٹھے کہ اب مکران نے غلامی کا جوا اپنے کندھوں سے اتار دیا۔ اور ہمارا ملک ایک بڑے اسلامی ملک کا حصہ بن گیا ہے۔ ہمارے رہنما حاکم کی سرکردگی میں ترقی کی منازل کو چھونے لگے گا"۔ نواب بائیان کی مدح سرائی میں وہ آگے تحریر کرتے ہیں "یہ بات ہمارے لئے تکلیف دہ ہے کہ وزارت مکران مسٹر جناح کے چاہنے والوں کے لئے مشکلات میں اضافے کا باعث بن رہی ہے۔ اس ادارے کے اہلکار ان افراد پر مشتمل ہیں جو کہ ان کے خلاف زہریلے پروپیگنڈوں میں ہمہ تن مصروف عمل ہیں۔ حکومت کی انتظامیہ نااہل اور غیر ذمہ دار لوگوں کے ہاتھ میں ہے جو ان لوگوں کو آگے لانا چاہتے ہیں جنہوں نے عملی زندگی میں کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہیں کی ہے۔ ان کی کوششوں سے عوام الناس کے دلوں میں حاکم کے لئے محبت کی جگہ نفرت نے لی ہے۔ اس بات کی اطلاع دیتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ مکران کے عوام جو کہ اپنے حاکم کے لئے محبت کے جذبات رکھتے ہیں، انہیں اس ضمن میں سخت اذیت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ جس کے نتیجے میں قانون اور امن و امان کی دھجیاں بکھیر دی گئی ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

حوالہ جات:

۱-قمبر زئی، ماسٹر پیر بخش شہداد (۱۹۳۲)، البلوچ، کراچی، بروز اتوار ۳۱ جولائی ۱۹۳۲، صفحہ نمبر ۲۔
تفصیلات تتمہ نمبر ۴ میں ملاحظہ کیجئے

۲-نصیر گل خان (۲۰۰۰)۔ تاریخ بلوچستان، قلات پبلشرز، کوئٹہ، صفحہ نمبر ۴۵۴

۳-ایضاً صفحہ نمبر ۴۵۴

4- Radaelli, Riccardo (1997) The Father's Bow: The Khanate of Kalat and British India (19th-20th Century) IL Maestrale p 136

5- Baluchistan Districts Gazetteer Series (1906) vol. VII. Makran pp 284-285

6- Memorandum N. 2817-C, Brett to Shams Shah 8 VIII. 1928, H.S.A.R.L. office, Basta N. 23,-2.72. p-1 IOR. L/P & S/12/2985

7- IOR, L/P &S/12/2985

8- Axmann, Martin (2008), Back to the future. Oxford, Karachi p-157and نصیر گل خان (۲۰۰۰)، ایضاً صفحہ نمبر ۴۵۹

9- Foreign Dept.to Parsons. Dated May 7th, 1938, IOR, L/P & S/12/2985

10- Radaelli, R. (1997) pp 140-141

11- Letter from F.A.K. Harrison to Air Ministry, London, Dated Feb. 19th 1947. IOR: L/PS/12/2985 no. 72

12- IOR. L/PS/12/2985 no. 65 Dated April 17th, 1947

13- Anonymous (1972) Selected works of Jawaharlal Nehru A Project of the Jawahar Lal Nehru memorial foundation. Orient Longman, vol XV. pp 442-443

۱۴-نصیر، میر گل خان (۲۰۰۰) ایضاً صفحہ نمبر ۴۷۹

۱۵-ایضاً صفحہ نمبر ۴۸۰ ۱۶-ایضاً صفحہ نمبر ۴۸۰-۴۸۲

17- Baloch, Inyatullah (1987), The Problem of "Greater Baluchistan" p 172

۱۸-ایضاً صفحہ نمبر ۱۷۳

19- Axmann, Martin (2008), p 222

۲۰-ایضاً صفحہ نمبر ۲۲۲

21- IOR, L/P&S/13/1843 and 1846 opt. quoted Baloch, I. (1987) p 256 and
سلیم احمد (۱۹۹۳ء)۔ بلوچستان، صوبہ مرکز تعلقات۔ فرنٹیئر پوسٹ پبلیکیشنز لاہور، صفحہ نمبر ۱۳۳ اس کے علاوہ
نصیر، میر گل خان (۲۰۰۰)۔ ایضاً صفحہ نمبر ۴۸۷

22-Axmann, Martin (2008), op, p 225

۲۳-اصل ڈرافٹ کے لئے دیکھئے L/PS/13/1846 اور محمد علی جناح کے اضافہ کردہ نقاط کے لئے

دیکھئے R/3/1/166 no. 57

24- Viceroy's personal report. No.16, Dated August 8th, 1947 IOR: L/PS/13/1948. No.1

25- L/PS/13/1846 No. 42 Independence annoucement from All India Radio Dated August 11th, 1947.

26- The Statesman, August 12th, 1947, IOR R/3/1/166 no.71

27- New Yark Times, N.Y. August 12, 1947. p2

۲۸-نصیر گل خان (۲۰۰۰)۔ ایضاً صفحہ نمبر ۴۸۹

29- Baloch, Inyatullah (1987), op. p178 and
نصیر گل خان (۲۰۰۰)۔ صفحہ نمبر ۴۹۰

۳۰-نصیر گل خان (۲۰۰۰)۔ ایضاً صفحہ نمبر ۴۹۰

31-Baloch, Inyatullah (1987), op. p180

۳۲-ایضاً صفحہ نمبر ۱۸۱-۱۸۲

33- The Minister of the State for the Commonwealth relations, Dated September 12th, 1947, IOR, L/PS/13/1846 no. 27

34- Lumby, E.W.R. to Sir Lawrence Grafftey-Smith, Dated September 22nd, 1947 IOR, L/PS/1846 no. 32

35- Baloch, Inyatullah (1987), pp 182-183

۳۶-نصیر، میر گل خان (۲۰۰۰) ایضاً صفحہ نمبر ۴۹۳ ۳۷-ایضاً صفحہ نمبر ۴۹۳-۴۹۹

38- Baluch, Mir Ahmed Yar Khan, (unpublished) The Partiton of India Its effects on, Kalat State pp 14-18. as quoted by Baloch, Inyatullah (1987) p 185

39- Baloch, Inyatullah (1987), p 185

40- Govt. of India (1932), Leading Personage in Baluchistan IOR, L/P&S/ 20/B260 no. 3

41-Letter from Political Agent, Muscat to Sir Rupert Hay, Political Resident, Persian Gulf, Bahrain Dated 17th January, 1948, IOR, L/PS/12/2985 no. 26

42-Baloch, Inyatullah (1987), op. p186

۴۳-ایضاً صفحہ نمبر ۱۸۶

۴۴-نصیر، میر گل خان (۲۰۰۰) ایضاً صفحہ نمبر ۵۰۸

45- Balochistan Secretariat's Records, Basta 26.9.369-S/1948 vol. 1: Secretary to AGG, to M.F.A. Govt of Pakistan, Karachi, March 23, 1948. as quoted by Axmann, Martin (2008) Back to the future, Oxford, Karachi pp 241-242

۴۶-ایضاً صفحہ نمبر ۲۴۲ ۴۷-ایضاً صفحہ نمبر ۲۴۲-۲۴۳

48- Telegram from Shah, A.S.B to M. Ikramullah, Dated Quetta March 23rd, 1948, F. 14-GG/76-7, Jinnah paper's vol VIII.

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

کی صحت پر برے اثرات چھوڑے اور اس سفر کے چند عرصے بعد وہ پیچیدہ بیماریوں میں مبتلا ہو کر اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا۔

سکندر کے بعد مکران ساسانی اور سلطنت روم کی سمندری راستوں پر غلبے کی کشمکش کی وجہ سے ایک دفعہ پھر تاریخ کی صفحات پر اپنا نام اندراج کر بیٹھا۔ اس دور کے یادگار کے طور پر گوادر کے کوہ باتیل کا قدیم ڈیم اس عہد کی ایک ایسی داستان تھی جو عصر حاضر میں ہوس زر کی نظر ہو گیا۔ اس طرح یہ عظیم ڈیم موسم کی دسترس سے تو بچ گیا لیکن حضرت انسان کی بے حسی کا شکار ہوا۔ ساسانی دور میں نوشیروان کے ساتھ ایک عظیم جنگ جو قبیلے کا سراغ ملتا ہے جسے اس دور کے وقائع نویس فردوسی نے کوچ و بلوچ کے نام سے پکارا ہے۔ یہ عظیم قبیلے کے لوگ مکران کے قرب و جوار میں رہتے تھے۔ ان کے مختلف دستے مختلف ادوار میں مکران آتے رہے۔

اسی زمانے میں سرزمین حجاز میں ایک عظیم انقلاب کا آغاز ہو گیا جس کے نور سے ساری دنیا فیضیاب ہوئی۔ یہ حضرت محمد ﷺ اور اسلام کا دور ہے جس سے تمام عالم کو فیض یاب ہونا تھا۔ حضور اکرم ﷺ کے رحلت کے بعد آپ ﷺ کے دوسرے خلیفہ حضرت عمرؓ کے دور میں ایران حلقہ بہ گوش اسلام ہوا اور مکران میں عربوں کی آمد و رفت شروع ہوئی۔ اس طرح مکران میں عربوں کی حکومت قائم ہوئی۔ عربوں کے آخری دور میں بنز بور (پنجگور) میں ایک قوم جسے عرب تاریخ دانوں نے بلوص کہا اس کے قیام کا سراغ ملتا ہے۔ اس طرح سرزمین مکران میں ہندوستانی، مقامی، بلوچ اور عربوں کے ادغام سے مزین ایک ہمہ جہت گلدستہ وجود میں آیا، جس کی خوشبو سے آج بھی سرزمین مکران معطر ہے۔ اس دور کے بعد مکران گھٹاٹوپ اندھیروں کا شکار ہوا۔ اس کے سرسبز و شاداب نخلستان خوں آشامیوں اور ویرانیوں میں بدل گئے۔ ہر طرف افراتفری اور طوائف الملوکی کا دور دورہ رہا۔ یہ خون آشام ترکوں، مغلوں و منگولوں کا دور تھا جنہوں نے اس خطہ عظیم پر اپنے مکروہ پنجے گاڑھ دیئے تھے۔ تاریکی کا یہ دور بھی اہلیان مکران کے ذہنوں پر اپنے نقوش چھوڑتا ہوا آگے بڑھا۔ مکران پھر پھیلنے پھولنے لگا تاریکی کی جگہ اجالے نے لی اور ہر طرف امن و امان کا دور چلنے لگا۔ کیونکہ اس سرزمین پر بلوچوں کے آخری طائفے کی کرمان سے آمد شروع ہو گئی انہوں نے اس سرزمین کو گلے لگا لیا اور اسے اپنایا۔ اس طرح مکران کوچ و بلوچ کا مسکن ٹھہرا۔ ان میں کچھ قبیلے یہیں ٹھہرے اور کچھ آگے بڑھے۔.....اچانک تاریخ میں ایک نیا موڑ آیا۔ یورپی ساحلوں سے ایک طاقت ور قوم نے ہندوستان کی طرف مرجعت کی تا کہ وہ اس خطہ عظیم کے گرم مصالحوں اور ریشمی پارچہ جات کو یورپی مارکیٹوں میں متعارف کر سکیں۔ یہ پرتگیزی تھے جو کہ

ابھی تک مکران میں وارد ہونے والے تمام اقوام سے عسکری لحاظ سے بہتر طور پر مسلح تھے۔ ساحل مکران کے فرزند جمل جیئند نے اس طاقتور قوم کو للکارا اور اسے اس سرزمین سے نکال باہر کرنا چاہا، اس جنگ میں وہ وطن پر جان نچھاور کر کے شہید ہوئے۔ پرتگیزیوں نے ساحل مکران کے باشندوں کو ان کی جرات کی یہ سزا دی کہ ساحل کے تمام شہروں کو آگ لگا کر انہیں صفحہ ہستی سے نیست و نابود کر دیا۔

پرتگیزیوں کے بعد انگریز آئے۔ وہ پرتگیزیوں کی طرح نہ صرف مسلح تھے بلکہ سیاسی جوڑ توڑ کے بھی ماہر تھے۔ انہوں نے ان دونوں ہتھیاروں کی مدد سے مکران اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں پر نہ صرف قبضہ کیا بلکہ اس سرزمین پر ان مٹ گہرے نقوش چھوڑے کہ اس کے نشانات اب تک باقی ہیں۔

لوگ آئے اور چلے گئے سرزمین مکران ابھی تک وہیں کھڑی ہے۔ اور ایک خاموش گواہ کے طور پر نوحہ کناں ہے۔ جن لوگوں نے اس عظیم سرزمین کو اپنایا اور اس میں بود و باش اختیار کی، تو اس عظیم ماں نے اسے اپنی آغوش میں لے لیا۔ جس نے اس کی بے حرمتی کی وہ تاریخ کی صفحات سے گم ہو گئے اور آج بھی ان کا نام و نشان باقی نہیں ہے۔ مکران کی تاریخ ایام ماضی کا ایک نوحہ ہے۔ جسے مکران کے زبانی آپ کے سامنے پیش کیا گیا۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

۳- تمام ذمہ دار اہلکاروں جنہیں لائن کی تعمیر اور حفاظت پر مامور کیا گیا ہے، کو اگر مقامی معتبروں کے جانب سے تحفظ فراہم کیا گیا اور بہ وقت ضرورت انہیں افرادی قوت اور ضروری سامان فراہم کیا گیا تو انہیں اس کے عوض معاوضہ دیا جائیگا۔

۴- جام آف لسبیلہ کو پولیٹکل ایجنٹ قلات کی جانب سے دس ہزار روپے سالانہ دیئے جائیں گے جس کی رو سے وہ اس بات کے ذمہ دار ہونگے کہ وہ لائن کی حفاظت کے لئے مامور افراد کو اس رقم سے تنخواہ دیں گے جنہیں وقتاً فوقتاً ٹیلی گراف کے ملازمین کی حفاظت کے لئے طلب کیا جائیگا۔

۵- اگر لائن کی حفاظت کے دوران اس طرح کی صورت حال پیش آئے جس سے گمان ہو کہ یہ لائن کی حفاظت پر مامور افراد کی دسترس سے باہر ہے تو اس کی فوری اطلاع دیا جائے اور اس ضمن میں اگر مزید نفری کی ضرورت محسوس کی گئی تو پولیٹکل ایجنٹ قلات جام لسبیلہ کے مشورے سے مزید رقم مہیا کر کے جس کی حد سالانہ ملنے والی رقم سے کم ہوگی، اس کے ذریعے اس مسئلے کو حل کرنے کی کوشش کریں گے۔

۶- جام کو اس ضمن میں سالانہ رقم اس وقت ملنا شروع ہوگی جب پانچ میل کے اندر ٹیلی گراف لائن کی تکمیل ہوگی۔ باقی ماندہ رقم افرادی قوت اور سامان کے مہیا کرنے کے بعد دی جائے گی۔

۷- پولیٹکل ایجنٹ قلات، ٹیلی گراف لائن کے عملے کے خلاف شکایات کو حل کرنے کے ذمہ دار ہونگے۔ سنگین اور فوری نوعیت کے معاملات کو حل کرنے کے لئے کراچی پولیس یا ضلعی مجسٹریٹ سے رابطہ کیا جائے گا۔

۸- اگر لائن کو مستقل نقصان پہنچتا رہا جس کو حل نہ کیا گیا تو حکومت اس سمجھوتے کو یکسر ختم کرنے کے لئے بااختیار ہوگی۔

اس سمجھوتے میں شامل افراد ٹیلی گراف لائن کی تکمیل کے حوالے سے بھی گورنمنٹ کے ماتحت ہونگے۔

ہندوستان کے گورنر جنرل ان کونسل کی رضامندی سے ۱۹ اگست ۱۸۶۲ء کو جاری ہوا۔

۲- فقیر محمد بزنجو نائب کیچ اور میجر ایف جے گولڈ اسمڈ کے مابین ٹیلی گراف لائن سمجھوتہ تاریخ ۲۴ جنوری ۱۸۶۲ء

ہز ہائینس خان قلات کے احکامات کے تحت فقیر محمد بزنجو اسسٹنٹ کمشنر سندھ میجر ایف جے گولڈ اسمڈ کے روبرو پیش ہوا، اور انہوں نے ٹیلی گراف لائن سے متعلق تمام امور پر آگہی حاصل کی۔ اس نے تمام آفیسران بشمول رئیس رحمت اللہ ایجنٹ ہز ہائینس کے سامنے اس بات کا اقرار کیا کہ اگر برٹش سرکار نے ساحل مکران پر ٹیلی گراف لائن بچھا دی تو وہ اپنی تمام صلاحیتوں کو بروے کار لا کر کلمت بندر سے گوادر تک اس لائن کی حفاظت اور اس کی تکمیل کے لئے افرادی قوت مہیا کرنے کا ذمہ دار ہوگا۔ خان قلات سے مشاورت کے بعد پولیٹکل ایجنٹ، حکومت برطانیہ کی جانب سے ایک مخصوص رقم انہیں ان کی خدمات کے عوض دی جائے گی۔

ٹیلی گراف لائن کی تکمیل میں درکار سامانوں کی حفاظت اور اس کی بروقت ترسیل کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو دور کرنا اور اس ضمن میں مدد کرنا بھی اس کی ذمہ داری ہوگی۔ یہ بات طے ہے کہ ٹیلی گراف لائن کی تعمیر کے لئے فراہم کردہ سامان کی ترسیل اور اس کی تکمیل میں حصہ لینے والے افراد کو محتاننہ دیا جائے گا۔ میجر گولڈ اسمڈ اسسٹنٹ کمشنر سندھ اور رئیس رحمت اللہ، ہز ہائینس خان قلات کے ایجنٹ کی موجودگی میں مورخہ ۲۴ جنوری ۱۸۶۳ء میں (اس سمجھوتے پر) دستخط ہوئے۔

۳- خان قلات، میر خداداد خان کے زیر اثر مکران کا علاقہ جو کہ جام لسبیلہ کے زیر اثر علاقہ اور گوادر کے درمیان واقع ہے، کے حوالے سے ٹیلی گراف لائن کی تعمیر کے سلسلے میں ہونے والا سمجھوتہ مورخہ ۱۸۶۳ء

۱- خان قلات ہز ہائینس خداداد خان ٹیلی گراف لائن اور اس کے عملے کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے زیر علاقے جو کہ جام لسبیلہ کے علاقے اور گوادر کے درمیان واقع ہے لیں گے۔

۲- برٹش گورنمنٹ ٹیلی گراف لائن کی سہولت کے لئے ان علاقوں میں اسٹیشن بنانے کے لئے بااختیار ہوگا۔

۳- ہز ہائینس کے بندرگاہ میں اترنے والے ٹیلی گراف لائن کی تعمیر میں استعمال ہونے والی اشیاء درآمدی ڈیوٹی سے مستثنیٰ ہوں گیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

۵- ٹیلی گراف لائن کی حفاظت کے سلسلے میں باہو اور دشتیاری کے حاکموں سے ہونے والے سمجھوتے کا ترجمہ ۱۸۶۹ء

کرنل گولڈ اسمڈ چیف ڈائریکٹر ٹیلی گراف کی طرف سے دو ہزار روپے سالانہ جو کہ دین محمد اور محمد علی چیف باہو اور دشتیاری کے مابین برابر تقسیم کی جائیگی جن کے ذمہ ان کے علاقے سے گزرنے والی ٹیلی گراف کی حفاظت کرنا ہے۔ وہ اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ وہ پیچ اور چاہبار کے درمیان ٹیلی گراف لائن کی حفاظت اور بچاؤ کے لئے اپنے تمام وسائل کو بروے کار لائیں گے

ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ ٹیلی گراف لائن کے ملازموں اور آفیسروں کی ہر ممکن مدد کریں گے اور ٹیلی گراف لائن کے افسروں کی زیر استعمال علاقے کی حفاظت کا بھی ذمہ لیتے ہیں اس ضمن میں چار افراد پر مشتمل ایک دستہ بھی فراہم کریں گے جنہیں بیس روپے ماہوار پر ملازم رکھا جائے گا۔

یہ سمجھوتہ جلد ہی نافذ العمل ہوگا۔ اس حوالے سے ملنے والی رقم کپتان راس یا گوادر میں تعینات کسی بھی افسر کے جانب سے دو قسطوں میں سالانہ ادا کی جائیگی۔ اس ضمن میں پہلی قسط یکم جنوری ۱۸۶۹ء کو ادا کی جائے گی۔

اس سمجھوتے کی ناکامی کے نتیجے میں رقم کی ادائیگی بند کی جائیگی۔ میر دین محمد اور میر محمد علی نے کرنل گولڈ اسمڈ اور کپتان راس کی موجودگی میں اس پر اپنی مہر ثبت کیے۔ جس کے نتیجے میں اس دستاویز پر اثبات کے مہر ثبت ہوئے۔

۶- شاہ نصرت حاکم گہہ کی جانب سے ٹیلی گراف لائن کی حفاظت کے ضمن میں سمجھوتے کا ترجمہ ۱۸۶۹ء

شاہ نصرت کو تین ہزار روپے سالانہ میر عبداللہ خان مرحوم حاکم گہہ کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے ٹیلی گراف لائن کی حفاظت کے سلسلے میں کرنل گولڈ اسمڈ ڈائرکٹر انچیف انڈو یورپین ٹیلی گراف لائن کی جانب سے ملیں گے۔ شاہ نصرت اپنی اور خانوادہ گہہ کی نمائندگی کرتے ہوئے اس بات کی ذمہ داری لیتے ہیں کہ چاہبار سے لے کر سیڈیچ (سدیچ) تک ٹیلی گراف لائن کی حفاظت کریں گے۔ وہ اس بات کی بھی ذمہ داری لیتے ہیں کہ ٹیلی گراف لائن کی تعمیر میں بوقت ضرورت آفیسر اور ملازموں کی مدد کریں گے۔ اور گہہ کے حاکم لائن کی تعمیر میں افرادی قوت بھی مہیا کرنے کے ذمہ دار ہونگیں جنہیں ان کی محنتانہ کے عوض ماہانہ بیس روپے تنخواہ ملے گی۔

کپتان راس یا گوادر میں تعینات کسی بھی برطانوی افسر کی جانب سے سالانہ رقم دو شش ماہی قسطوں میں پہلی جنوری ۱۸۶۹ء سے ادا کی جائے گی۔

اگر خانوادہ گہہ کی طرف سے مقرر کردہ شاہ نصرت اس سمجھوتے کی ادائیگی سے قاصر ہوا تو یہ معاہدہ تحلیل کیا جائے گا۔

کرنل گولڈ اسمڈ اور کپتان راس کی موجودگی میں خانوادہ گہہ کی جانب سے مقرر کردہ شاہ نصرت کی مہر سے جاری ہوا

مہر نواز خان — مہر شاہ نصرت

ایف جے گولڈ اسمڈ

لیفٹننٹ کرنل

آر سی راس کپتان

حوالہ جات:-

1- Aithison, C.U.C.(1933) A Collection of Treaties, Engagements and Sanads. vol. XI, Delhi, Manager of Publications pp. 355-361

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

بھمبور پہنچے (جو کہ گھارو کے قریب کراچی سے چند کلومیٹر کے فاصلے پر ٹھٹھہ ضلع میں واقع ہے)۔ بیشتر روایات میں ہے کہ وہ خوشبوؤں کا بیوپاری بن کر بھمبور میں وارد ہوئے۔ یہاں ان کی ملاقات سسی سے ہوئی جو کہ اپنی حسن اور رعنائی میں چندے آفتاب و چندے ماہتاب تھیں۔ سسی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ اصل میں برہمن زادی تھیں جب نجومیوں نے ان کے والد کو بتایا کہ ان کی یہاں بیٹی پیدا ہوگی جو کہ بڑی ہو کر مسلمان گھرانے میں بیاہی جائے گی۔ اس روایت کے مطابق جب سسی پیدا ہوئی تو اس کے والدین فکرمند ہوئے اور بادلِ ناخواستہ انہوں نے اس شیر خوار معصوم کو ایک ٹوکری میں رکھ کر دریائے سندھ کے بے رحم موجوں کے حوالے کیا بالکل اسی طرح جس طرح حضرت موسیٰؑ کو ان کے والدہ محترمہ نے صدیوں پہلے فرعون کے خوف سے دریائے نیل کے بے رحم موجوں کے سپرد کیا تھا۔ جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے، بالکل اسی طرح سسی کو محمد نامی دھوبی دریا سے نکال لائے اور اس نعمت خداوندی کا شکر بجا لایا۔ محمد اور اس کی بیوی اولاد کی نعمت سے محروم تھے اور اس مظلوم بچی کو درغیب خدا سے اپنی دعاؤں کو مستجاب ہونے کی نوید سمجھ کر اس کی ناز و نعم سے پرورش شروع کی۔

حسن بے مثال سسی جب جوان ہوئی تو اس کے حسن کے چرچے دور دیش میں پھیل گئے اور یہی دن تھے جب ان کی ملاقات کیچ مکران کے شہزادے پنوں سے ہوئی۔ پنوں بھی اپنے حسن میں یکتا اور مردانہ وجاہت کے شاندار نمونے کے طور پر جب سسی سے ملے تو وہ ایک دوسرے پر فریفتہ ہو گئے اور یہ فریفتگی شادی کے بندھن میں بدل گئی۔ ہر حسن و عشق کے داستان کی طرح اس داستان میں رکاوٹیں آڑے آئیں اور اس داستان میں رکاوٹیں ڈالنے والے پنوں کے بھائی تھے انہوں نے پنوں کو بہلا پھسلا کر نشہ آور دوا کھلا کر راتوں رات اٹھا کر اپنے ساتھ لے کر کیچ مکران کا رخ کیا۔

جب صبح سسی کو اس کی بربادی کا پتہ چل گیا تو وہ دیوانہ وار اپنے پنوں کی تلاش میں شہر بھمبور سے کیچ مکران کی جانب پیادہ نکل پڑی۔ پنوں نے وصل کے ان قلیل ساعتوں میں اپنے علاقے کی کچھ نشانیاں سسی کو بتائیں تھیں۔ (جب سسی بیلہ کے علاقے پبونی ناکہ پہنچ گئی تو وہ پیاس سے نڈھال ہوگئی) پیاس سے نڈھال سسی جب پانی کی تلاش میں ماری ماری پھر رہی تھی تو پیاس کی شدت اسے مجبور کیا اور زمین کھودنے لگی۔ اور پھر یکایک خدا کے قدرت سے اس ویرانے میں اسی جگہ ایک چشمہ ابھر آیا (آج بھی اس مقام پر ایک چھوٹا سا کنواں موجود ہے) جسے مقامی لوگ سسی وارو چوڈو (سسی کا چشمہ) کہتے ہیں۔ اسی طرح سسی آگے بڑھی تو اس کی راہ میں ندی حائل ہوگئی جس میں طغیانی آئی ہوئی تھی۔ اگرچہ اس نے سن رکھا تھا کہ ندی پار کرنا اتنا مشکل نہیں کیوں کہ یہ

ندی سارا سال خراماں بہتا رہتا ہے۔ لیکن جب پہاڑی علاقوں میں بارش ہوتی ہے تو یہ ندی ایک مست بپھرے ہوئے ہاتھی کی طرح اپنی راہ میں حائل تمام خس و خاشاک کو اپنے ساتھ بہا کر لے جانے والا عمیق سمندر کا روپ دھارتا ہے۔ یہ وہی دن تھے جب سسی ندی پار کرنے پہنچی۔ سسی واپس پلٹی اور مونھ بار (Monhbar) ندی کی طرف گئی۔ اس ندی میں ایک مخصوص چٹان آج بھی موجود ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اگر اس پر ضرب پڑتی ہے تو اس میں سے سسی کی سسکیاں اور آہ و بکاہ سنائی دیتی ہیں۔ اس عجیب الخلقت پتھر کو سسی وارو والوء (سسی کا پیالہ) بھی کہتے ہیں۔ اس کے بعد ایک چرواہے سے سسی کی ملاقات ہوئی۔ چرواہا نے جب اس حسن کے پیکر کو دیکھا تو اس کے دل میں شیطانی خیالات آنے لگے۔ سسی اس کی نیت کو بھانپ کر خدا کے آگے ملتجی ہوئی اور خدا کی قدرت زمین شق ہوتی ہے اور سسی اس میں سما جاتی ہیں اور دوسری جانب پنوں کو ہوش آیا تو اسے اپنے بھائیوں کی دھوکے کا احساس ہوا تو وہ دیوانہ وار اپنے معشوق کی تلاش میں نکل پڑا۔

سرگرداں پنوں جب اسی جگہ پہنچ گیا جہاں پر اسے ایک پشیمان اور پریشان چرواہا نظر آیا۔ وہ پنوں کی دیوانگی کو دیکھ کر اسے تمام واقعات سے آگاہ کرتا ہے تو پنوں بھی دستِ دعا بلند کرتا ہے اور التجا کرتا ہے کہ اے اللہ اسے اس کی معشوق سے ملا دے۔ دعا قبول ہوتی ہے اور زمین دوبارہ شق ہو جاتی ہے اور پنوں بھی اس میں سما جاتے ہیں۔ اس طرح دو عشق بھرے دل ایک دوسرے سے ہمیشہ کے لئے مل جاتے ہیں۔ (۲)

یہ تو تھی وہ روایت جو سندھ اور دیگر علاقوں میں مقبول ہے۔ جسے مختلف شعراء نے اپنے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔ شاہ عبدالطیف بھٹائی نے اپنے کلام میں اس داستان کو خوبصورتی سے بیان کیا ہے اگر یہ کہا جائے غلط نہ ہوگا کہ اگر شاہ صاحب کے کلام میں سے پنوں کو نکال دیا جائے تو شاہ صاحب کا مجموعہ ایک ایسے جسم کے مانند ہوگا جس میں روح باقی نہ ہو۔ سچل سرمست نے بھی شاہ صاحب کی تقلید کی ہے اور اس داستان کو بیان کیا ہے اور اس کے علاوہ پنجاب کے صوفی شعراء نے بھی اس داستان کو خوبصورت انداز میں بیان کیا۔ لیکن اس میں حیرت کا پہلو یہ ہے کہ بلوچی عہدی شاعری میں جس میں تمام تاریخ کو شاعری کی صورت میں بیان کیا گیا ہے، اس میں کیچ کے اس شہزادے سے متعلق کوئی خاص نظم موجود نہیں ہے۔ اور اس سے حیرت ناک بات یہ ہے کہ عام بلوچ اپنے اونٹ کا نام شانگ رکھتے ہیں کیوں کہ شلنگ کیّا کے اونٹ کا نام تھا اور اپنے گھوڑے کا نام سیاہ گوات رکھتے ہیں کیوں کہ سیاہ گوات میر حمل کلمتی کے گھوڑے کا نام تھا لیکن پنوں کا نام کوئی بھی شخص اپنے بچوں پر نہیں رکھتا حالانکہ وہ شہزادہ تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پنوں کا اصل نام کچھ اور

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

ٹھکانے کے طور پر چنا ہے۔

بی بی نانی کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ ایک قدیم دیومالائی اساطیر میں سے ایک تھا جس کی پوجا وادی فرات سے لیکر گنگا جمنا تک کی جاتی تھی۔ ممکن ہے کہ اس کا تعلق قدیم دور کے کلدانی دیوی Nana سے ہو اگر چہ سر دست اس بارے میں وثوق سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

بیسویں صدی کے آغاز (۱۹۰۲ء) میں جب انگریزوں نے اس علاقے کا مکمل سروے کیا تو اس زمانے میں کراچی سے ہنگلاج کا سفر ۲۶ دنوں میں طے ہوتا تھا۔(۱) یہ علاقہ کراچی سے ۵۰ کوس کے فاصلے پر بیان کیا گیا ہے۔ ایک کوس میں تین انگریزی میل ہوتے ہیں اس طرح سے کراچی سے مجموعی طور پر فاصلہ ۱۵۰ میل بنتے ہیں۔ اس سفر کا آغاز کراچی ناکہ سے شروع ہوتا تھا جہاں ہنگلاج منڈل کے زیر اہتمام لوگ اکٹھے ہو جاتے تھے۔ ان کی سربراہی ایک برہمن کیا کرتا تھا جسے Agwa کہا جاتا تھا۔ ہر یاتری کو ایک چھڑی دی جاتی تھی جو کہ کریر (کلیر) کے درخت سے حاصل کی جاتی تھی جس کو سونے یا چاندی کے دستے سے مزین کیا جاتا تھا۔ یاتری کراچی ناکہ پر اکٹھے ہوتے تھے تو انہیں برٹش حکومت کی طرف سے جواز (اجازت نامہ سفر) دیئے جاتے تھے۔ وہ اس جواز کو میانی (Miani) میں موجود حکومتی کارندے کو پیش کرتا تھا جہاں ہر یاتری حکومت کی طرف سے مقررہ کردہ مخصوص ٹیکس ادا کرتا تھا جو کہ ایک روپے سے لیکر چھ روپے تک کا ہوتا تھا اور اس کا اطلاق ہر یاتری کی سماجی حیثیت کے مطابق کیا جاتا تھا۔ یاتری کی سماجی حیثیت کا اندازہ سفر کے شروع میں ہی کراچی کے مقام پر کیا جاتا تھا جہاں یاتری کو مختلف دھاتوں پر مبنی چھڑیاں تمادی جاتی تھیں۔ اس طرح حکومت کو یاترا ٹیکس کے مد میں تقریباً ۶۰۰ (چھ سو) روپے سالانہ منافع وصول ہوتا تھا۔ دوران سفر یاتری مختلف مقدس مقامات پر چڑھاوے نذر کرتے تھے جو کہ ناریل کے Nuts پر مشتمل ہوتا تھا۔

ھنگلاج تیرت کے قریب ایک گہرہ کنواں ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس کی گہرائی کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے۔ اس قدر عمیق اور گہرے کنوے سے لوگ پانی حاصل کرتے ہیں اور اس کو بطور تبرک بوتلوں میں بھر کر اپنے ساتھ واپس اپنے گھروں میں لے جاتے تھے۔ اس کے بعد ایک پانی کا حوض ہے جس کو Alail Kurd کہا جاتا ہے۔ اس حوض میں یاتری نہاتے ہیں۔ اس طرح یاتری اپنے عقیدے کے مطابق اپنے گناہوں کو دھو ڈالتے ہیں۔

مذکورہ حوض سے نہ صرف گناہوں کو مٹانے کا عمل کیا جاتا ہے بلکہ اس حوض سے آنے

والے دنوں سے متعلق پیش گوئی بھی معلوم کی جاتی ہے۔ وہ اس طرح کہ یاتری اپنے ساتھ لائے ہوئے ناریل کو حوض میں پھینکتے ہیں اگر اس عمل کے دوران پانی سے بلبلے نمودار ہوں تو اسے نیک شگون تصور کیا جاتا ہے اور اس سے یہ مراد لی جاتی ہے کہ یہ سال بہت اچھا گزرے گا۔

دیوتاؤں کے سامنے اپنے بلیدان کو مقام قبولیت بخشنے کے لئے ہندو یاتری ھنگلاج کے علاوہ اس علاقے میں موجود دیگر مقامات کی بھی زیارت کرتے ہیں جو کہ مندرجہ ذیل ہیں

چاراسی (Charasi)، گرونانک کا سرن (Guru Nanak ka Saran)، گورک جی کی دھنی (Gorkhgi ki dhani) اور جھولی جار (Jholi Jhar) شامل ہیں۔

حوالہ جات :

۱۔ بلوچستان گزیٹر، (۱۹۰۶) ضلع لسبیلہ، کوئٹہ

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

کے عادی عملداران کو مکران سے نکال کر وہاں کا انتظام قائم کر کے مظلوم مکرانیوں کو جو سابق وزارت کے ظلم وستم کے سبب گوادر، مسقط اور کراچی وغیرہ ملکوں اور شہروں میں در بدر خاک بسر بھٹکتے پھرتے تھے۔نوید امن وامان اور مواعید اصلاحات آئندہ سنا کر وطن کو لوٹ جانے کی نسبت ہر طرح سے اطمینان اور تسلی دی اور قصابی ٹھیکہ کی رعیت آزار رسم کو منسوخ فرمایا اور تلار کے کلانچی کش چنگی خانہ اٹھوا کر دیگر بہت سی بے اعتدالیوں کا قلع قمع کیا۔ بیگار حیوان وانسان کو اگرچہ رعیت پناہ والا حضرت خان نے دربار مبارک کے موقع پر بالاعلان منسوخ کر دیا تھا لیکن کیچ کے سردار مواضعات کے معتبروں نے اس بات کو چھپائے رکھا۔ اور بیچارے غریب کاشتکاروں اور شتربانوں کو مثل سابق ادوار لوٹا کئے مگر اس وزیر اعظم صاحب بہادر نے پسنی پہنچ کر اس کا اظہار کر دی ااور بلوچانِ مکران کو ممنون مراحم اور مدیونِ احسان فرما کر نبکورا جہاز کے ذریعے براہ کراچی واپس کوئٹہ تشریف لے گئے ۔ہم اپنے برادران وطن کو یقین دلاتے ہیں جیسے اس نیک فطرت اور بلوچوں کے خیر خواہ وزیر اعظم صاحب کو فرصت اور موقع ملتا جائے گا وہ ہر انتظام و اصلاح کی طرف متوجہ ہو کر ہماری بگاڑی ہوئی ملکی اور قومی حالت کو بناتے اور سنوارتے رہینگے اور بتوفیق اللہ عز وجل مجتہدانہ ومخلصیانہ اپنے آقا والا حضرت میر محمد اعظم خان دام اقبالہٗ کو تاریخ بلوچستان میں ''تاجی بلوچستانیان'' کے اعلیٰ اور معزز لقب کا مستحق بنانے کی سعی فرمائیں گے۔

حوالہ:

ہفتہ وار البلوچ، کراچی، بروز اتوار ۲۶ ربیع الاول ۱۳۵۰ھ بمطابق ۳۱ جولائی ۱۹۳۲ء

تتمہ نمبر ۵

کھجور

تاریخ مکران کھجور کے ذکر کے بغیر نامکمل اور ناممکن ہے بلکہ یوں کہیے کہ کھجور ہی کی وجہ سے مکران کا نام عہد قدیم کے نسخوں میں جگہ لے سکا۔ مکران ہی سے کھجور بابل، اشور اور اکاد کے عظیم سلطنتوں میں بھیجا جاتا رہا اور اسی کی وجہ سے اس خطے کے قدیم نام ماگان اور مالوہ عہد قدیم کے عراقی کتبوں میں درج ہوئے۔ موسم گرما میں آمین (Aamain) کا موسم جس میں کھجور کی فصل پک کر تیار ہوتی ہے، اس کی بلوچی لوک داستانوں میں وہی اہمیت ہے جو قدیم فارس میں نوروز اور ھندوستان میں بسنت کو حاصل ہے۔ یہ موسم جولائی سے شروع ہو کر ستمبر تک رہتا ہے۔ اہلیان مکران جہاں کہیں بھی رہتے ہوں اس موسم کے شروع ہوتے ہی وطن جانے کی خواہش میں بے تاب ہو جاتے ہیں۔

کھجور کا باٹنیکل نام Phoenix dactylifera ہے۔ اسکے تنے کی لمبائی بارہ سے تیس میٹر تک جا پہنچتی ہے۔ کھجور میں نر اور مادہ درخت الگ ہوتے ہیں یعنی ایک ہی درخت میں دونوں پھول نہیں پائے جاتے۔ مکران میں مارچ کے مہینے میں پھول آنے شروع ہوتے ہیں۔ نر درخت سے پھولوں کے گچھے جسے بلوچی میں گش (Gush) کہتے ہیں کاٹ کر ان کی شاخوں کو Mature مادہ پھولوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اس طرح انسانی مدد سے کراس پولی نیشن کا عمل بروئے کار لایا جاتا ہے۔

مکران میں وادی کیچ اور وادی رخشان کھجور کی فصل کے لئے اہم ہیں ان کی بے شمار اقسام ہیں جو کہ پھل کی ساخت، ذائقہ اور پختگی کی دورانیے کی وجہ سے تقسیم کئے گئے ہیں کھجور کے کئی اقسام مکران میں پائے جاتے ہیں:(۱)

کھجور کے درخت کو بلوچی میں ''مچ''، اس کے ناپختہ پھل کو ''پیک''، پختہ پھل کو ''کلونٹ'' اور باز پختہ (پختہ ہو کر سیاہ ہو چکا ہو) کو ''ناہ'' اور ''نھر ماگ'' کہتے ہیں جبکہ کلونٹ اور ناہ کے درمیانی کیفیت کو ''در۔ یا پانچ'' اور بعض علاقوں میں اسے ''رتب'' کہتے ہیں۔

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

۲۵-پونو (Pono) پھل زرد اور گواری جیسا، نایاب

۲۶-بینڈک (bindak) پھل زرد، گواری جیسا نایاب اور ذائقہ پست

۲۷-پش پاگ (Pash-pag) پھل زرد، نایاب، کھجوروں میں سے نئی نسل، رنگ گہرا چھوٹا اور گول (بلوری ساخت)۔

۲۸-اردکی (Irdiki) پھل کا رنگ زرد، نایاب پش پاگ کی طرح۔

۲۹-شکاری (Shakari) پھل لمبا، گو کناہ سے چھوٹا لیکن بڑا اور موٹا ہوتا ہے۔ پھل سرخی مائل سیاہ (متراسی)، نایاب

۳۰-کلوٹ (Kalut) زرد، اور بڑے جسامت کا، لذیذ، پنجگور میں وافر مقدار میں پایا جاتا ہے۔

۳۱-ریکو (Reko) زرد، پھل بیگم جنگی کی طرح، ذائقہ لذیذ، مہنگا اور نایاب

۳۲-ناپگی (Napagi) رنگ سرخ، پھل بیگم جنگی کی طرح، نایاب

۳۳-خلاس (Khalas) عروج نسل، پھل زرد، سرخ، شیزنز وغیرہ

۳۴-شپگو (Shapago) زرد، پھل موٹائی میں چنگلی کے برابر ہوتا ہے۔ اپنے نام کی نسبت سے پھل کی ساخت سرمہ دستہ (شپگ) کی طرح ہوتا ہے۔

۳۵-اِچکو (Ichko) زرد، پھل کافی چھوٹا، گول اور موٹا ہوتا ہے۔ نایاب ہے۔

۳۶-پرد (Pard) بہت ہی نایاب نسل، پھل سرخ، اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ یہ (۱۸۷۰ء-۱۹۰۰ء) میں مسقط سے مکران میں متعارف کرایا گیا ہے۔

۳۷-زوراباد (Zorabad) پھل دشتاری کی طرح، رنگ زرد، نایاب

۳۸-سیاہ گونک (Siah gwnak) زرد، یہ صرف کوشکلات میں پایا گیا ہے۔

۳۹-سہریں آپدندان (Sohren aap-dandan) آپ دندان کی مانند، گہرے سرخی مائل اور بورہ، پھل چھوٹا اور پتلا، ذائقہ میں پست

۴۰-ھلینی گون (Haleni-gon) یہ ھلینی کا دوسرا قسم ہے۔

۴۱-دشتاری (Dishtari) زرد، آپدندان سے چھوٹا، لیکن گھٹلی کافی موٹی، دشتاری

کے متعلق ایک بلوچی کہاوت مشہور ہے کہ ''دِشتاری دل ءِ داری، مات وارت چک چاریت''، یعنی دشتاری اس قدر لذیذ ہے کہ ماں بچے کو خاطر میں لائے بغیر، اس کو خود کھاتی ہے۔ اس درخت کو دلہن کا درخت بھی کہا جاتا ہے۔ عموماً اسے جہیز کے طور پر دیا جاتا ہے۔

۴۲-روگنی (Rogini) پھل زرد، دشتاری جیسا، پنجگور میں نایاب پھل دشتاری سے ذرا موٹا ہوتا ہے۔

۴۳-روگنی بلیدی (Rogini Bulidai) روگنی کی ایک قسم ہے، پھل روگنی سے چھوٹا لیکن رنگ گہرا، پنجگور اور کیچ کے علاوہ بلیدہ میں بھی پایا جاتا ہے۔

۴۴-شُکش (Shuksh) نایاب، پھل گول اور موٹا، سرخی مائل۔

۴۵-نازن دازی (Nazan dazi) پھل روگنی جیسا، بہت ہی نایاب، کیچ میں اس کے بہت ہی کم درخت دیکھے گئے ہیں۔

۴۶-جیوانا جمکی (Jowana jamkki) زرد، موٹائی میں روگنی جیسا لیکن اس سے ذرا لمبا، جمک اور گورکوپ میں کافی تعداد میں پایا جاتا ہے۔

۴۷-آپ روگن (Aap-rogin) زرد، روگنی جیسا لیکن اس سے لمبا اور موٹا، نایاب

۴۸-چپشک کلونٹی (Chapshuk kulonti) نایاب اور نازک

۴۹-جؤزو (Jouzo) روگنی جیسا، نایاب، ذائقے میں پست

۵۰-مسودی (Masudi) نایاب، زرد، روگنی جیسا۔

۵۱-راگو (Rago) زرد، نایاب یہ بھی روگنی سے مشابہت رکھتا ہے

۵۲-انگورو (Anguro) زرد، اچکو جیسا، ذائقہ روگنی جیسا، نایاب

۵۳-ناسو (Nasua) سرخ، ساخت میں روگنی جیسا، نایاب

۵۴-وش کنگ (Wash kung) زرد، سرخ، نایاب

۵۵-گونزلی (Gonzali) پھل سیاہی مائل (ناسی)، گول (بلوری)، کثیر تعداد میں پایا جاتا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

۹۱-سبل (Sibil) رنگ زرد، شہرک میں صرف ایک درخت پایا گیا۔

۹۲-پرامو (Parramo) رنگ سرخ، نایاب

۹۳-کلگ در (Kalag dir) یہ کروچ نسل کا ہے۔ کلانچ میں پایا جاتا ہے

۹۴-کلونٹی (Kulonti) زرد، کوشکلات میں ایک درخت پایا گیا

۹۵-وکشی (Wakhshi) ایک نیا اضافہ، کوشکلات میں چند درخت پائے گئے

۹۶-وش کلونٹ (Wash kulont) زردی مائل سفید، نایاب، لذیذ ذائقہ

۹۷-گندگربگ (Gund gurbag) رنگ زرد، نایاب

۹۸-روگنی سکنو (Rogini sakano) زرد، نایاب لیکن ذائقہ بہت پست

۹۹-آسامی (Asami) رنگ زرد، جوسک میں ایک درخت پایا گیا۔

۱۰۰-پُپّو (Puppo) رنگ زرد، نایاب، پنجگور میں پیداوار زیادہ دیتا ہے۔

۱۰۱-شنش (Shunsh) اسے جنج (Junj) بھی کہتے ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں ایک زرد رنگ کا پھل دیتا ہے جبکہ دوسری قسم کے پھل سرخ ہوتے ہیں۔ اس سے متعلق ایک کہاوت مشہور ہے کہ ایک سیر شنش سے ڈیڑھ سیر گھٹلیاں ملتی ہیں۔

۱۰۲-پچکی (Pachki) پھل پکنے کے بعد سیاہی مائل زرد

۱۰۳-زرد رئیس (Zard-e-rais) رنگ زرد، بلیدہ میں عام پایا جاتا ہے

۱۰۴-کہرُبا (Kahruba) زرد، اس سے مُراتی کے ذائقے کو محفوظ کیا جاتا ہے۔

۱۰۵-سُہر (Suhr) رنگ سرخ، سیاہی مائل اور زرد

۱۰۶-لنگو (Lango) کروچ نسل کا ہے، بدذائقہ

۱۰۷-ھش کچ (Hushkich) دزک میں خاص پایا جاتا ہے اور پنجگور میں بھی پایا جاتا ہے۔ ہر درخت پر ہی پکنے کے بعد خشک ہو جاتا ہے۔

حوالہ جات:

1- Field, Henry (1959). An Anthropological Reconnaissance in West Pakistan, 1955, Appendix N: Date trees in Makran. Peabody Museum Cambridge, Massachusetts. U.S.A. pp270-273

کتابیات

۱-آزاد، مولانا ابوالکلام (۱۹۹۹)، تذکرہ، مکتبہ جمال، تیسری منزل حسن مارکیٹ، اردو بازار لاہور، صفحہ نمبر ۴۷
۲-ابن اطہر، جلد ہفتم، صفحہ نمبر ۶۸۵
۳-احمد، خواجہ نظام الدین، (۱۹۹۱)، طبقات اکبری، ترجمہ و ترتیب محمد ایوب قادری، جلد سوئم، اردو سائنس بورڈ اپر مال لاہور
۴-احمد قاضی سعید الدین (۱۹۷۱)، پارتھیا۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، شعبہ اردو ۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور، جلد پنجم۔ صفحہ نمبر ۳۴۹
۵-احمد زئی، میر نصیر خان کمبرانی (۱۹۸۸)، تاریخ بلوچ و بلوچستان۔ جلد اول، بلوچی اکیڈمی مکران ہاؤس
۶-ادارہ (۱۹۸۵) اردو دائرہ المعارف اسلامیہ، جلد ۱۵
۷-اردو دائرۃ معارف (۲۰۰۲)، شعبہ اردو، دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور، جلد چہارم
۸-اردو دائرہ معارف اسلامیہ (۲۰۰۲) جلد نمبر ۸
۹-اردو دارۃ المعارف اسلامیہ، بار دوئم (۲۰۰۱)، جلد ۲/۱۴
۱۰-اردو دائرۃ معارف اسلامیہ۔ (۲۰۰۱)، جلد ۲۱، شعبہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور
۱۱-اردو لغت (تاریخ اصول پر) جلد دوئم، اردو لغت بورڈ کراچی (۱۹۹۰) صفحہ نمبر ۳۰۶-۳۰۷
۱۲-اشرف، میاں محمد (۲۰۰۵)، غلامی ایک تاریخی جائزہ: فروغ علم اکیڈمی، ۱۷۵/۹ ماڈل ٹاؤن ہمک، اسلام آباد صفحہ نمبر ۳
۱۳-البلاذری، احمد بن یحیٰی بن جابر الشہید (۱۹۸۶) فتوح البلدان، مترجم سید ابوالخیر مودودی، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی
۱۵-البلوشی، ڈاکٹر محمد اسماعیل دشتی، (۱۹۹۹)، بلوچ تاریخ اور عرب تہذیب، اسحاق بلفقی المری بلوچ، کراچی
۱۶-البیقھی، ابوالفضل، تاریخ المسعودی، تہران، ۱۹۳۵ صفحہ نمبر ۶۰، ۷۰، ۲۷۳
۱۷-التبی التاریخ الیمنی، بمعہ حواشی شیخ مانینی، قاہرہ (۱۸۶۹ء) جلد دوئم، صفحہ نمبر ۳۳-۱۳۲
۱۸-اکرم، شیخ محمد، (۱۹۵۸)، رود کوثر، اشاعت سوئم، فیروز سنز لاہور، صفحہ نمبر ۲۱
۱۹-امجد، یحیٰی (۱۹۸۹)، تاریخ پاکستان، قدیم دور، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور
۲۰-امجد، یحیٰی، (۱۹۹۷)، تاریخ پاکستان وسطی عہد، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور
۲۱-ایمانی، علی اکبر، (۲۰۰۴)، ناسر جمیناں سر جم کن ات، ماہتاک بلوچی لبزانک، حب بلوچستان، مارچ ۲۰۰۴، صفحہ نمبر ۵۵
۲۲-بدایونی، ملا عبدالقادر (۲۰۰۶)، منتخب التواریخ، ترجمہ محمود احمد فاروقی، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، صفحہ نمبر ۲۷۲
۲۳-بزدار، واحد، (۱۹۹۸)، قدیم بلوچی شاعری کا تنقیدی جائزہ، ادارہ برائے مطالعہ پاکستان، قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد
۲۴-بکنر وی ایف (۱۹۷۳)۔ ساسانیان۔ دائرہ المعارف۔ جلد ۱۰، صفحہ نمبر ۵۸۵-۶۰۷
۲۵-بگٹی، عزیز محمد (۱۹۸۴)، تاریخ بلوچستان شخصیات کے آئینے میں، قلات پریس، کوئٹہ
۲۶-بلوچ، اختر علی خان، (۱۹۹۶)، بلوچستان کی نامور شخصیات، رائل بک کمپنی، کراچی صفحہ نمبر ۱۹۳
۲۷-بلوچ جسٹس میر خدا بخش بجارانی مری، (۱۹۶۳)، قدیم بلوچی شاعری بمعہ اردو ترجمہ، کوئٹہ، صفحہ نمبر ۲۳-۳۳
۲۸-بلوچ، عبدالغنی (۱۹۹۶)، ذکری فرقہ کی تاریخ، آل پاکستان مسلم ذکری انجمن، بکری لین کراچی
۲۹-بلوچ، محمد سردار خان (۱۹۷۹) بلوچ قوم کی تاریخ اردو ترجمہ پرفیسر انور رومان، نادر ٹریڈرز، مستونگ
۳۰-بلوچ، ملک محمد سعید (۱۹۷۱)، بلوچستان ماقبل تاریخ، بلوچی اکیڈمی کوئٹہ
۳۱-بلوچ، میر محمد حسین عنقا (۱۹۷۴)۔ بلوچ قوم کے دور قدیم کی تاریخ۔ میر محمد حسین عنقا بلوچ
۳۲-بلوچستان گزیٹر، (۱۹۰۶) ضلع لسبیلہ، کوئٹہ
۳۳-بوئیل، جے۔اے، (۱۹۷۱ء) جلال الدین خوارزم شاہ، اردو دائرہ المعارف اسلامیہ شعبہ اردو، دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور
۳۴-پوٹنجر، ہنری (۱۹۸۰)، سفرنامہ بلوچستان وسندھ، اردو ترجمہ پروفیسر ایم انور رومان، نساٹریڈرز، جناح کلاتھ مارکیٹ، کوئٹہ
۳۵-تاریخ سیستان، ملک الشعراء و بہار تہران ۱۹۳۵/۱۳۱۴، صفحہ نمبر ۲۸۰-۲۸۱
۳۶-جمہری، شہداد (۱۹۹۳)، مکران ماں واپاناں، ماہتاک ذرمان بلوچی، فروری ۱۹۹۳

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں : www.iqbalkalmati.blogspot.com

20-Besenval Roland (2000) New Data for the Chronology of the protohistory of Kech-Makran (Pakistan) from Miri Qalat 1996 and Shahi Tump 1997 field seasons In "South Asian Archaeology" Taddei, M. and De Marco G. eds. Rome. Istituto Italiano Per L' Africa E L' oriente. pp 161-187
21-Besenval R. and Marquis P. (1991) Excavation in Miri Qalat (Pakistani Makran). Results of the field season (1990) In South Asian Archaeology 1991. Gail A.J. , and Mevissen G.J.R. eds. Franz Steiner Verlag Stuttgart. pp31-48
22-Besenval R. and Desse J. (1995) Around or Lengthwise? Fish Cutting-up areas on the Baluchi Coast (Pakistani Makran). The Archaeological Review 4/1-2. pp 133-149
23-BDGS, Kharan, p.80
24-BDGS, Lasbella. page 42-43
25-Blois F.D. (1989) Maka and Mazan. Studia Iranica vol.18: pp 157-17
26-Bosworth C. Edmund (1994) Rulers of Makran and Qusdar in the early Islamic period. studia Iranica vol.23, pp 199-209
27-Boyajian Vahe (2003) Towards the interpretation of the term Baloc in the Sahnaine In "The Baloch and their Neighbours"Jahani C. and Korn A. eds. Reichert Verlag Wiesbaden. p314
28-Boyle J.A ed (1968) "the Cambridge history of Iran. vol-5. The Saljuq and Mongol Periods. Cambridge, at the University Press. p-86
29-Daily News (London England) Tuesday, January 25, 1898, issue 16172
30-Burton, R.F. (1851), Sindh and the Races that inhabit the valley of the Indus. London.
31-Dales George F. (1979) The Balakot Project: Summary of four years Excavation in Pakistan. In "South Asian Archaeology 1977" Taddei M. ed. Naples pp 241-273
32-Dales. G.F. and Lipo C.P (1992), Explorations on the Makran Coast, Pakistan. A search for paradise. contributions of the archaeological Research facility university of California at Berkeley No. 50, p 258
33-De Cardi Beatrice (1970) Excavations at Bampur A third Millennium Settlement in Persian Baluchistan. 1966. vol. 51: part 3. Anthropological Papers of the American Museum of natural history N.Y. pp 237-346
34-Dhrante Silvio (1979) Marine Shells from Balakot, Shahr-i-sokhta and tape Yahya: Their significance for trade and Technology in Ancient Indo-Iran In "South Asian Archaeology 1977" Taddei M. ed Naples 1979. pp 317-334
35-Dobbins K.Walton (1992) The Makran Voyage of Nearchos. In "Eastern Approaches" Essays on Asian Art and Archaeology. Maxwell T.S. ed. Oxford University Press Delhi pp 16-29
36-Drower, Margaret S. (1990) Cyrus the Great Collier's Encyclopedia vol.7, Macmillan Educaion Company N.Y. pp 612-613
37-Drower, M.S.(1990) Darius: Collier's Encycl pedia vol.7 pp 718-719
38-Elfenbein, Josef H. (1989), Baloci, In: Schmitt pp 350-362
39-Elfenbein, J.H. (1989), Baluchistan III: Baluchi Language and

Literature in : Encyclopaedia Iranica vol. 3. pp 633-644
40-Encyclopedia of Islam. first ed. s.v Balochistan. p. 628
41-Fairservis, Walter A. Jr. (1975) The Roots of ancient India.2nd edition, Chicago: University of Chicago Press pp-147-148 and 205-206
42-Faria y Sousa, M. (1695) Portuguese Asia or History of Discovery of India by Portuguese. English translation. London. vol. I.
43-Field. Henry (1959), An Anthropological Reconnaissance in West Pakistan. 1955, Cambridge Peabody Museum p62
44-Fiorani V.P. (2003) International Indian Ocean Routes and Gwadar Kuh-i-Batil old Barrage in Makran. Baluchistan. Terra in cognitaFiorani V.P. and Redaelli. R eds. Bar international Series 1141. pp87-114
45-Fiorani V.P. (2003), The castles of Kech: a Society without cities In Balochistan Terra Incognita: Fiorani V.P. and Radaelli R eds. BAR International Series 1141.
46-Franke-Vogt, U. (1995) Reopening Research on Balakot: A Summary of Perspectives and first results. In "South Asia Archaeology 1995. Allchin. R. and Allchin B. eds. Oxford and IBH Publishing Co. pvt. Ltd. New Delhi pp 217-235
47-Glasgow Herald (Glasgow, Scotland) Friday, February 4th,1898, Issue30
48-Govt. of India (1932), List of Leading Personage in Baluchistan. (Corrected up to 1st July 1931) Govt. of India Calcutta.
49-Grant, N.P. (1839) Journal of a route through the western parts of Makran. Journal of the Royal Asiatic Society. London. Vol. V.
50-Hamil, Fred C. (1990) Selguks or Seljuqs in Collier's Encyclopedia Macmillan. N.Y. vol. 20. p581
51-Hamilton W.C. (1857) The Geography of Strabo. vol. III London. pp 119-124
52-Hansman J. (1973) A Periplus of Magan and Meluhha. Bulletin of the School of oriental and African Studies Vol.36 (3) pp.554-587
53-Hosseinbor, Dr.M.H (2000),Iran and its Nationalities: The case of Baluch nationalism. Pakistan, Adab Publications, Karachi.
54-Hunting Ford G.W.B. eds. (1980) The periplus of the Erythraean sea by an unknown author with some extracts from Agatharkhides "on the Erythraean Sea". The Hakluyt society London, pp. 119-124, 179-184
55-Janmahmad, (1989), Essays on Baloch National Struggle in Pakistan, Emergence Dimensions Repercurssions. Gosha-e-Adab, Jinnah road, Quetta. pp13-17
56-Jones Tom B. (1990) Parthia : Collier's Encyclopedia, vol-19, p 64
57-Leech, R. (1844). Notes taken on a Tour through parts of Baluchistan in 1838 and 1839 by Hajee Abdun Nabee, of Kabal. Arranged and translated by Major Leech. Journal of the Asiatic Society of Bengal. CLIII- CLIV. London. pp 667-707
58-Lorimer J.G. (1915), Gazetteer of the Persian Gulf, Oman and Central Arabia, Superintendent Government Printing India, Calcutta. Vol. I.
59-Malleson G.B. (1879), History of Afghanistan from the earliest period to 1878. London.
60-Marquart J. (1933) A Catalogue of the provincial capitals of

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں

106-The Pall Mall Gazette (London). Thursday January 13th. 1898, Issue 10234
107-The Pall Mall Gazette (London, England). Thursday. March 17th, 1898, Issue 102 88:
108-The Times, Thursday. Dec. 30, 1926. pg.9 Issue 4466: col. D.
109-Thornton. A.P. (1956) The Re-opening of the Central Asian Question. 1864-1869. History vol. XLI. pp 122-136
110-Vincent. W.D.D. (1807) The commerce and Navigation of the ancients in the Indian Ocean. vol. I London. pp 206-207

Unpublished Record

India Office Record:

IOR, R/1/34/6, 21, 23, 26, 34,38 & 48
IOR, R/1/35/4.
IOR, R/3/1/166 no. 57 & no.71
IOR, L/P&S/6/230, vol. 2 no. 56, 43 &93.
IOR, L/P & S/12/2985 no. 26, 65 & 72
IOR, L/P&S/13/1843,1846 no. 27, 32 & 42 and 1948. no.1
IOR, L/PS/13/1847 no. 57
IOR, L/P&S/18/C68.
IOR, L/P&S/ 20/B260 no. 3
IOR, Home Miscellaneous (H.M) /551. no. 214
IOR, HM/551. no. 9
IOR, HM/551 and FO 248/190, no. 5198 (FD)
IOR, HM/551, no. 2,19 &32.
IOR, Foreign Office (FO), no. 214. 60/279. 248/196 and no. 34.
IOR: MSS: Eur/D 971/2

Baluchistan Provincial Archives (PA)

B.P.A.53 file 94-2, Basta 8
B.P.A, S9, File 289 Basta 9.
B.PA,S1,File M-1 vol 1. Basta 1.
P.A, S9, File 298 Basta 9.
Balochistan Secretariat's Records, Basta 26.9.369-S/1948 vol. 1
H.S.A File 23, no.1510.
H.S.A. File 289 Basta 9
H.S.A.R.L. office, Basta N. 23,-2.72. p-1

Jinnah Papers,

F. 14-GG/76-78, 92, 101-102, 104, 109-111, 120,

www.iqbalkalmati.blogspot.com : مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں